خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

نومبر 2020

PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

کہنی سنی، مدیرہ 10

کرن کرن روشنی، ادارہ 11

ہمارے نام، نادرہ خاتون 30

آپ سے کیا پردہ

کوئی دن گر یہ گرانی، انشا جی 16

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 242

مجھ سے ملئے

باتیں سید عارض الدین احمد سے، شاہین رشید 18

انٹرویو

علینہ فاروق شیخ سے ملاقات، شاہین رشید 24

ناول

تتلی جیسا پیار، راحت جبیں 34

حاصل، نمرہ احمد 174

مکمل ناول

رقص شرر، فائزہ ثمرین 204

لیکن وہ میرے خواب، فروح [illegible] 122

ناولٹ

ایک انوکھا ایک اکیلی، نعیمہ ناز 66

خلش، شیلہ شوکت 102

افسانے

ستاروں والا جوڑا، شازیہ جمال طارق 56

خواب سراب، عندلیب زہرا 63

ہم خیال، سعدیہ [illegible] 95

ہنر بے مول، فریحہ اشتیاق 118

بند مٹھی میں ریت، قانتہ رابعہ 171

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ — 238
خبریں ویریں — واصفہ سہیل — 250

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی — 241

پکوان

آپ کا باورچی خانہ — گل مردان — 252
موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی — 254

نظمیں غزلیں

غزل — ناصر کاظمی — 236
تلاطم — امجد اسلام امجد — 237
غزل — کامی شاہ — 236
غزل — عرفان صدیقی — 237

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ..... 8400/- روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ..... 18,000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ..... 20,500 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان — 256

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور — 258

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیرہ

کہی ان کہی

خواتین ڈائجسٹ نومبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسلامی ہجری سال کے تیسرے مہینے ربیع الاوّل کا آغاز ہو چکا ہے۔ وہ ماہ مبارک جب محسن انسانیت، سرورِ کائنات، باعثِ تخلیقِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی۔

ربیع الاوّل کے لغوی معنی پہلی بہار کے ہیں۔ خاتم الانبیا، فخرِ دوعالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پوری کائنات کے لیے بہار کا پیغام ہے۔ ایسی بہار جس پر کبھی خزاں کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ آپ کا نزول کائنات پر اللہ کا احسان عظیم ہے۔

ہادیٔ اعظم، سرورِ کونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ اور آپ کی تعلیمات قیامت تک بنی نوع انسان کو فلاح اور خیر کا راستہ دکھاتی رہیں گی۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و بلندی کی حد ہے نہ انتہا۔ آپ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا۔ زمان و مکاں کی وسعتیں آپ کے اسمِ مبارک سے روشن ہیں۔ کرۂ ارض پر ہر اذان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا ہے۔ یہ درجہ کائنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تمام انبیا علیہ السلام میں بھی آپ سب سے افضل مقام پر فائز ہیں۔

سرورِ کونین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور آپ سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا، لیکن صرف زبانی کلامی محبت کا دعوا کافی نہیں۔ محبت کا یہ دعوا اسی وقت کامل ہو گا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ کی پیروی کی جائے۔

سانحہ اے پی ایس کے زخم ابھی تازہ تھے کہ پشاور کے ایک دینی مدرسے میں ہونے والا بم دھماکا خون کے آنسو رُلا گیا۔ معصوم بچے جو درس قرآن و حدیث میں مشغول تھے۔ انہیں بم کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ حادثہ انتہائی المناک ہے۔ جنہوں نے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کے لیے یہ دہشت گردی کی ہے۔ وہ عبرت ناک سزا کے مستحق ہیں۔ انہیں انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ انہیں سامنے لا کر قرار واقعی سزا دی جانا چاہیے۔ ہم ان بچوں کے والدین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- راحت جبیں کے ناول "تتلی جیسا پیار" کی آخری قسط،
- فائزہ ثمرین کا مکمل ناول ۔ "رقصِ شرر"، فرح بھٹو کا مکمل ناول ۔ "لیکن وہ میرے خواب"،
- نمرہ احمد کا ناول ۔ "حالم"، نعیمہ ناز اور شبانہ شوکت کے ناولٹ،
- شازیہ جمال طارق، عندلیب زہرا، فریحہ اشتیاق، سعدیہ رئیس اور فاتنہ رابعہ کے افسانے،
- اینکر اور نیوز کاسٹر علینہ عادل شیخ سے ملاقات،
- ٹی وی فنکار سید عارض الدین احمد سے باتیں،
- کرن کرن روشنی ۔ احادیث نبوی کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

نومبر کے شمارے کے بارے میں اپنی رائے خطوط کے ذریعے ضرور بھجوائیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کررہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

کیا غلام کے بدلے میں آزاد کو (قصاص میں) قتل کیا جائے گا؟

حضرت سمرو بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے اپنے غلام کو قتل کیا، ہم اسے قتل کر دیں گے اور جس نے غلام کے ناک کان کاٹے، ہم بھی اس کے ناک کان کاٹ دیں گے۔''

قاتل جس طرح قتل کرے، اس سے اسی طرح قصاص لیا جائے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

''ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل کر اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس (قاتل) کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔''

• حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ایک یہودی نے ایک لڑکی کو اس کے چاندی کے زیوروں کے لیے قتل کر دیا۔ (ابھی فوت نہیں ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔

''کیا تجھے فلاں آدمی نے قتل کیا ہے؟''

اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ''نہیں'' پھر دوبارہ (کسی اور کا نام لے کر) دریافت فرمایا تو اس نے اشارہ کیا کہ ''نہیں'' تیسری بار (اس یہودی کا نام لے کر) پوچھا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ''ہاں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مجرم) کو دو پتھروں کے درمیان (سر کچل کر) قتل کروا دیا۔''

فوائد ومسائل:

1۔ پتھروں کے درمیان قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سر پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر مارا جس سے وہ شدید زخمی ہوگئی اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر فوت ہوگئی۔

2۔ گواہی کے معاملے میں واضح اشارہ کلام کے حکم میں ہے۔ نماز میں اس قسم کا اشارہ کلام کے حکم

میں نہیں۔

3۔سزائے موت اسی طرح دی جائے جس طرح قاتل نے قتل کیا ہو۔

قصاص صرف تلوار سے قتل کر کے لیا جائے

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قصاص صرف تلوار سے ہوتا ہے۔''

کوئی کسی کے جرم کا ذمے دار نہیں

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔''میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

''سنو! کوئی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی پر جرم نہیں کرتا۔ نہ باپ کے جرم کی ذمے داری اس کے بیٹے پر ہے، نہ بیٹے کے جرم کی ذمے داری اس کے باپ پر ہے۔''

• حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے حتی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''سنو! کسی ماں کے جرم کی ذمے داری اس کے بیٹے پر نہیں۔سنو! کسی ماں کے جرم کی ذمے داری اس کے بیٹے پر نہیں۔''

• حضرت خشخاش عنبری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میرے ساتھ میرا بیٹا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تیرے جرم کی پرسش اس سے نہیں ہوگی اور اس کے جرم کی پرسش تجھ سے نہیں ہوگی۔''

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کسی جان کے جرم کی ذمہ داری دوسری جان پر نہیں۔''

فوائد و مسائل:

1۔مجرم کے جرم کی سزا اس کے باپ، بیٹے، بھائی یا دوست وغیرہ کو نہیں دی جاسکتی۔

2۔مفرور مجرم کو پکڑنے کے لیے اس کے اقارب پر سختی کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

3۔مشکوک شخص سے اقرار کرانے کے لیے مناسب حد تک سختی کی جاسکتی ہے۔

4۔مشکوک یا مجرم شخص سے اس کے شریک جرم ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے مناسب حد تک سختی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ ایسے قرائن موجود ہوں جن سے اس کا مشکوک و مجرم ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

جن چیزوں میں دیت نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''چوپائے کا پہنچایا ہوا زخم ہدر (رائیگاں) ہے اور کان (میں گر کر آنے والا زخم) ہدر ہے اور کنواں ہدر ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''آگ ہدر (رائیگاں) ہے اور کنواں ہدر ہے۔''

فوائد و مسائل:

1۔عربی لفظ ''ہدر'' کے معنی رائیگاں ہونا، بے کار، لغو، بے فائدہ اور بے مقصد ہو جانا، اسی طرح رائیگاں کرنا، بے کار اور بے مقصد بنانا ہیں، یعنی یہ لازم اور متعدی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔

2۔مویشی کے ہدر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا جانور چھوٹ کر بھاگ جائے اور اسی اثنا میں کسی کو زخمی کر دے یا ہلاک کر دے تو جانور کے مالک پر اس کی ذمے داری نہیں ہوگی۔اس سے قصاص یا دیت کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

3۔معدنی چیزیں نکالنے کے لیے جو کان کھودی جاتی ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ

مزدور کان میں کام کر رہا ہے کہ اوپر سے پتھر گرا یا پیچھے سے پتھر گرا کہ راستہ بند ہو گیا جس کی وجہ سے وہ مزدور فوت ہو گیا۔ اس صورت میں کان کا مالک قاتل شمار نہیں ہوگا۔ اس پر قتلِ خطا والی دیت بھی لازم نہیں ہوگی۔

4۔ کنویں کے ہدر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کنویں سے پانی نکالنے کی کوشش میں کنویں میں گر پڑے یا کوئی اور ایسا حادثہ پیش آجائے تو کنویں کا مالک ذمے دار نہیں ہوگا۔

5۔ آگ ہدر ہونے کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے اپنی کسی ضرورت سے آگ جلائی، ہوا سے اس کی چنگاریاں اڑ کر کسی کی چیز پر پڑ گئیں جن کو روکنا آگ جلانے والے کے بس میں نہ تھا۔ اس صورت میں آگ سے پہنچنے والے نقصان کی ذمے داری آگ جلانے والے پر نہیں ہوگی اور اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔

قسامت کا بیان

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ۔

''حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ تنگ دستی کی وجہ سے (روزی کی تلاش میں) خیبر گئے۔ (وہاں) کسی نے آ کر محیصہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ۔

''عبداللہ بن سہل کو قتل کر کے خیبر کے ایک کنویں یا چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔''

محیصہ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے پاس جا کر انہیں کہا۔

''قسم ہے اللہ کی! تم ہی نے اسے قتل کیا ہے۔''

انہوں نے کہا۔ ''قسم ہے اللہ کی! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔''

پھر وہ (خیبر سے) اپنے قبیلے والوں کے پاس گئے اور انہیں صورت حال بتائی، پھر محیصہ رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حویصہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

محیصہ رضی اللہ عنہ نے بات شروع کرنی چاہی کیونکہ (حادثے کے وقت) خیبر میں وہی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محیصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

''بڑے کا لحاظ کرو۔'' (یعنی جو عمر میں بڑا ہے، اسے بات کرنے دو۔)

چنانچہ حویصہ رضی اللہ عنہ نے بات کی، پھر ان کے بعد محیصہ رضی اللہ عنہ نے بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''یا وہ تمہارے مقتول کی دیت دیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں اہل خیبر کے نام تحریر فرمایا۔

انہوں نے (جواب میں) لکھا۔ ''قسم ہے اللہ کی! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔''

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہؓ، محیصہؓ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

''کیا تم قسمیں کھاتے ہو اور اپنے آدمی (مقتول) کا خون بہا (دیت) لینے کے مستحق بنتے ہو؟''

انہوں نے کہا۔ ''جی نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''پھر یہودی تمہارے لیے قسمیں کھائیں گے۔'' (قسمیں کھا کر خود کو بے گناہ ثابت کر دیں گے۔)

انہوں نے کہا۔ ''وہ مسلمان نہیں۔'' (ان کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا معمولی بات ہے۔)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی دیت دے دی اور ان کے پاس سو اونٹنیاں بھیج دیں اور وہ ان کے گھر پہنچا دی گئیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''ان میں

سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات بھی ماری تھی۔''

فوائد و مسائل:

1۔ جب کوئی شخص قتل ہو جائے اور اس کے قاتلوں کا پتا نہ چلے تو مدعی قبیلے کے پچاس آدمی مشکوک افراد کے بارے میں قسم کھائیں کہ یہ ہمارے قاتل ہیں۔ اگر وہ قسم کھالیں تو مدعا علیہم سے دیت دلوائی جائے گی۔ اگر یہ لوگ قسم نہ کھائیں تو مدعا علیہم میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں گے کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان پر ضروری ہوگا کہ قاتل کو پیش کریں اور اگر وہ قسم کھالیں تو وہ بری ہو جائیں گے اور ان سے دیت وصول نہیں کی جائے گی۔ اس صورت میں دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

2۔ قسم کھانے والوں میں کوئی بچہ، عورت، غلام یا مجنوں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر پچاس افراد کی تعداد مکمل نہ ہو سکے تو جتنے افراد موجود ہیں وہی پچاس قسموں کی تعداد پوری کریں۔

3۔ اہم معاملات میں بزرگوں کو بات کرنی چاہیے، نیز بزرگوں کی موجودگی میں نوجوانوں کو بات کرنے میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔

جھوٹی قسم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسعود کے بیٹے حویصہ اور محیصہ (رضی اللہ عنہ) اور سہل کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) گلہ لینے خیبر گئے۔ (وہاں) عبداللہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا تم قسمیں کھا کر (دیت کے) مستحق بنتے ہو؟''

انہوں نے کہا۔ ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں جب کہ ہم نے دیکھا نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''پھر یہودی (قسمیں کھا کر) تم سے بری ہو جائیں گے۔''

انہوں نے کہا۔ ''اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم! تب تو وہ ہمیں قتل کرنا شروع کر دیں گے۔'' (وہ جسے چاہیں گے، قتل کر کے پچاس جھوٹی قسمیں کھالیا کریں گے۔)

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس (بیت المال) سے اس کی دیت ادا فرما دی۔

اگر کوئی شخص اپنے غلام کا مثلہ کرے تو غلام آزاد ہو جائے گا

حضرت سلمہ بن روح بن زنباع اپنے دادا (حضرت زنباع بن روح جذامی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنے غلام کو خصی کر دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

مومن قتل کرتے وقت بھی سب لوگوں سے زیادہ تقوے کا خیال رکھتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قتل کرنے کے انداز میں بھی سب لوگوں سے زیادہ گناہ سے بچنے والے مومن ہی ہوتے ہیں۔''

فائدہ:

1۔ مذکورہ دونوں روایتیں اکثر محققین کے نزدیک ضعیف ہیں، تاہم صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی روایت موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

2۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔

3۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کرے اور

ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچائے (ممکن حد تک کم سے کم تکلیف پہنچائے۔)

سب مسلمانوں کا خون برابر ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''مسلمانوں کے خون باہم ہم مرتبہ ہیں۔ وہ دوسروں (غیر مسلم دشمنوں) کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ ان کا ادنیٰ بھی معاہدے کی ذمے داری اٹھا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا وہ (مجاہد) بھی غنیمت ادا کرے گا جو سب سے دور (اور دشمن سے بالکل قریب) ہے۔''

فوائد و مسائل:

1۔ خون برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور دیت کے معاملات میں کسی ادنیٰ اور اعلا کا فرق نہیں۔ نہ قبائل کے لحاظ سے، نہ غریب امیر ہونے کے لحاظ سے۔ سب کے حقوق برابر ہیں۔ اسی طرح بچہ اور بڑا بھی ایک ہی حکم میں ہے۔

2۔ مسلمانوں کو دشمن کے خلاف بالکل متحد ہونا چاہیے ورنہ پوری قوم کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

3۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہیے اور کسی مسلمان کو دشمن سے میل جول نہیں رکھنا چاہیے۔

4۔ اگر کسی غیر مسلم کو کوئی ادنیٰ مسلمان بھی امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے۔

5۔ کوئی مجاہد غنیمت کا مال خود ہی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، بلکہ اسے چاہیے کہ غنیمت کم ہو یا زیادہ، امیر لشکر کے پاس جمع کرائے، پھر اپنے حصے کے مطابق وصول کرے۔ یہ نہ سوچے کہ امیر دور ہے، اور اگر وہاں یہ تھوڑی سی چیز پہنچاؤں گا تو ہو سکتا ہے، یہ میرے حصے ہی میں آجائے، لہٰذا میں اسے امیر کے پاس جمع نہیں کراتا، اپنے پاس ہی رکھ لیتا ہوں، ایسا نہ کرے بلکہ اصول کی پابندی کرے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''مسلمان دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح ہیں اور ان کے خون باہم برابر ہیں۔''

ذمی کے قتل کا گناہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص کسی ذمی کو قتل کرے اسے جنت کی خوشبو نہیں آئے گی، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، جس کی (حفاظت کی) ذمے داری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائی ہے تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے۔''

فوائد و مسائل:

1۔ مسلمان ملک کے غیر مسلم باشندے ''ذمی'' کہلاتے ہیں، کیونکہ اسلامی حکومت ان کے حقوق کی حفاظت کا ذمہ اٹھاتی ہے۔

2۔ یہ حقوق انہیں اللہ کے حکم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں دیے جاتے ہیں، اس لیے گویا ان کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمے داری کی ادائیگی میں خلل ڈالے۔

3۔ جنت کی خوشبو نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ جنت سے ہزاروں میل دور ہوگا۔ آخرت میں صرف جنت اور جہنم ہی کے مقامات ہیں، اس لیے اس میں یہ وعید ہے کہ وہ شخص جہنم میں جائے گا۔

☆

کوئی دن گریہ گرانی اور ہے

(انشاجی)

آج کل گرانی کا مسئلہ گرم ہے۔ ہر کوئی چیخ رہا ہے اور دوسرے کے گریبان میں منہ ڈال رہا ہے۔ اپنے میں اس لیے نہیں ڈال رہا کہ اس میں پہلے ہی کسی اور نے اپنا منہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ حکومت نے دکان داروں اور صنعت کاروں کو پچکار کے دیکھ لیا۔ آنکھیں دکھا کے بھی دیکھ لیا۔ مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔ آج کل ریڈیو پر اعلان ہو رہا ہے کہ

''جس بھائی کو گرانی دور کرنے کا نسخہ معلوم ہو، وہ فلاں نمبر پر فون کر کے بتا دے۔''

''وہ نمبر تو ہم کو یاد نہیں رہا۔ اپنے کالم ہی سے ٹیلی فون کا کام لیتے ہیں۔

''ہیلو، ہیلو، کون بول رہا ہے؟ انسداد گرانی کمیٹی بول رہی ہے یا کوئی ایک آدمی بول رہا ہے؟''

''نہیں، ہم سیٹھ صاحب نہیں ہیں' خادم قوم ہیں۔ ملت کے دردمند ہیں۔ ہمارے پاس گرانی دور کرنے کا نسخہ ہے۔''

''ہاں، صدری ہے۔ ہاں، تیر بہدف بھی ہے۔ ہمارے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے۔''

''بے شک! کھٹمنڈو کے پہاڑ پر ایک خضر صورت سنیاسی نے خودکشی سے پہلے ہمارے ایک مایوس العلاج بزرگ کو بتایا تھا۔''

''نہیں، سنیاسی نے خودکشی نہیں کی تھی۔ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ خود سمجھ دار ہیں۔ اگر ہمارے بزرگ نے مایوس العلاجی کے عالم میں خودکشی کر لی ہوتی تو ہم کہاں ہوتے حکیم؟ ڈاکٹر؟''

''نہیں صاحب! ہم حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہیں۔ معمولی ادیب ہیں، ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اس نسخے پر نفع لینا حرام ہے۔ تھوڑا سا خرچا اشتہارات اور پیکنگ البتہ ہے۔ اچھا! آپ وہ بھی نہ دیجیے۔ نسخہ یہ ہے، غور سے سنیے۔

''اگر دکان دار لوگ اپنے مال کی چیزیں کم کر دیں تو گرانی فی الفور دور ہو سکتی ہے۔ بس اتنا ہی نسخہ ہے، ہمارے نسخے منفرد ہی ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ آپ سے گزارش ہے۔

ارے فون کیوں بند کر دیا۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔''

ایک طریقہ گرانی سے محفوظ رہنے کا آپ اپنے پر بھی برت سکتے ہیں۔ گھریلو ٹوٹکا ہے۔ ہمیں بھی چند دن ہوئے معلوم ہوا ہے۔ ہوا یہ کہ ہم کراچی کا ''صبح نو'' پروگرام سن رہے تھے۔

''سامعین کرام، حمیدہ ستار آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ آج منگل ہے، یعنی بغیر گوشت کا دن، گوشت نایاب ہو رہا ہے، آج کل تو سبزی، دال کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بعض بہنیں ابھی سے دوپہر کے کھانے کی فکر میں مبتلا ہو گئی ہوں گی۔ اجی چھوڑیے کھانے پکانے کی فکر کو، نغمہ سنیے۔''

''بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا۔''

ہم نے وہیں سے گھر والوں کو آواز دی۔

''بھئی۔ ناشتا روک دو' ڈبل روٹی مہنگی ہے اور انڈا بھی مہنگا ہے جبکہ نغمہ مفت ہے۔ بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا، آجاؤ، گرمی میں بھی افاقہ ہوگا۔''

کیا کہا؟ دوپہر کی روٹی؟ ارے دوپہر کو بھی تو نغمے ہوتے ہیں۔ شام کے کھانے کے وقت بھی ہوتے ہیں۔ رات کے بارہ بجے تک ہوتے ہیں، اس کے بعد کھانے کا ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ چھ بجے صبح پھر ریڈیو اپنے نغمات کا خوان لے کر حاضر ہو جاتا ہے۔ واہ بھئی واہ، کتنی آسانی

سے گرانی کا مسئلہ حل ہوا ہے۔ گھر بیٹھے نفعے سنو، نہ گھر سے نکلو، نہ بازار جاؤ، نہ دکان دار ستائیں۔

گرانی کے مسئلے کی کیا مجال ہے کہ حل نہ ہو۔ ایک طرف ٹیلی ویژن پر تابڑ توڑ تقریریں ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ریڈیو پیچھے لگا ہوا ہے۔ حکام عالی شان کے بیانات اس پر مستزاد ہیں کہ اے قیمتو! اگر تم نیچے نہ آئیں تو ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ دیکھ لیجیے، کوئی روز میں دکان دار ہاتھ باندھے ریڑھیوں پر مال لاد کر گھروں میں پہنچیں گے کہ۔

''صاحب! لے لو، ہاڑے ہاڑے لے لو۔ جو دام چاہے دے دو، اچھا مفت لے جاؤ۔''

☆☆☆

اتفاق سے ہم نے آج یعنی بروز جمعہ بھی ''صبح نو'' سنا۔ آج ''صبح نو'' والوں نے ملاوٹ کا بھی قلع قمع کر دیا۔ آج کوئی اور بی بی تھیں۔ جو فرما رہی تھیں۔

''ملاوٹ بڑی بری چیز ہے، اس سے آدمی کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن تکلیف تو محبوب کی بے مہری سے بھی ہوتی ہے۔ میر تقی میر کا نغمہ سنیے۔ زمرد بانو کی آواز۔''

''پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے۔''

☆☆☆

''حضرات ہم پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ تھوڑی نفسیات بھی پڑھی ہے، لیکن ٹونے ٹوٹکے کے قائل نہیں۔ چھومنتر کے قائل نہیں، نفسیاتی علاج تک کے قائل نہیں۔

نفسیات کا عامل آپ سے کہے۔

''آنکھیں بند کر لو اور ایک سو ایک بار دہراؤ۔

'میں بھوکا نہیں ہوں، میں بھوکا نہیں ہوں، چیزیں مہنگی نہیں ہیں۔ چیزیں مہنگی نہیں ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ چیزیں مہنگی نہیں ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے، تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟''

جس دن سے ریڈیو پاکستان نے مشرقی پاکستان کو پورب پاکستان کہنا شروع کیا تھا اور ہمارے بعض دوستوں نے بھی دعوا کیا تھا کہ اب دیکھیے گا بنگالی بھائی کس طرح دوڑ کر ہمارے گلے سے آ لگتے ہیں یا پاکستان کونسل برائے یکجہتی بنی تھی یا ادیبوں اور سازندوں کے وفد ادھر سے ادھر گئے تھے اور ادھر سے ادھر آئے تھے۔ تب بھی ہم نے عرض کیا تھا کہ۔

''صاحبو! معاملہ اس سے کچھ زیادہ گہرا ہے۔ اقتصادی ہے۔ اسلام کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے، لیکن مسلمان اور مسلمان کے درمیان اسلام کے علاوہ اور بھی رشتے ہوتے ہیں، ان کی فکر کرو۔''

☆☆☆

اخبار والے لکھتے ہیں کہ پیٹرول اور مہنگا ہونے والا ہے۔

ایک صاحب نے ہمیں فکر میں مبتلا دیکھا تو کہا۔

''تم کو کیا فکر ہے اور اگر ہوا بھی تو روپیہ گیلن مہنگا ہو جائے گا۔''

ہم نے کہا۔ ''اے رفیق! وہ کہانی سنی ہے کہ ایک صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ ایک چوہا ان کے پیٹ پر سے گزر گیا، چلانے لگے۔ ہاہا کار مچانے لگے۔

لوگوں نے کہا۔

''کیا قیامت آ گئی؟ ایک چوہا ہی تو تھا۔''

''بولے ابھی تو نہیں آئی، لیکن چوہا آیا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے بلی آئے گی۔ اس کے پیچھے کتا، اس کے پیچھے آدمی ہاتھ میں ڈنڈے لیے ہوئے۔ میرا تو کچومر نکل جائے گا۔''

سرکار تو گیلن پر ایک روپیہ ہی زیادہ لے گی۔ ٹیکسی والے ڈھائی روپے، تین روپے ہماری جیب سے نکالیں گے۔ مشرقی پاکستان کا سیلاب گیا۔ خود مشرقی پاکستان گیا۔ لیکن اس سیلاب کی مد میں جو ایک روپیہ فی گیلن سرچارج لگا تھا۔ وہ تین گنا ہم دے رہے ہیں اور ہماری آنے والی نسلیں دیں گی۔ کوئی تو سوچے کہ ان چھ ماہ میں مہنگائی کا یہ کیا ماجرا ہو گیا ہے کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا اور یہ بھی سوچیے کہ ریڈیو اور ٹرانزسٹر اور ''صبح نو'' اور ٹیلی ویژن کے مذاکرے اور میر تقی میر اور زمرد بانو اور بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہوا کیسے ان مسائل کو حل کر سکتی ہے؟

موسیقی غذا ہے، لیکن فقط روح کی غذا ہے، روح اور پیٹ الگ الگ چیزیں ہیں اور پیٹ بڑا بدکار ہے بابا.....!

(1972ء میں لکھا گیا)

☆

ٹی وی فنکار

باتیں سید عارض الدین احمد سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''

''سید عارض الدین احمد۔''

2 ''پیار کا نام؟''

''اجی۔''

3 ''تاریخ پیدائش؟''

''7-11-1991۔''

4 ''قد/ستارہ؟''

''چھ فٹ/اسکارپیو (عقرب)۔''

5 ''مادری زبان؟''

''پنجابی۔''

6 ''فیملی ممبرز آپ کا نمبر؟''

''چھ فیملی ممبر ہیں اور میں گھر میں سب سے چھوٹا ہوں۔''

7 ''شادی/بچے؟''

''سنگل ہوں۔''

8 ''شوبز میں آمد، گھر والوں کا ردعمل؟''

''کالج کے زمانے میں ایک تھیٹر پلے کیا تو اس سے احساس ہوا کہ یہ کام مجھے کرنا چاہیے تو بس وہاں سے سلسلہ شروع ہو گیا۔ تھیٹر پڑھا بھی، کیا بھی، پھر ٹی وی کے لیے آڈیشن دیے اور پھر معاملات بننا شروع ہوئے۔ گھر والوں نے قدم قدم پر سپورٹ کیا۔''

9 ''تعلیم؟''

''بی ایس سی میری ٹائم اسٹڈیز۔''

10 ''پہلا ڈراما/پہچان کس نے دی؟''

''وجود زن''.....اور پہچان دی ''بھولی بانو'' نے جو جیو سے ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔''

11 ''پہلی کمائی کتنی تھی اور کس کے ہاتھ میں رکھی تھی؟''

''دس ہزار اور خود اپنے ہی ہاتھ میں رکھی تھی۔''

12 ''شوبز کے علاوہ آپ کی مصروفیات؟''

''کتابیں پڑھتا ہوں۔ فلمیں دیکھتا ہوں۔ فلمیں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ پروفیشنل مصروفیات فی الحال شوبز ہی ہے۔''

13 ''آپ کا سورج کب نکلتا ہے؟''

''صبح ساڑھے نو بجے۔''

14 ''صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟''

''چائے نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی۔''

15 ''کیا برداشت نہیں ہوتا بھوک یا غصہ؟''

''دونوں برداشت کر لیتا ہوں کہ مجھ میں قوت برداشت ہے۔''

16 ''پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟''

''اپنا کام پوری ایمان داری سے کرنا اور انٹرنیشنلی طور پر اپنے آپ کو منوانا کہ میں ایک پاکستانی ایکٹر ہوں۔''

17 ''کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟''

''سکینڈے نیوین ممالک کی۔ وہاں کی پڑھائی بہت اچھی ہے اور مفت ہے۔''

18 ''کیا آپ لوگ کورونا کا شکار ہوئے۔ لاک ڈاؤن میں کیسے وقت گزرا؟''

''اللہ کا شکر کہ بچت ہو گئی کورونا سے.....لاک ڈاؤن کے شروع کے دنوں میں مزہ آیا کہ کہیں جانا نہیں، کسی نے آنا نہیں لیکن بعد میں احساس ہوا کہ دوست، احباب اور رشتے دار بہت اہم ہوتے ہیں اور لوگوں سے تعلق رکھنا بہت ضروری ہے۔''

19 ''شوبز میں کیا اچھا اور کیا برا ہے؟''

''سب اچھا ہے، برے لوگ ہوتے ہیں، کام نہیں۔''

20 ''اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ؟ کون سا کھیل پسند ہے؟''

''بے حد لگاؤ ہے، اٹھارہ سال تک بھرپور کرکٹ کھیلی اور کراچی لیول تک کھیلی۔ رزلٹ برا آنے پر کرکٹ چھوڑنی پڑی۔''

21 ''زندگی سے کیا سیکھا؟''

''زندگی تو سکھائے چلی جارہی ہے۔ خوش رہنے کے لیے بے حس ہونا پڑتا ہے۔ آج کل میں نے تو یہی سیکھا ہے۔''

22 ''ایک نصیحت جو اپنی عمر کے لوگوں کو کرنا چاہیں گے؟''

''نصیحتوں پہ یقین ہی نہیں ہے۔ ہر کسی کی اپنی زندگی ہے، اس کو وہ کرنا چاہیے جو اس کا دل چاہے۔ اس کو اپنے حصے کی غلطیاں بھی کرنی چاہئیں اور ایک بار محبت کر کے دل بھی تڑوانا چاہیے۔''

23 ''گزشتہ دو سالوں میں کون سا ڈرامہ سیریل پسند آیا؟''

''الف اللہ'' بہت پسند آیا۔''

24 ''پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو کیا کیفیت تھی؟''

''ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ ہونٹ خشک اور دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی۔''

25 ''تنہائی کا احساس کب ہوتا ہے؟''

''جب احساسات بدل جائیں۔ ترجیحات بدل جائیں۔ جب محبت ختم ہوجائے تو مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اکیلا رہنا پسند کرتا ہوں۔''

26 ''دل کی دھڑکن کب تیز ہوتی ہے؟''

''پہلا دن شوٹ کا ہو، پہلا سین ہو، اس سے چند سیکنڈ پہلے بہت تیز ہوجاتی ہے دل کی دھڑکن۔''

27 ''زندگی میں کچھ واپس ملنے کا چانس ملے تو کیا واپس لینا چاہیں گے؟''

''کرکٹ..... میں کبھی نہیں چھوڑوں گا اور مسلسل کھیلتا رہوں گا۔''

28 ''گھر میں سب سے زیادہ پیار اور ڈانٹ کس سے ملی؟''

''سب سے چھوٹا ہوں تو پیار ہی ملا ہے، ڈانٹ بہت کم ملی، میں بہت شرارتی تھا پر تیز بھی تھا اس لیے شرارتوں کی بات گھر تک پہنچتی ہی نہیں تھی۔''

29 ''بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟''

''بیماری کی نوعیت پر منحصر ہے، کبھی بالکل بچہ بن جاتا ہوں، کبھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور اکثر اپنے آپ پر حیران بھی ہوجاتا ہوں۔''

30 ''آپ کے اب تک کے ڈراموں کی تعداد؟''

''چھ ڈرامہ سیریل کیے ہیں۔ ان میں ''بھولی بانو۔ تم سے ہی تعلق ہے۔ شاہ رخ خان کی سہیلیاں۔ کہیں دیپ جلے۔ اڑان۔ میرا رب وارث۔''

31 ''رومینٹک رول آسانی سے کر لیتے ہیں یا نیگیٹو؟''

''آسان، مشکل کچھ نہیں ہوتا، بس کردار سمجھ میں آنا چاہیے، اس کے بعد سب آسان ہے۔''

32 ''ادب سے لگاؤ ہے؟ کس کو زیادہ پڑھتے

ہیں؟''

''جی بالکل ہے۔ جون کو پڑھتا ہوں۔ مشتاق احمد یوسفی کو اور منٹو کو..... یہ میرے پسندیدہ ہیں۔''

33 ''کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟''

''میرے اکثر فیصلے غلط ثابت ہوتے ہیں۔''

34 ''کچن سے آپ کا لگاؤ؟ کبھی شیف بننے کی خواہش ہوئی؟''

''لگاؤ نہیں ہے۔ مگر کھانا پکانا ضرور آنا چاہیے اور وہ میں سیکھ رہا ہوں۔''

35 ''آپ برانڈ کانشیس ہیں؟''

''بالکل بھی نہیں، بڑا سطحی شوق ہے یہ جو کہ مجھے نہیں ہے۔''

36 ''ایک خواہش جو حسرت بن گئی؟''

''کرکٹر بننے کی خواہش۔''

37 ''کس کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں؟''

''خود کے لیے ہی، لمبی عمر کی ویسے خواہش نہیں ہے اور نہ ہی کبھی دعا کی۔''

38 ''ایک نصیحت جو گرہ سے باندھ لی؟''

''نصیحت یاد نہیں رہتی، بس زندگی کے تجربات یاد رہتے ہیں۔''

39 ''آپ کو نفرت ہے؟''

''نفرت بہت بڑا لفظ ہے اور شدید بھی۔ ناپسندیدگی ضرور ہو سکتی ہے پر نفرت نہیں۔''

40 ''کبھی غربت میں وقت گزارا؟''

''جی گزارا اپنی مرضی سے۔ وہ اس لیے کہ ذہن میں تھا کہ اب ''ابا'' سے پیسے نہیں مانگنے، سموسہ اور چائے پہ گزارہ ہوتا تھا بس..... لیکن اب اللہ کا احسان ہے۔ بس خوددار بننے کا شوق تھا۔''

41 ''ڈرائیونگ کے وقت کس طرح کا میوزک سنتے ہیں؟''

''غزلیں اور غم کے گانے۔ آج کل سجاد علی صاحب کے گانے چل رہے ہوتے ہیں میری گاڑی میں۔''

42 ''ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک کس پر بھروسا ہے؟''

''تینوں میں یقین تو کسی پر نہیں، مگر مجبوراً ضرورت پڑ جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتا ہوں۔''

43 ''پاکستان میں کیا چیز فری ملنی چاہیے؟''

''تعلیم فری ہونی چاہیے۔''

44 ''کیا دل سے اترا ہوا شخص پہلے جیسا مقام حاصل کر سکتا ہے؟''

''دل سے اتر گیا تو پھر اتر ہی گیا پھر واپسی کا راستہ نہیں، ون وے ہے۔''

45 ''محفل میں بیٹھ کر موبائل یوز کرنے والوں کے لیے کیا کہیں گے؟''

''کچھ نہیں کہوں گا۔ کر لیں جنہیں کرنا ہے۔ محفل میں بور ہو رہے ہیں تو کیوں نہ کریں۔''

46 ''موجودہ حکومت سے مطمئن ہیں؟''

''مطمئن تو بالکل بھی نہیں نہ اس سے، نہ پہلے والی سے اور نہ ہی اس سے پہلے والی سے۔''

47 ''ملک سے باہر جاب کی آفر آئے تو؟''

''آئی ہے جاب آفر بھی، رشتہ بھی۔ دونوں کو ہی منع

کر دیا۔"

48 "غصے میں آپ کا ری ایکشن؟"

"اکثر خاموش ہو جاتا ہوں اگر حد سے گزر جائے غصہ تو پھر اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہوں۔"

49 "ٹی وی ٹاک شو کا بہترین اینکر پرسن؟"

"مستنصر حسین تارڑ صاحب کا مارننگ شو آتا تھا اور جب وہ...... جب وہ ختم ہوتا تھا تو مجھے اکثر رونا آتا تھا کہ یہ اتنی جلدی ختم کیوں ہو گیا ہے، بہت چھوٹا تھا اس وقت، مگر یاد سب کچھ ہے۔"

50 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"

"نصیحت کرنے والا برا لگ سکتا ہے، نصیحتیں تو مناسب ہوتی ہیں اکثر۔"

51 "جوائنٹ اکاؤنٹ یا سنگل...... کیا بہتر ہوتا ہے؟"

"سنگل بہتر ہوتا ہے۔"

52 "ایک ڈیٹ جو آج تک یاد ہے؟"

(ہنستے ہوئے) "آپ محبوب کے ساتھ کی ڈیٹ پوچھ رہی ہیں یا ویسے ہی کوئی تاریخ...... چلیں پھر بعد میں بتاؤں گا۔"

53 "ایک کھانا جو کسی بھی وقت کھا سکتے ہیں؟"

"دال چاول اور چائے بسکٹ۔"

54 "اپنی پرفارمنس میں کیا کمی محسوس ہوتی ہے؟"

"کمی میں اپنے تک محدود رکھوں گا اور اس پر کام جاری ہے۔"

55 "اپنا ڈرامہ دیکھ کر کیا سوچتے ہیں؟"

"کس نے کام دے دیا اس لڑکے کو۔"

56 "کس چینل پر ریموٹ رک جاتا ہے؟"

"ڈراموں پر رکتا ہے چینل کوئی بھی ہو سکتا ہے۔"

57 "پہلی فلم جو سینما میں دیکھی؟"

"The mummy (دی ممی)"

58 "کوکنگ یا کھانا، کیا پسند ہے؟"

"کھانا ہی پسند ہے۔"

59 "کون سا رول کرنے کی خواہش ہے؟"

"بہت سارے ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"

60 "آپ کا ناقابل فراموش کردار؟"

"بھولی بانو" اور "کہیں دیپ جلے" کا کردار ناقابل فراموش کہہ سکتا ہوں۔"

61 "کس رول کو کرنے سے انکار کیا؟"

"جس کردار کا کہانی کو Drive کرنے میں کوئی ہاتھ نہ ہو، اس کو کرنے سے انکار کیا اور کرتا ہوں۔"

62 "کس سیاست دان کا رول کرنا چاہتے ہیں؟"

"عمران خان کا اور شیخ رشید کا۔"

63 "چاند پر پہنچ کر پہلا پتھر کس کو ماریں گے؟"

"ان لوگوں کو جو سگنل توڑتے ہیں، ان کی گاڑیوں پر پتھر ماروں گا۔"

64 "آپ کی فیوچر پلاننگ؟"

"کوئی پلاننگ نہیں ہے۔ کام کرتے جانا ہے، اچھا اچھا بس۔"

65 "بچوں کے ہاتھ میں موبائل لمحہ فکریہ یا وقت کا تقاضا؟"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

رضیہ جمیل

300

نادرہ خاتون

قیمت -/300 روپے

نسیم سحر قریشی

قیمت -/400 روپے

فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"وقت کا تقاضا ہے اور یہی بات لمحہ فکریہ بھی۔"

67 "آئینے کو کتنا وقت دیتے ہیں؟"

"ضرورت کے تحت..... بہت زیادہ نہیں۔"

68 "کیا شادی کرنا ضروری ہے؟"

"عشق کرنا ضروی ہے۔ شادی نہیں بالکل بھی نہیں، مجھے فی الحال تو شادی کا، اولاد ہونے کے علاوہ اور کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔"

69 "اپنا کل سوچ کر کیا احساسات ہوتے ہیں؟"

"سوچتا اکثر ہوں ماضی کے بارے میں پر رہتا نہیں ہوں ماضی میں۔ احساسات تو ہوتے ہیں۔"

70 "سگنل پہ کھڑے ہو کر کس چیز کا جائزہ لیتے ہیں؟"

"ٹریفک کا کہ یہ سب لوگ مجھ سمیت کہاں جا رہے ہیں۔"

71 "بچپن میں کون سے فنکار پسند تھے۔ ریڈیو، ٹی وی، فلم کے؟"

"خیام سرحدی، راحت کاظمی صاحب اور مرینہ خان صاحبہ۔"

72 "خواتین رائیٹرز میں پسندیدہ رائیٹر؟"

"بانو قدسیہ۔"

73 "شاپنگ کے وقت کس کا خیال آتا ہے؟"

"اپنا ہی آتا ہے پھر پیسوں کا آتا ہے کہ یقیناً بچیں گے نہیں۔"

74 "کب ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتے ہیں؟"

"کبھی نہیں، زمین پر ہی ٹھیک ہوں۔"

75 "کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟"

"بچپن میں ہمیشہ سنتا تھا اور اب بھی عادت ہے۔"

76 "کبھی تنہائی میں کسی کو یاد کر کے روئے؟"

"ہوں..... جی اکثر۔"

77 "کبھی کسی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟"

"نہیں دکھایا کبھی بھی۔ لیکن خود سے دیکھ لیا تھا ایک

نجومی نے ہاتھ..... تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔"

78 "اگر آپ کو کسی سیلبریٹی کا انٹرویو کرنا پڑے تو کس کا کریں گے؟"

"کبھی سوچا نہیں۔"

79 "نیند کتنی پیاری ہے؟"

"نیند ضروری ہے، پیاری تو بالکل بھی نہیں ہے۔"

80 "آپ کے گھر میں کون اس فیلڈ میں ہے اور کون آنا چاہتا ہے؟"

"کوئی نہیں ہے اور نہ ہی فی الحال کوئی آنا چاہتا ہے۔"

81 "بچت کس شکل میں کرتے ہیں؟"

"بچت نہیں کرتا۔"

82 "شادی میں کن رسموں کے خلاف ہیں؟"

"میں شادی کے ہی خلاف ہوں۔"

83 "ٹی وی کا کوئی ایسا پروگرام جو بند ہو جانا چاہیے؟"

"کافی سارے ہیں، کچھ کرنٹ افیئرز کے اور کچھ انٹرٹینمنٹ کے۔"

84 "آج کی فکر زیادہ ہوتی ہے یا کل کی؟"

"ابھی کی، اس لمحے کی۔"

85 "زندگی کب تقسیم ہو جاتی ہے؟"

"میری تو تب ہوئی جب کام شروع کیا اور ہاتھ میں کچھ آنے لگا۔"

86 "فیملی میں مزاج کا کون گرم ہے؟"

"ہاہاہا..... سب ہی ہیں ماشاء اللہ سے، ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔"

87 "آپ کو موبائل استعمال کرنے کی اجازت کب ملی؟"

"جب میں 9th اسٹینڈرڈ میں تھا تب موبائل یوز کرنے کی اجازت ملی۔"

88 "غصے میں پہلا لفظ کیا نکلتا ہے؟"

"کوئی مخصوص نہیں..... کچھ بھی نکل سکتا ہے۔"

89 "پسندیدہ تہوار؟"

"چھوٹی عید (عید الفطر)۔"

90 "مرنے کے سین کرنا کیسا لگتا ہے؟"

"مشکل..... بلکہ بہت مشکل۔"

91 "اپنے تجربے سے سیکھتے ہیں یا دوسروں کے؟"

"اپنے سے، دوسروں کے تجربے سے کیا سیکھنا۔"

92 "کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟"

"چائے۔"

93 "دل کی سنتے ہیں یا دماغ کی؟"

"دماغ کیا ہوتا ہے..... دل ہی دل ہے بس۔"

94 "کیا چیز لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟"

"ایسی کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ فون کہہ لیں۔"

95 "کھانا کہاں کھانا پسند ہے، بیڈ، ڈائننگ ٹیبل یا چٹائی؟"

"صوفہ ہے میرا..... بس وہیں۔"

96 "بی پی کب ہائی ہوتا ہے؟"

"نہیں ہوتا..... اللہ کا بڑا احسان ہے۔"

97 "اچھی یا بری خبر کسے پہلے سناتے ہیں؟"

"اماں، ابا کو....."

98 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟"

"ابھی اتنی شہرت ملی ہی کہاں ہے کہ زوال کا ڈر ہو۔"

☆

اینکر اور نیوز کاسٹر

علینہ فاروق شیخ سے ملاقات

شاہین رشید

نیوز اینکر کے نام سے آپ واقف ہوں یا نہ ہوں، اس کی شکل سے آشنا ضرور ہوتے ہیں کیونکہ چلتے پھرتے کام کے دوران ٹی وی پر خبریں تقریباً ہر گھر میں ہی دیکھی جاتی ہیں۔

علینا فاروق شیخ ''جیو'' میں نہ صرف نیوز پڑھتی ہیں بلکہ ''رپورٹ کارڈ'' جیسے مشکل پروگرام کی اینکر بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ گھرداری بھی کرتی ہیں۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''الحمدللہ''

''تمہارا نام علینا فاروق شیخ ہے۔ تم پورے نام کے ساتھ پروگرام کا یا نیوز کا آغاز کرتی ہو۔ نام لمبا ہے...... وجہ؟''

''دیکھیں جی...... فاروق میرے ''ابا جی'' کا نام ہے اور شیخ میں نے اپنے میاں صاحب سے اڈاپٹ کیا ہے یعنی ان کا سر نیم ''شیخ'' ہے۔ جب شادی ہوئی تو اپنے ابو کے نام سے ہی ''آن ایر'' ہوتی تھی۔ کیونکہ میں اپنے ابو کا نام اپنے نام سے ہٹانا نہیں چاہتی تھی میں آج جو کچھ بھی ہوں جہاں بھی ہوں اپنے والد کی وجہ سے ہی ہوں۔ ان کا نام مجھے زندہ رکھتا ہے تو میں اور تو کچھ نہیں کر سکی ان کے لیے لیکن ان کا نام اپنے نام کے ساتھ برقرار رکھ کر میرا چھوٹا سا نذرانہ یہی ہے کہ میں اپنے تعارف کے ساتھ ان کا تعارف بھی کرواؤں اور آج آزادی کے ساتھ، شادی کے بعد جو میں کام کر رہی ہوں، اس میں میرے سسرال والوں کا بہت بڑا تعاون ہے اور خاص طور پر میرے شوہر کا اور یہ کوئی سیاسی بیان نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ میڈیا کی جاب ایک ڈیمانڈنگ جاب ہے اور میں اکثر اوقات عیدین کے موقع پر بھی گھر پر نہیں ہوتی اکثر اوقات اپنی ڈیوٹی کے اوقات سے ہٹ کر بھی کام کر رہی ہوتی ہوں۔

دکھ سکھ کے کئی موقعوں پر گھر پر نہیں ہوتی اور بہوؤں سے ساس کو یا سسرال والوں کو جو توقعات ہوتی ہیں ان پر پوری نہیں اترتی یا پوری نہیں کر پاتی۔

اس کا مجھے بہت زیادہ احساس رہتا ہے تو ''شیخ'' اس لیے لگاتی ہوں کہ مجھے فخر ہے کہ میں ایک ایسے شخص کی بیوی ہوں جو میرا بہت بڑا سپورٹر ہے۔ میرا لائف پارٹنر ہے۔ میرے لیے سب کچھ ہے۔''

''بالکل...... اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتاؤ؟''

''میرا تعلق لاہور کی ایک پنجابی فیملی سے ہے۔ لاہور میں ہی جنم لیا وہیں پلی بڑھی۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی تک کی ساری تعلیم لاہور سے ہی مکمل کی۔ ہم

تین بہن بھائی ہیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ میری جو بہن اور بڑے بھائی ہیں ان میں اور میری عمروں میں فرق بہت زیادہ ہے۔ میرے بھائی اور مجھ میں سترہ سال کا فرق ہے اور اس طرح میری بہن اور مجھ میں پندرہ سولہ سال کا فرق ہے۔ ان کے بچوں اور مجھ میں عمروں کا گیپ بہت کم ہے۔

میں نے بی بی اے آنرز کیا ہے۔ ''لاہور اسکول آف اکنامکس یونیورسٹی سے۔'' میری شادی ہوئی ہے 2016ء میں فیملی ابھی نہیں بنائی اور میرا سسرال چونکہ کراچی میں ہے تو میں لاہور سے کراچی شفٹ ہوئی ہوں۔ اور ہاں، یہ بھی بتاؤں کہ میں نے اپنے آخری سمسٹر میں انٹرن شپ کی ''دنیا نیوز'' سے اور تین چار ماہ کے بعد ہی مجھے جاب آفر ہوگئی تب سے اب تک میں کام ہی کر رہی ہوں۔''

''ایک سوال کا جواب تو رہ ہی گیا؟''

''جی جی..... بتاتی ہوں آپ کو میں 4 نومبر 1990 میں پیدا ہوئی۔ سال بتانے میں مجھے کوئی قباحت نہیں، وہ زمانے چلے گئے جب لڑکیاں سولہ سے اوپر جاتی ہی نہیں تھیں انسان عمر کے ساتھ ساتھ میچور ہوتا ہے نئے تجربات کرتا ہے اور سیکھتا ہے ہر عمر کا اپنا ایک مزہ ہے۔''

''بچپن کیسا گزرا؟''

''بچپن میں میں بہت شرارتی ہوا کرتی تھی۔ اچھل کود، ایک جگہ ٹک کے نہ بیٹھنے والی لڑکی تھی۔ چونکہ کافی گیپ کے بعد دنیا میں آئی تھی تو گھر بھر کی لاڈلی تھی میری ہر بات مانی جاتی میں اپنی بہن کی زیادہ لاڈلی تھی بہن کی شادی ہوگئی تو پھر میرے لاڈ میرے بھائی نے اٹھائے۔ پھر بھائی کی بھی شادی ہوگئی۔

بھائی کے ساتھ تو میں نے بہت انجوائے کیا۔ دونوں پاکٹ منی جمع کر کے گھومنے پھرنے جاتے تھے۔ یوں سمجھیں کہ ہم ایک دوسرے کے نہ صرف بیسٹ فرینڈ تھے بلکہ بھائی میرا پارٹنر ان کرائم ہوتا

تھا۔ میں اپنے ننھیال والوں کے ساتھ کافی کلوز تھی اور وہاں زیادہ تعداد لڑکوں کی تھی (کزنز) تو میں بچپن میں پوری ٹائم بوائے ہوتی تھی۔ لڑکیوں والے کوئی شوق نہیں تھے نہ مہندی کے نہ چوڑیوں کے نہ لڑکیوں والے کپڑوں کے۔ کرکٹ کھیلنا، فٹ بال، بیٹ منٹن کھیلنا۔ تو زیادہ رجحان بھی اسپورٹس اور غیر نصابی سرگرمیوں کی طرف تھا۔

پڑھائی کا معاملہ یہ تھا کہ 5th گریڈ تک میں پوزیشن لینے والی بچی تھی اور ٹیچر کی گڈ بک میں شامل تھی۔ پھر جب میری بہن کی شادی ہوگئی تو مجھ پر ایک فیز ایسا آیا کہ میں پڑھائی سے دور ہوگئی۔ کیونکہ مجھے پڑھانے والی، میرے لاڈ اٹھانے والی مجھ سے دور ہوگئی تھی..... پھر تھوڑا سا نفسیاتی اثر مجھ پر یہ ڈالا گیا کہ اگر آپ میٹرک میں اچھے نمبر لے لو تو پھر اچھے کالج میں داخلہ مل جاتا ہے اور زندگی بہت اچھی سیٹ ہوجاتی ہے آپ بڑی اچھی جاب بھی کر سکتے ہو۔ چنانچہ میں نے دل لگا کر پڑھائی شروع کر دی۔ بہت

اسٹوڈیو میں گئی، مائیک کی ضرورت تھی میں کافی دیر کھڑی رہی۔ کسی ٹیکنیشن نے مجھے مائیک لاکر نہیں دیا، سب بے رخی سے بات کررہے تھے۔

میں نے ایک ٹیکنیشن سے مائیک مانگا تو اس نے بڑے غصے میں کہا کہ ''نکل جائیں یہاں سے آپ سب نئے لوگوں کی وجہ سے ہمارے ساتھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ آپ نے ہماری نوکریوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ آپ کی وجہ سے ہمارے بچے بھوکے مرجائیں گے۔'' بس اس بات سے میں بہت دل برداشتہ ہوگئی۔

''اس فیلڈ میں کہاں تک جانا چاہتی ہیں۔ اپنا علیحدہ سے کوئی شو کرنا چاہتی ہیں؟''

''میری بہت خواہش ہے اور اللہ نے ہمت دی تو میں خواتین کے ایشوز اور سوشل ایشوز پر رپورٹنگ کرنا چاہتی ہوں ان پر شوز کرنا چاہتی ہوں۔ ایسے ایشوز جن پر ہم نارملی بات نہیں کرتے خاص طور پر خواتین کے مسائل جن پر کوئی بات نہیں کرتا..... بہت آئیڈیاز ہیں میرے پاس۔''

''آڈٹ ورک میں زیادہ مزہ ہے یا اسٹوڈیو میں بیٹھ کر کام کرنے کا زیادہ مزہ ہے؟''

''بہت سے لوگ میری اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ مجھے بڑا مزہ آتا ہے فیلڈ رپورٹنگ کرکے، باہر نکل کر، لوگوں سے مل کر، ان سے باتیں کرکے۔ چیزوں کو سمجھ کر، آس پاس کی چیزوں کو اور ماحول کو دیکھ کر کام کرنے کا مزہ ہی الگ ہے۔ خبر لینے اور خبر دینے کا جو مزہ ہے وہ اسٹوڈیو میں بیٹھ کر کام کرنے کا مزہ نہیں ہے۔ میں نے اسپورٹس رپورٹنگ کی دبئی جاکر، عمران خان کے ساتھ پورے پنجاب میں جاکر جلسے جلوس کور (Cover) کیے۔ اور ان کے جلسوں میں جو طوفان بدتمیزی ہوتی تھی، اس کی ایک الگ ہی کہانی ہے۔''

''کچھ نجی سوال بھی ہوجائیں۔ آج کل کیا مصروفیات ہیں؟''

''مصروفیات کچھ یوں ہیں کہ گھر سے آفس اور آفس سے گھر سارا ٹائم تو اسی میں گزر جاتا ہے۔ خیر صبح اٹھ کے سارے اخبارات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ خبروں سے باخبر رہنا پڑتا ہے۔ سوشل میڈیا کو دیکھنا پڑتا ہے۔ پروگرام کی تیاری کرنی ہوتی ہے۔ اگر ریلیشن کی ڈیوٹی بھی شامل ہوجائے تو پھر اس کی تیاری بھی ساتھ ساتھ کرنی پڑتی ہے میں تقریباً سات ساڑھے سات بجے آفس ورک سے فارغ ہوکر گھر آجاتی ہوں۔ پھر کوشش یہی ہوتی ہے کہ گھر کو ٹائم دوں۔ میاں کو ٹائم دوں۔ کیونکہ سارا دن سب بہت مس کرتے ہیں تو پھر دل چاہتا ہے کہ مل کر بیٹھیں اور مل کر کھائیں یہیں یا پھر گھر سے باہر فیملی کے ساتھ وقت گزاریں۔''

''سیاست سے دلچسپی ہے؟''

''بالکل دلچسپی ہے اور جو گہما گہمی لگی ہوئی ہے اس کی وجہ سے تو زیادہ دلچسپی ہوجاتی ہے۔ اور میری جاب کی بھی یہی ریکوائرمنٹ ہے کہ آپ کو ہر چیز پر گرفت ہونی چاہیے تو میں ہر چیز سے باخبر رہتی ہوں۔''

''رپورٹ کارڈ میں جو صحافی تجزیہ نگار کے طور پر آتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''آپ کو بڑا ڈپلومیٹک سا جواب لگے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ سب ہی پلو میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جن سے ان کی انفرادیت نظر آتی ہے جیسے ''مظہر عباس'' صاحب بڑا اچھا بولتے ہیں بڑا ایلنسڈ بولتے ہیں۔ ''بابر ستار'' صاحب کو بڑی گرفت حاصل ہے آج کل کے حالات پر اور کئی بار تو بڑا اچھا اسٹینڈ لے جاتے ہیں۔ منیب فاروق صاحب بہت کھرا کھرا بولتے ہیں اور حسن نثار کے لیے میں تو نہیں بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ بڑی مایوسی والی باتیں کرتے ہیں اور

لوئی حل نہیں بتاتے۔ ''ریما عمر'' کا انداز یہاں بہت دلچسپ ہے اور ان کے اتنے زبردست قانونی نقطے ہوتے ہیں اور ان کے پاس بہت اچھے پوائنٹ ہوتے ہیں، سوشل ایشوز پر قانونی مسائل پر کہ میں حیران رہ جاتی ہوں کہ بندہ ان زاویوں پر سوچ بھی نہیں رہا ہوتا جن پر ریما مثبت پہلوؤں کے ساتھ بات کررہی ہوتی ہیں۔ بے نظیر شاہ کے پاس فیکٹس (حقائق) اینڈ فیگرز بڑے مستند ہوتے ہیں ان کی سب سے اچھی بات مجھے یہ لگتی ہے کہ وہ آپ کو فیلڈ کی بات بتاتی ہیں کہ کیا ہورہا ہے کیا ہوگا۔ کیا نمبرز ہیں۔ کیا انفارمیشن ہے ان کے پاس۔ سب کچھ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ میری نوک جھونک اور بحث مباحثہ ''ارشاد بھٹی'' صاحب کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کو جو صحیح لگتا ہے، وہ کہہ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو پورا پینل ایک بندے کے خلاف ہوتا ہے مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہتے ہیں۔''

''اب تک آپ نے اپنے ہوش میں جن سیاست دانوں کو کام کرتے دیکھا ہے، ان میں آپ کو بہترین کون لگے؟''

''میں نے ''شہباز شریف'' صاحب کو پنجاب میں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مجھے دیگر لوگوں سے شہباز شریف صاحب بہتر لگتے ہیں وہ بہت اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے۔ کیونکہ ان کا ڈر بہت تھا لوگوں کو کہ اگر اس ادارے میں شہباز شریف آگئے یا ان کی ٹیم کا چھاپا پڑ گیا تو سب کی ایسی کی تیسی ہوجائے گی اور کوئی نہیں بچے گا اوپر سے نیچے تک تو ایک اچھے ایڈمنسٹریٹر کی کوالٹی یہی ہوتی ہے کہ اس کا ڈر ہو بندے کو اور پھر اس کے ڈر سے کوئی چیز، کوئی کام خراب کرنے کا کوئی سوچ بھی نہ سکے۔ تو یہ چیز (کوالٹی) اگر سب میں آجائے کہ لوگوں کو ڈر ہو احتساب کا تو پھر چیزیں خود خود صحیح ہوجائیں گی۔ باقی ان کی سیاست پر میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔''

''گھریلو امور سے کتنی دلچسپی ہے، جاب تو بہت سلیقے سے نبھا رہی ہیں اور کھانے میں کیا پسند ہے؟''

''گھریلو امور سے مجھے دلچسپی ہے اس حد تک کہ میں اپنے کمرے کی صفائی کرتی ہوں اور چیزوں کو صاف رکھنے کی...... مجھ میں ایک کیڑا ہے باتھ روم صاف اور خشک ہونا چاہیے اور باتھ روم تو میں خود سے بھی کئی مرتبہ صاف کرلیتی ہوں۔ کھانا پکانے کا شوق تھا۔ مگر اب مصروفیت کی وجہ سے پکا نہیں سکتی۔ اور مجھے بیکنگ کا بہت زیادہ شوق ہے۔ شادی سے پہلے تو آدھی آدھی رات تک جاگ کر بیکنگ کیا کرتی تھی۔ اب وقت کی بہت قلت ہے۔ اگر اتفاق سے دو چھٹیاں مل جائیں تو پھر'' کچن میں بہت دل لگتا ہے اور کچھ نہ کچھ ضرور بنالیتی ہوں...... اور کھانے کے معاملے میں بہت چوزی نہیں ہوں۔ اماں جب تھیں تب تک چوزی تھی۔ اماں کے بعد سارے نخرے ختم ہوگئے میرے۔ اب تو فریج کا ٹھنڈا کھانا بھی نکال کر کھالیتی ہوں، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ میں کہتی ہوں کہ کھانا بے شک کم ملے مگر اچھا اور لذیذ ملے۔ مجھے چائنیز بہت زیادہ پسند ہے۔ پیزا، پاستا، اٹالین فوڈ پسند ہیں۔ جوسز اور فروٹ بہت پسند ہیں۔ اور میٹھا بہت زیادہ پسند ہے۔ کھانا چھوڑ سکتی ہوں مگر میٹھا نہیں چھوڑ سکتی۔''

''سسرال والے کیسے ہیں تمہارے اور کون کون ہیں؟''

''ماشاء اللہ ماشاء اللہ سسرال میرا بڑا ہی پیارا ہے۔ میرے نخرے برداشت کرتے ہیں۔ اور میرے شوہر کے علاوہ ان کی ایک بہن یعنی نند ہیں۔ گھر میں میرے ساس سسر ہیں اور دادی ساس (شوہر کی دادی) ہمارے ساتھ ہوتی ہیں۔ گھر میں ہم کل چھ افراد ہیں۔ میرے ساس سسر بھی کافی ینگ ہیں تو ہماری اور ان کی باتیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ جنریشن گیپ والی کوئی بات نہیں ہے۔ ساس کے ساتھ میری بہت اچھی دوستی ہے۔''

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے علینا فاروق شیخ سے اجازت چاہی شکریہ کے ساتھ کہ انہوں نے ٹائم دیا۔

☆

نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ' 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: Info@khawateendigest.com

ذکیہ...... حجرہ شاہ مقیم

میں نے خواتین پندرہ سال پہلے پڑھنا شروع کیا نہ صرف خواتین بلکہ شعاع اور کرن کو بھی پڑھا پر خط لکھنے کی ہمت آج ہو رہی ہے۔ زندگی میں بہت ہی دشواریاں تھیں اور ابھی بھی بہت ساری ہیں۔

میرے شوہر سبزی کا اور بچوں کا روز کا خرچ مجھے روزانہ، دیتے ہیں، ان میں سے ہی تھوڑا تھوڑا کر کے پورا مہینہ جمع کرتی ہوں۔ میں ان رسالوں کو پا کر ہر ماہ دو تین دنوں کے لیے اپنی زندگی کا ہر غم بھلا دیتی ہوں۔

سب سے پہلے حالم اور پھر رنگ ریز میرے، پھر تتلی جیسا پیار، اس کے بعد باقی شمارے کو پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر فریال کا تبصرہ، بخاری سسٹرز کا تبصرہ اور اس بار تو کوثر خالد سودا کا خط پڑھ کر اچھا لگا۔

پندرہ سال بعد لکھنے کا موقع ملا ہے اب نہ جانے کب ملے کیونکہ میرے حالات ایسے ہیں کہ میں روز خط نہیں لکھ سکتی۔

صرف کہنا یہ تھا کہ نمرہ جی آدم کو مت مارنا پلیز پلیز پلیز! نمرہ جی زندگی میں ایک بار آپ سے ملنا ضرور چاہوں گی۔

زندگی میں جب بھی ڈگمگائے تو خواتین نے ایک ماں کی طرح سنبھال لیا اور زندگی میں خواتین ڈائجسٹ نے ہر مشکل میں صحیح معنوں میں ہماری رہنمائی کی۔ کبھی باورچی خانہ اچھا لگا تو کبھی عدنان بھائی کے مشورے مفید لگے تو کبھی نمرہ جی کی خوب صورت باتوں نے جینے کا حوصلہ دیا۔ مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا ہنر سکھایا۔ ہم سب کو خواتین سے عشق ہے۔ میرا بیٹا ابراہیم دو سال کا ہے۔ اس کو بھی خواتین رسالے کی پہچان ہو گئی ہے، میں اس سے جب کہتی ہوں، ابراہیم مجھے رسالہ پکڑاؤ تو فوراً مجھے پکڑا دیتا ہے۔ پوسٹ آفس ہمارے گھر سے بہت دور ہے اور میں نے کبھی اکیلے گھر سے قدم نہیں نکالا اور اگر شوہر سے کہوں گی تو وہ پہلے تو پورا خط پڑھیں گے اس کے بعد فضول کہہ کر جھٹک دیں گے۔

ایک بات میں بتانا بھول گئی۔ میں آٹھویں میں تھی جب خواتین اور دیگر شمارے پڑھنے شروع کیے اور میرے ابو جان بھی اس وقت سے لے کر اب تک میرے ساتھ پڑھتے ہیں، وہ میری دوسری بہنوں سے یہ ہی کہتے ہیں خواتین پڑھو ماں سے زیادہ تربیت کرتا ہے۔

ج: پیاری ذکیہ! آپ کے حالات جان کر بہت دکھ ہوا، آپ پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانی کرے گا۔ زندگی میں دکھ، سکھ تو ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہم نے آپ کے لیے خصوصی دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام پریشانیاں دور کرے۔ آمین

آپ نے ہمیں خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں احساس ہے کہ آپ نے بہت سی دشواریوں سے گزر کر خط پوسٹ کیا۔ آپ کی اس محبت کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ اپنے ابو کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دیں۔

حفصہ صفدر، شگفتہ صفدر، اذان صفدر...... کراچی

اس مرتبہ بھائی کو رسالہ لینے بھیجا کیونکہ شعاع تو

پہلے ہی مل گیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر خواتین سات، کو ہی مل گیا۔ ویسے ایک شکایت بھی کرنی ہے کہ کراچی میں رہتے ہوئے بھی خواتین اتنی دیر سے ملتا ہے۔ کیوں؟

خواتین ملتے ہی سرورق پر نظر دوڑائی۔ ٹائٹل تو اچھا دے دیا کریں۔ پھر کہنی سنی سے کرن کرن روشنی تک کا سفر کیا۔ انشاء نامہ موسٹ فیورٹ۔ ہر ماہ لازمی ہونا چاہیے۔ پھر جناب ہم نے کی لیلیٰ واسطی سے ملاقات پھر ارطغرل اصلی نہ سہی ڈبنگ والے ہی سہی سے ملاقات کر کے اچھا لگا۔ اس کے بعد اپنے موسٹ فیورٹ سلسلے ''ہمارے نام'' پر چھلانگ لگائی۔ پہلا خط ڈاکٹر کرن کا تھا۔ بہت بہت مبارک باد۔ فائزہ امین آپ، مجھے بہت اچھی لگیں۔ آئندہ بھی ضرور خط لکھیے گا۔ فائزہ بھٹی، زینب نور، ڈاکٹر فریال خان، ماریہ نذیر، صائمہ مشتاق، اقرا ممتاز آپ سب کہاں گم ہیں۔ بخاری سسٹرز اور پری وش فرام کوہلو آپ بھی شرکت کرتی رہیئے ہر ماہ۔ پھر دوڑ لگائی رسالے کی آن، بان اور شان حالم پر۔ اوہ تالیہ وقت۔ نے تمہیں دھوکا دے دیا اور ایڈم، افف فف۔ تم تو سب کچھ بھول گئے۔ واٹ اے ٹریجڈی۔

اس بار میری امی کو سب سے زیادہ ام طیفور کے قلم سے نکلا ''منٹھار'' پسند آیا ہے۔ مزاح کے تڑکے کے ساتھ سنجیدگی کا امتزاج، اس پر بے بے کی باتیں۔ ایسے کریکٹر ہر ماہ ہونے چاہئیں۔ سیدھی سادی بے بے نے ایسی بھگو بھگو کر ماریں کہ ہم نے انگلیاں دانتوں میں داب لیں۔ خاص طور پر موبائل کا جو حال کیا وہ تو بس.....

نازیہ رزاق ہو اور کمال نہ ہو۔ ناممکن ..... پورب پچھم کو نہ بھولے تھے کہ ایک اور با کمال تصنیف ''محبت لا محدود'' آ گئی۔ غلامان عشق عظیم ہوتے ہیں اور غلامان عشق میں جب ''بیٹی'' آ جائے تو.....

پھر ''رنگ ریز میرے'' عفت جی اتنا سا بھی کیوں لکھتی ہیں؟ یہاں پڑھا۔ یہاں ہی ختم۔ بہت سی قلوئین کی طرح مجھے بھی رسالے کی حجم کی شکایت ہے۔ یہ بھی ملک کی ترقی کی طرح سکڑتا ہی جا رہا ہے۔

شازیہ جمال کی تصنیف میں خود غرض ماں کی خود غرض بیٹی بالآخر سلجھ ہی گئی۔ مطلب سدھر ہی گئی۔ پھر ''کنگن'' پڑھا۔ شادی اور شربت۔ ہم نے کبھی اکٹھے نہیں دیکھے مگر اچھی تحریر تھی۔ افسانہ ''راہ راست'' میں ہاری کے کارنامے نے بے اختیار ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ شمیم رانی کی ''سزا'' ہم کو نہ بھائی۔ عدنان بھائی اور امثل آپ دونوں ہمیں بہت پسند ہیں۔ اور اچھا ایک بات اور فائزہ بھٹی کا تبصرہ میں ''بیٹی کے نام'' لگا تھا۔ مجھے بہت بہت پسند آیا۔ تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ ویری ویری ویلڈن۔

ج: حفصہ، شگفتہ اور اذان! آپ لوگ اب تک کہاں تھیں۔ پہلی بار شرکت کی اور اتنا اچھا تبصرہ کیا۔ اب آپ باقاعدگی سے محفل میں آتی رہیے گا۔ صفحات کی شکایت ہم سے نہیں حکومت سے کیجیے۔ روپے کی قیمت میں کمی سے کاغذ اتنا مہنگا ہو گیا ہے کہ موجودہ قیمت میں اتنے صفحات دینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ پھر کاغذ ہی کیا مہنگی تو ہر چیز ہوئی ہے۔ پرچے کے اخراجات بھی کئی سو گنا بڑھ گئے ہیں۔ آپ دعا کریں وہی دن لوٹ آئیں جب ڈالر سو روپے کا تھا پھر آپ کو صفحات کی کمی کی شکایت نہیں ہوگی۔

گڑیا راجپوت..... جاتری شریف

میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ مجھے ڈائجسٹ کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلے چھپ چھپا کر ڈائجسٹ منگوانا پھر چوری چوری پڑھنا..... اور پھر خط لکھنا۔ اور جب ڈاک کی باری آتی ہے تو باجی بشریٰ (ہمسائی) کو چھت پر چڑھ کر ایک آواز دیتی ہوں۔ وہ میرا خط لے کر ڈاکخانے پہنچ جاتی ہیں۔ (اللہ پاک ان کو صحت والی خوشحال زندگی دے)۔

یہ میرا پچھلے چھ ماہ پر مشتمل تبصرہ ہے اپریل مئی کا ڈائجسٹ ماسٹر بک ڈپو (بھائی پھیرو) والوں کی جان کال کر کر کے کھا لینے کے باوجود نہیں ملا۔ جون، جولائی اور اگست کے میرے سامنے ہیں۔ کہانی کی مناسبت سے ''تتلی جیسا پیار'' غلط عنوان لگ رہا ہے کیونکہ صائم اور زوباریہ کو دیکھ کر ''اونٹ جیسا پیار'' لگتا ہے۔

''رنگ ریز میرے'' پڑھ کر دل کو تسلی ہوئی کہ عباد نہیں مرا کیونکہ حریم کا شوہر مجھے عباد کا بھائی زید لگنے لگا تھا۔ حالم لم..... م، م، م:..... ہیں کیا کہوں..... مجھے پسند

نہیں آرہا اور نمرہ احمد کا یہ پہلا ناول ہے جو مجھے پسند نہیں آیا۔ ویسے نمرہ آپی ایک بات بتائیں یہ سارے کھسکے ہوئے کردار کدھر دیکھے ہیں۔ میرے تو دماغ کی بتی پھٹ گئی ان کی چالاکیاں پڑھ پڑھ کر...... اور وان فاتح تو گدھا ہی لگنے لگ گیا۔ تالیہ کو گدھی نہیں کہوں گی کیونکہ وہ اچھے دل کی ہے اور ناول کا ہیرو ایڈم لگتا ہے۔ اللہ کرے سلطان مرجائے، اس کا ککھ نہ رہے اس کو کیڑے پڑیں۔ پسو کاٹ کھائیں۔ معصوم بھائی کو ہی مار دیا ہائے ہائے

"سوال" نگہت سیما مجھے اچھا نہیں لگا۔ ماں تو جنت ہوتی ہے صنوئی کو کیوں پچھتاوے کے جہنم میں دھکیل دیا۔ عنوان "سوال" سمجھ میں نہیں آیا "بدلہ" ٹھیک لگتا "کم بخت" بس ٹھیک تھا "اے دل بے خبر" جب کسی کے ساتھ بہت برا ہو تو نتائج اس طرح کے ہی سامنے آتے ہیں، جیا نے اتنا بھی برا نہیں کیا۔ "اظہار کیوں نہیں کرتیں" میں فروغ اور عالی شان کے بجائے شہیر کو پڑھ کر مزا آیا "ہجرزادہ" شائلہ العباد نے رلا ہی دیا۔ "اجنبی کون ہو تم" ہائے یہ عنوان تو لگا میرے لیے ہے کیوں کہ آپ مجھے اجنبی سمجھتی ہیں ڈائجسٹ میں میری کوئی جگہ نہیں (آنسو......) خیر خود سے بڑی آنٹی سے محبت کی کیا تک تھی۔ پاگل لڑکا۔

سب سے آخر میں ہمیشہ والا سوال میرے ناول افسانوں کا کیا بنا اور سب سے آخر میں میں اپنے علاقے کی ڈاکٹر شکیلہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جس کی وجہ سے میں جون جولائی کے ڈائجسٹ پڑھ پائی۔ اگر آپ نے ڈائجسٹ میں نہ جگہ دی تو...... تو...... تو ایک دن آپ کے دل پر حکمرانی نہ کی تو کہنا۔

ج: پیاری گڑیا! اب بھی آپ ہمارے دل پر حکمرانی کر رہی ہیں۔ لیکن دل پر حکمرانی اپنی جگہ اور مجبوریاں اپنی جگہ۔ سب سے بڑی مجبوری یہ کہ صفحات محدود ہوتے ہیں اور خط بے شمار، ہماری سمجھ میں نہیں آتا اتنے ڈھیر سارے خطوط کو کیسے شامل کریں۔ خط ایڈٹ کرتے ہیں، اس کے باوجود سارے خط شامل نہیں ہو پاتے۔ دوسرا سبب تاخیر سے موصول ہونا ہے عموماً پرچا آنے کے بعد ہمیں خط ملتے ہیں۔

یہی مسئلہ کہانیوں کے ساتھ ہے۔ ہر ماہ ہمیں اتنی تعداد میں کہانیاں موصول ہوتی ہیں کہ ہمارے لیے ساری کہانیاں پڑھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم جواب نہیں دے پاتے۔ آپ کی کہانیاں قابل غور کی لسٹ میں ہیں۔

گوشی جمال......منڈی یزمان

اس بار تو پرچا 6 تاریخ کو ہی مل گیا۔ پنک اور اسکن کنٹراسٹ سے سجا کچھ کچھ آف وہائٹ کا تڑکہ لگائے بہت ڈیسنٹ لگا۔ اپنے موسٹ فیورٹ سلسلے "کہی سنی" اور "کرن کرن روشنی" سے فیض یاب ہوئے۔ میرا خیال ہے، ان دو سلسلوں کے بغیر شمارہ ادھورا ہے۔ شکر ہے آپا شاہین رشید نے اس بار "لیلیٰ واسطی" سے بھی بالآخر ملاقات کروا دی۔ شکر ہے اس بار "رنگ ریز میرے" کی قسط شامل ہے۔ بے چاری حریم نرمین کا بھگتان بھگت رہی ہے۔ کامیابی اور دلچسپی سے رواں دواں۔ ہائیں! یہ کیا بھئی؟ "تتلی جیسا پیار" کی اگلے ماہ آخری قسط۔ میرے خیال میں ابھی دو سے تین اقساط ہونی چاہئیں جلدی جلدی سمیٹنے کے چکر میں بھیا! تشنگی رہ جائے گی۔

"حمیرا شفیع" کی کنگن اچھی تحریر۔ "محبت غیر مشروط" نازیہ رزاق ابھی کچھ نیا نیا سا نام بہترین گرفت لیے ایک عمدہ تحریر کے ساتھ۔ "منتظر" جیسی کہانیاں مجھے بہت متاثر کرتی ہیں۔ "اے دل بے خبر" کچھ پھیکی کچھ کھٹی کچھ نمکین سی۔ کچھ بہنوں نے میری آمد کو سراہا۔ ان کا تہہ دل سے شکریہ۔ خواتین وہ واحد پہلے نمبر پر جریدہ ہے جس میں میں نے ڈرتے ڈرتے فرسٹ ٹائم خط لکھا اور پہلا خط ہی شائع ہو گیا، بار بار اپنے نام کو دیکھا عجیب سا سکون دل میں اتر گیا ورنہ گھر کے ماحول میں تو ہر وقت گرما گرمی اور دھما چوکڑی مچی رہتی ہے۔ بڑی دونوں آپا کی سرد جنگ اور اماں بھی ہر وقت ایک "مہم جنگ جو" کا کردار نبھاتے ہوئے نظر آتی رہتی ہیں۔

جب سے چھوٹی آپا کی "سیکنڈ شادی" وقوع پذیر ہوئی ہے، مجھے نہیں لگتا کسی روز وہ خوشی خوشی سسرال سے آئی ہوں۔ ہر وقت بہنوئی صاحب پہ بمباری ہی کرتے ہوئے میکے میں داخل ہوتی ہیں۔ مہینہ بھر "تھلا" جمائے بیٹھی رہتی ہیں اور جاتے ہوئے بھی خاصے ٹسوے بہاتی

ہوئی جاتی ہیں۔ جب تک یہاں قیام پذیر رہتی ہیں۔

اس ماحول سے بیزار ہو کر صائم بھائی جو دوپہر میں ''لنچ'' کرنے گھر آتے ہیں سرپٹ دکان کی جانب پھر بھاگ جاتے ہیں۔

میرے صبر کی جب انتہا ہو جاتی ہے تو ہینڈ فری لگا کر میڈم نور جہاں یا لتا کے سونگ ''درد کی پکار'' وائیم لگا کر اوپر چھت پر جو کاٹھ کباڑ والا کمرہ ہے، اس میں ایک عدد چارپائی میں نے اپنے لیے مخصوص کر رکھی ہے وہاں منہ لپیٹ کر لیٹ جاتا۔

یہ تینوں خواتین حال و بے حال ہوئی ایک دوسری پر برتری حاصل کرنے کے چکر میں لگی رہتی ہیں۔ بچوں کا کوئی پتا نہیں ہوتا، وہ کیا کیا ''کارنامے'' سرانجام دیے جا رہے ہیں۔ چھوٹی آپا تھوڑی رنگین اور شوقین مزاج کی ہیں۔ بہت شوخ کلرز کے کپڑے ان کی چوائس ہیں جس پر اماں اکثر ان کو بائیس توپوں کی سلامی پیش کرتی رہتی ہیں۔ اے لڑکی! یہ اس طرح کی ''اوشا بوشیاں'' (نمودو نمائش) ہم نے تو کبھی نہ کیں اب اتنی بھی ''ننھی کا کی'' نہیں رہیں۔ کچھ سوبر بھی پہن اوڑھ لیا کرو۔ ہر وقت منیاری کی دکان بنی رہتی ہو۔ تیرے یہی ''گل شڑے'' تجھے سسرال میں ذلیل کیے رکھتے اور میاں بھی عقل و فہم سے ندارد۔ پھر میرے آنگن میں شام اتر آتی ہے اور ایسے تھکے تھکے قدموں سے میں بھی سیڑھیوں سے نیچے اور سامنے کچن کی شیلف پر میرے لیے دال سبزیوں کا ٹوکرا منہ چڑا رہا ہوتا ہے اور میں پھر گھن چکر بن کر رویٹین پہ۔

اس چیخ و پکار والے ماحول سے صائم بھائی بھی بہت تنگ ہیں وہی تو مجھے ڈائجسٹ لا کر دیتے ہیں، بھلا ہو میرے بھیا جانی کا۔ اللہ ان کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں عطا کرے۔ آمین۔

افسانوں میں اس بار ''سزا'' بہت متاثر کن تھا۔ شمیم رانی نے معاشرے کے ایک اہم اور تلخ ترین موضوع پر لکھا۔

اس بار عدنان بھیا، کی ٹپس دل کے خانوں میں جاگھسیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش جاری و ساری ہے۔

ج: بیماری گوشی! آپ کے گھر کے مسائل تو کافی گھمبیر ہیں، کیا کسی نے کبھی ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی؟ ہمارے خیال میں تو کوئی بھی بات بے سبب نہیں ہوتی اگر چھوٹی آپا اپنے شوہر سے نالاں ہیں تو اس کا کوئی سبب ضرور ہوگا، آپ کی امی کو چاہیے کہ انہیں بٹھا کر سنجیدگی سے پوچھیں کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔ ان کے شوہر سے بات کریں۔ اسی طرح بڑی آپا کو سمجھائیں کہ اگر وہ اس گھر میں رہتی ہیں تو کچھ کام ان کی ذمہ داری ہیں، ان کے ذمے کام لگائیں، مصروفیت سوغموں کا ایک علاج ہے۔ فارغ رہ کر وہ سوائے باتیں کرنے اور لڑنے کے اور کیا کر سکتی ہیں۔

حریم نرمین کا بھگتان نہیں بھگت رہی ہے۔ اس کی تو لاٹری نکل آئی ہے، اس کے والد صاحب، بہن کی محبت میں جہاں اس کی شادی کر رہے تھے وہ گھر اور زلفی صاحب کو دیکھیے، اس کے پاس کیا تھا نہ تعلیم، نہ تربیت، نہ شکل و صورت، نہ روزگار اوپر سے کردار بھی ٹھیک نہیں۔ دوسری طرف عباد اچھی شکل وصورت کا مالک، پڑھا لکھا، مہذب، بڑا کاروبار چلا رہا ہے گھر میں بھی کوئی کمی نہیں، حریم کا خیال بھی رکھتا ہے۔ سچ پوچھیں تو ہمیں حریم کا رویہ بہت مصنوعی سا لگ رہا ہے۔ بلاوجہ کے نخرے۔

عنبر عتیق الرحمان.....فرخ آباد شاہدرہ لاہور

ہر مرتبہ یعنی ہر ماہ دل چاہتا ہے کہ بہنوں کی محفل میں شرکت کروں لیکن مصروفیات ایسا نہیں کرنے دیتیں۔ اس ماہ محترمہ نسیم سحر قریشی مرحومہ کی پرانی تحریر دیکھ کر رہ نہیں سکی۔ یہ تحریر کئی سال پہلے شائع ہوئی تھی، اس وقت میں اس کی کئی باتیں سمجھ بھی نہیں سکی تھی کیونکہ میں بہت کم عمر تھی۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ مجھے اس کے کئی ڈائیلاگ یاد تھے۔ آپ مہربانی فرما کر یہ ضرور بتا دیں کہ یہ تحریر پہلی مرتبہ کس سن میں شائع ہوئی تھی۔ ایک اور گزارش ہے کہ 1984ء کے خواتین ڈائجسٹ کے شماروں میں سے کوئی تحریر شائع کریں کیونکہ میں نے

بقیہ صفحہ نمبر 244 پر

راحت جبیں

تتلی جیسا پیار

اس گھر میں دو بھائی زبیر اور سرمد اپنی بیویوں ثمینہ اور ساجدہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ زبیر اور ساجدہ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا دانیال تھا۔ بیٹیوں کی شادی ہوچکی تھی جبکہ سرمد اور ثمینہ کی دو بیٹیاں تھیں روشانے اور زوباریہ۔ روشانے کی منگنی دانیال سے ہوچکی تھی۔

زوباریہ پورے گھر کی لاڈلی میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔ پڑوس میں رہنے والا صائم، فائقہ اور ابراہیم کی اکلوتی اولاد تھا۔ زیبی اور صائم میں بچپن سے بہت دوستی تھی، دونوں لڑتے جھگڑتے بھی تھے۔ فائقہ کو زیبی کا یوں چھت پھلانگ کر اپنے گھر آنا اور صائم سے بے تکلف ہونا برا لگتا تھا، ان کے خیال میں وہ اب بڑے ہوگئے تھے، اس لیے زیبی کو خاص طور پر احتیاط کرنا چاہیے۔

صائم کالج کے دوستوں کی پارٹی میں زیبی کو لے جاتا ہے۔ جہاں ایک دوست زیبی سے فری ہوتا ہے پھر اس کا نمبر لے کر زیبی سے بات کرتا ہے۔ زیبی صائم کی غلط فہمی میں شہیر سے بات کرتی ہے اور تحفے وصول کرتی ہے، پتا چلنے پر

پریشان ہوتی ہے۔ صائم کا شہیر سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔
زوباریہ کے کہنے پر صائم اپنا گٹار توڑ دیتا ہے۔ صائم اس سے معافی مانگتا ہے۔ زیبی اس کے لیے اپنی پاکٹ منی سے گٹار خریدتی ہے۔ اور صائم کی بالکونی میں کارڈ کے ساتھ رکھ دیتی ہے۔ صائم جان لیتا ہے کہ یہ کس کا تحفہ ہے۔

گیارہویں اور آخری قسط

ایک لمحے میں زوباریہ کی برسوں کی ریاضت زمین بوس ہوئی۔ کمرے میں ایسی گہری خاموشی ہوگئی کہ سانسوں کی سرسراہٹ بھی سماعتوں پر بار تھی۔ سرمد صاحب نے بے بسی سے اپنے کانپتے ہاتھ کو دیکھا۔ انہیں لگا پھر سے فالج آ گرا ہے۔

''اس لڑکی سے میری منگنی کر رہے تھے۔ سارے شہر میں یہ لڑکی میرے لیے ملی۔''

''شہیر! کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔'' شہیر کی امی تیزی سے اس کے پاس آئیں۔

''آپ جانتی ہیں یہ تین دن صائم کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔ اور آپ اسے اپنے خاندان کی عزت بنانا چاہتی ہیں۔''

زوباریہ نے اپنی بدنامی کو نیک نامی میں بدلنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔

وہ زیبی سے ڈاکٹر زوباریہ ہوگئی تھی۔

اس نے غلطی کر کے سزا بھی بھگت لی تھی۔

اس نے اپنے رشتے کھو کر پھر سے پا لیے تھے۔

وہ بھول گئی تھی اور اسے لگتا تھا دنیا بھی بھول گئی ہے۔ مگر اس دنیا کا مزاج بہت ہی کمینہ تھا۔ ان کے نزدیک دوسروں کے عیب تو چوک پر لگا اشتہار ہوتے ہیں۔ لوگ رک رک کر پڑھتے ہیں۔ جو نہ پڑھے اسے روک روک کر پڑھاتے ہیں۔

ایک گرم سی لہر زوباریہ کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔

یہ غصہ تھا یا بے بسی۔

وہ کیوں ایک ایسے شخص کے سامنے بونی ہوتی جا رہی تھی جو اس دور میں بھی فلرٹی اور بدکردار مشہور تھا۔

''پتہ تو وہ سارے جو خود پاک ہو۔'' زوباریہ کے اندر آگ بھڑکنے لگی۔

وہ ہوتا کون تھا زوباریہ کے ماضی کو کرید کر کٹہرے میں کھڑا کرنے والا۔ جس کی بے راہ روی کے قصے آج بھی زبان زد عام تھے۔

یہ بات زوباریہ نے نہیں دانیال نے سوچی تھی۔

''کتنی نیک پروین اور باحیا بنتی تھی۔ میری دوستی تک قبول نہ تھی اور ایک دن کیا ہوا یہ نیک پروین صائم کے ساتھ.....''

''بس.....'' دانیال اتنے زور سے گرجا کہ اگلے الفاظ شہیر کے گلے میں اٹک گئے۔

''اس سے پہلے کہ میں تمہیں اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دوں۔ اپنے پیروں پر چلتے ہوئے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

وہ جو سر جھکائے اپنے اندر کے ابال پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بے یقینی سے سر اٹھا کر دانیال کو دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ کسی نے بھی دانیال کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شہیر غصے سے اور اس کے ماں باپ شرمندگی سے گھر چھوڑ گئے۔

''آئندہ ایسے گھٹیا لوگوں کو گھر میں مت بلائیے گا۔'' دانیال کسی کو بھی دیکھے بغیر کمرہ چھوڑ گیا۔

سب جیسے مسمرائز سے اسے جاتے دیکھتے رہے۔

زوباریہ بے آواز ہنسی مگر دل سے ہنسی۔ اس کے کندھوں پر منوں بوجھ ہٹ گیا۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

اس کی عزت کا محافظ پھر سے دنیا کے سامنے ڈھال بن گیا تھا۔ اس کا بھائی واپس مل گیا تھا۔
اور گاڑی میں شہیر کی مما اسی پر برس رہی تھیں۔
"آخر میں کچھ سوچ کر ہی اس گھر میں آئی تھی۔ تمہاری بے راہ روی اور حرکتوں کی خبر بھی تو پورے شہر کو ہے۔ کوئی اچھا گھر تمہیں اپنی لڑکی دینا پسند نہیں کرتا۔ ہمارا روپیہ، پیسہ، بزنس سب بے کار ہو جاتے ہیں۔"
"میں لڑکا ہوں۔"
"وقت بدل گیا ہے۔" زمان صاحب نے غصے سے اسے دیکھا۔ "لڑکیاں بھی اپنے ہونے والے پارٹنر میں نجانے کیا کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور تم اب بھی سمجھنے کو تیار نہیں۔ وہ لڑکی اپنے ماضی کی غلطی کی وجہ سے ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارہ تو کر ہی لیتی۔"
"آپ اس دنیا کے واحد پیرنٹس ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے بیٹے کو ڈی گریڈ کرتے ہیں۔"
اس نے غصے سے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

ثمینہ کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔
"وہ کب تک سزا بھگتے گی۔ آخر لوگ بھول کیوں نہیں جاتے۔ معاف کیوں نہیں کرتے۔"
روشانے ماں کو تسلیاں دیتی بے حال ہو رہی تھی۔
"ارے بھاڑ میں جائیں ایسے لوگ۔ ہمیں بھی ضرورت نہیں ہے ایسے لوگوں کی۔ ان شاء اللہ ہماری بچی کا نصیب بہت اچھی جگہ لکھا ہے۔ روشانے! ماں کے لیے پانی لاؤ۔" ساجدہ نے غصے سے کہا اور ساتھ ہی تسلی کے پھاہے جلتے بلتے دل پر رکھے۔
ثمینہ نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے سرمد کو دیکھا۔ اپنے رونے دھونے میں وہ بیمار شوہر کو تو بھول ہی گئی تھیں۔ نجانے ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔
وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ دھیمے دھیمے مسکرا رہے تھے۔
"ہائے اللہ، روشانے! اپنے ابو کو دیکھ، ان کو کیا ہوا ہے۔ کہیں دماغ پر تو اثر نہیں لے لیا۔"
ثمینہ کی دہائی پر روشانے لپک کر باپ کے پاس آئی۔
"ابو جی۔"
انہوں نے سر اٹھا کر روشانے کو دیکھا تو مسکراہٹ آنکھوں میں کھلکھلا رہی تھی۔
"روشانے تم نے دیکھا۔" ان کی آواز سرگوشی سے بھی کم تھی۔ مگر روشانے کی سماعتیں حرف حرف چن رہی تھیں۔ "وہ زوباریہ کی خاطر کھڑا ہو گیا تھا، وہ اس گھر کا آخری مرد تھا جو اس سے نفرت کرتا تھا۔ اب کوئی اس سے نفرت نہیں کرتا۔"
باپ بیٹی کھل کر ہنسے۔ ساجدہ اور ثمینہ نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔
ابھی جو کچھ ہوا کیا اس پر ہنسی آسکتی ہے۔ وہ اپنا مذاق اڑا رہے تھے یا زوباریہ کا......
روشانے ان کا استعجاب نظر انداز کرتی اپنے کمرے میں آگئی۔
نور فاطمہ کا سر باپ کے بازو پر تھا۔ وہ اس کی قمیص کے بٹن چھیڑ رہی تھی۔ اور وہ بیٹی کے مخملیں بالوں کو۔
"سب سے زیادہ کس سے پیار کرتی ہو۔ مما سے یا بابا سے۔"
"دونوں سے۔"
"اپنی باتیں کس سے شیئر کرتی ہو مما سے یا بابا سے۔"

''دونوں سے۔''

دانیال نے نور فاطمہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''زندگی میں کبھی بھی ہم سے کوئی بات نہ چھپانا، ہم سے ہر بات شیئر کرنا۔ آئی پرامس یو، میں تمہاری ہر بات سنوں گا۔ کبھی تم پر غصہ نہیں کروں گا۔''

روشانے آکر دوسری طرف بیٹھ گئی۔ دانیال نے اپنی بات جاری رکھی۔

''میں کبھی تم پر غصہ نہیں کروں گا۔ تمہاری ہر فیلنگز کو سمجھوں گا.....''

''اوکے بابا.....''

''تم بھی پرامس کرو۔ کبھی بابا کو ہرٹ نہیں کرو گی۔ ہمیشہ ان کی ہر بات مانو گی۔''

روشانے نور فاطمہ کے ساتھ لیٹ گئی۔ نور فاطمہ نے اچھے بچوں کی طرح فوراً پرامس کرلیا تھا۔ انسان جب تک خود اس مقام پر نہیں پہنچتا۔ وہ کبھی سامنے والے کی کیفیت نہیں سمجھ سکتا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا سرمد اور ثمینہ بہت کمزور ماں باپ ہیں۔ کیوں زیبی کی گردن نہیں اڑا دیتے۔ کیوں اسے گھر سے نہیں نکال دیتے۔ جو غلطی زیبی کی تھی، اس جرم کی پاداش میں گلی میں چلتے کسی بھی شخص کو پکڑ کر نکاح پڑھوا کر دفع کیوں نہیں کرتے۔ مگر خود باپ بنا تھا۔ تو دل کسی نے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ بس ایک بار..... بس ایک بار نور فاطمہ کو زیبی کی جگہ رکھ کر سوچا۔ تو سب سمجھ میں آگیا۔

وہ بھی ہار گیا تھا۔

☆☆☆

جلتے فانوس کے نیچے وہ خود بھی جل بجھ رہا تھا۔ قدرت نے کتنا اچھا موقع پلیٹ میں رکھ کر پیش کیا تھا اور اس نے اپنی جلد بازی کے ہاتھوں وہ پلیٹ ہی توڑ دی۔

''کیا ہرج تھا۔ ایک منگنی ہی تو سہی کرلیتا۔ کچھ تھوڑا ایڈونچر تو رہتا۔''

جس لڑکی کو پانے کے لیے صائم نے اتنے جتن کیے، وہ کتنی آسانی سے میری بیوی بننے جارہی تھی۔ صائم کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ چیز کیا ہوتی۔'' وہ کمرے سے نکل کر سوئمنگ پول کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ اطراف کی روشنیاں پول کے پانی۔ پر یوں جھکی تھیں، گویا پانی تلے چراغ جل رہے ہوں۔ اسے زوباریہ کے ساتھ پہلی ملاقات یاد آئی۔

صائم سے لڑائی اور اس لڑائی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تلخی۔ جس کے بعد کبھی ان کی دوستی اس لیول پر آئی ہی نہیں۔ اگرچہ ہیلو ہائے تو اب بھی ہو جاتی تھی۔

''تم کس قدر بے وقوف ہو شہیر! تھوڑا فن کرنے کا موقعہ مل رہا تھا تم نے وہ بھی گنوا دیا۔'' وہ خود کو انگریزی میں کوستا ماں کے پاس آیا تھا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔'' وہ تو مطالبہ سنتے ہی بگڑ گئیں۔ ''اتنی انسلٹ کے بعد وہ تم سے شادی کرے گی؟''

''میں اس سے معذرت کرلوں گا۔'' شہیر نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ انہوں نے غور سے بیٹے کا چہرہ دیکھا۔

''اب کیا ہوا؟ آپ ہی تو کہتی ہیں، اپنے ماضی کی غلطی کی وجہ سے وہ ہمیشہ میرے سامنے سر جھکا کر رہے گی۔''

''ڈیپنڈز کہ تمہارے حال کی وجہ سے اس کا سر نہ جھکے۔''

ماں کا طنز بہت گہرا اور سیدھا دل کو لگا تھا۔ شہیر تلملا گیا۔
''آپ کچھ بھی کہیں، لیکن میں نے فیصلہ کرلیا ہے اب شادی کروں گا تو صرف زوبار یہ سے۔'' شہیر غصے میں کہہ کر چلا گیا۔
''اب میں انہیں کیسے مناؤں گی۔''

☆☆☆

سیماب نے بڑی مہارت سے کیک بیک کیا اور کیا ہی شان دار بنا تھا۔ ایپرن باندھے شہد رنگ بالوں کو بینڈ میں لپیٹے وہ بڑے انہماک سے کام کررہی تھی۔ گاجریں کاٹتی بوا کلستی، چڑتی، گاہے بگاہے کینہ توز نظروں سے اسے گھور بھی لیتیں۔
ان کی گھوری کے ساتھ سیماب کے گلابی لبوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوجاتی۔ تب ہی ستارہ نے کچن میں قدم رنجہ فرمایا۔
''بیگم صاحبہ! یہ نئی نسل نے بس کیک کھا کر زندہ رہنا ہے؟''
انداز معصومانہ، لہجہ استفسارانہ اور آنکھوں کی کیفیت شاطرانہ تھی۔
سیماب کو سچ میں ہنسی آ گئی۔
بوا جی نے چھری گاجر کی گردن میں کھبوئی اور تلملا کر گویا ہوئیں۔
''نہ آلو گوشت، نہ دال بھاجی..... روٹی تک تو بیلنی نہ آئے۔ یہ کیک کھا کھا کر ساس کا پیٹ خراب ہوگا اور میاں کا مزاج۔ پھر نہ روتی پھرنا کہ بوا نے کچھ نہ سکھایا۔''
''نہیں۔ آپ میرے ساتھ جہیز میں نہیں جارہیں۔'' سیماب نے پلٹ کر تعجب سے بوا کو دیکھا۔
''ہم کیوں جانے لگے؟'' بوا تنک کر بولیں۔ ان کی نوک جھونک سنتی ستارہ مسکراتی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
جب سے سیماب کو بیکنگ کا شوق اٹھا تھا، بوا کے اعتراضات بڑھتے ہی جارہے تھے۔ روز کا معمول تھا اب وہ کیا دخل دیتیں۔
''ہائے مجھے آلو گوشت، دال بھاجی کون بنا کر کھلائے گا۔ روٹی تک تو بیلنی نہیں آتی۔''
جواب میں بوا کی تقریر ایسی تھی جس میں نہ کہ ماتھا نہ فل اسٹاپ۔ مجبوراً ستارہ کو دخل دینا ہی پڑا کیونکہ سیماب کی چہلیں اور بوا کا غصہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔
''آپ فکر نہ کریں بوا جی! جہاں سے کیک بنانا سیکھتی ہے، وہاں ہر چیز کی ریسپی مل جاتی ہے۔''
''بالکل۔ انٹرنیٹ زندہ باد۔''
''ہاں بی بی! اب نہ ماں کی ضرورت رہی نہ دادی نانی کی عقل وسلیقہ سکھانے کی ذمہ داری اس پھاپھا کٹنی نے جو سنبھال لی ہے۔'' وہ غصے سے بھری کچن سے واک آؤٹ کرگئیں۔ دونوں ماں بیٹی کھل کر ہنسیں تو وہ تلملا کر دروازے سے پلٹیں۔
''لوگ اب سوال کرنے لگے ہیں، یہ لڑکا کون ہے جو بھاگ بھاگ کر آتا ہے۔''
''کہہ دیں سیماب کا دوست ہے۔'' سیماب نے پگھلی چاکلیٹ کیک پر ڈالنا شروع کی۔
''شرم سے ڈوب نہ مروں یہ کہنے سے پہلے۔'' وہ تڑخ کر کہتی وہاں سے چلی گئیں۔ سیماب نے چور نظروں سے ماں کو دیکھا۔
ان کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔
''یہ پھاپھا کٹنی انٹرنیٹ کو کہہ کر گئی ہیں۔'' سیماب نے ماحول کی گمبھیرتا کو ہنسی میں اڑانا چاہا۔

''کہہ تو ٹھیک رہی ہیں۔''
''اوہو اماں! اب آپ تو ایسی باتیں مت کریں۔'' وہ جھنجلا گئی۔
''آخر وہ کہتا کیا ہے۔''
''میں خود نہیں جانتی۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو اتنا کنفیوز کیوں ہے؟''
سیماب کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔ وہ صائم کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تنگ آ گئی تھی۔
''اگر وہ تمہارا ساتھ نہیں چاہتا تو اس سفر کو ختم ہو جانا چاہیے۔''
سیماب نے مڑ کر دیکھا۔ وہ بتا نہیں رہی تھیں، ماں ہونے کے ناتے فیصلہ سنا رہی تھیں۔
(''اگر تمہیں یہ پتا چلے کہ میری زندگی میں تم سے پہلے بھی کوئی لڑکی تھی تو۔'')
کیک کو سیٹ کرتی چھری ساکت ہو گئی۔
''کیا واقعی صائم کی زندگی میں مجھ سے پہلے بھی کوئی لڑکی تھی۔ کوئی ایسی لڑکی جو جا کر بھی نہ گئی ہو۔''
سوال اسے کاٹنے لگے تھے۔
''فکر نہ کریں اماں! کسی جھوٹی آس میں وقت نہیں ضائع کروں گی اور نہ صائم کو اس بات کی اجازت دوں گی کہ میرے جذبوں کو یوں بے وقعت کرے کیونکہ میں اس کے پیچھے بھاگوں گی نہیں۔'' سیماب رسانیت سے کہہ کر اپنے کام میں مگن ہو گئی۔
ستارہ نے دل گرفتی سے اپنی خوب صورت بیٹی کو دیکھا۔
''مگر تم اس سے محبت کرتی ہو سیماب!''
چاکلیٹ پر اسٹرابری سجاتے سیماب کے ہاتھ رک گئے۔
اس کا جواب اسے اپنے اندر تلاش کرنا تھا۔

☆☆☆

اس کی میز پر سفید پھولوں کا گلدستہ اور کارڈ رکھے تھے۔ ننھے سپید پھولوں پر کھڑکی سے آتی آخیر نومبر کی دھوپ ان کی رنگت کو کچھ اور جلا بخش رہی تھی۔
زوباریہ نے گلدستہ اٹھا کر دیکھا۔
کارڈ پر معذرت کے الفاظ تھے اور بھیجنے والے کا نام ندارد۔
''روشانے! یہ کس نے بھیجے ہیں؟'' زوباریہ نے اندر داخل ہوتی روشانے سے پوچھا۔
''شہیر کا ڈرائیور دے کر گیا تھا۔'' روشانے — سادہ سے لہجے میں کہہ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔
زوباریہ کا چہرہ شرمندگی سے جلنے لگا۔
''تمہیں واپس کر دینے چاہیے تھے۔'' اس نے پھول ہاتھ سے چھوڑ دیے۔ گلدستہ گرا اور کچھ پھول پر ٹوٹی تتلیوں کی طرح میز پر بکھر گئے۔
''اس کی مدر کا بھی فون آیا تھا، بہت شرمندہ تھیں۔''
''تمہیں نہیں لگتا یہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔ اس کا انسلٹنگ لہجہ مجھے یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ زندگی بھر میری عزت نہیں کرے گا۔'' زوباریہ نے غور سے روشانے کا چہرہ دیکھا۔ وہ خاموش تھی۔
''یا تمہیں لگتا ہے جس بھی شخص سے میری شادی ہوئی، وہ زندگی بھر میری عزت نہیں کرے گا۔''
''ایسی باتیں مت کرو۔'' روشانے نے تڑپ کر زوباریہ کو دیکھا۔
''مجھے اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے بکھرے پھولوں کو ہتھیلی سے جمع کر کے میز کے کونے سے

اگا دیا۔
''کیونکہ اب میں نے خود اپنی عزت کرنا شروع کر دی ہے۔''
''زیبی! ایک بات پوچھوں؟'' روشانے کے لہجے میں تذبذب تھا۔
''ہوں۔'' زیبی نے بالوں سے کیچر نکال دیا۔ اور ڈریسنگ کے سامنے جا کر برش اٹھالیا۔
''صائم آج کل کہاں ہوتا ہے۔''
زوباریہ نے حیرت سے آئینے میں منعکس ہوتے روشانے کے عکس کو دیکھا۔
''تمہیں کہاں سے یاد آ گیا۔''
''بس یوں ہی خیال سا آیا تھا کہ.....''
''اس کی منگنی ہو گئی ہے۔'' زوباریہ نے سپاٹ لہجے میں روشانے کی بات قطع کی۔
اور ہلکے سے توقف کے بعد اپنی بات مکمل کر دی۔
''سیماب کے ساتھ.....''
''ستارہ خالہ کی سیماب کے ساتھ۔'' روشانے ہکا بکا رہ گئی۔
زوباریہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بال بنانے لگی۔ اس کے سلکی سیدھے بال کندھوں سے کچھ نیچے آتے تھے۔
''اسے بھری دنیا میں سیماب ہی ملی تھی۔''
''میں نے بھی اس سے یہی پوچھا تھا۔''
''تو.....؟''
''تو کیا؟ اسے قسمت کہتے ہیں روشانے بی بی!'' وہ ہنسی۔
''سیماب اور خالہ جانتی ہیں؟''
''نہیں۔''
''زیبی! تم اسی لیے وہاں سے آ گئی تھیں؟'' روشانے نے تاسف سے بہن کو دیکھا۔
زوباریہ کے لبوں پر مضمحل سی مسکراہٹ در آئی جس نے روشانے کا دل چیر کر رکھ دیا۔
اس نے بے اختیار اٹھ کر بہن کو گلے سے لگا لیا۔
''میری جان اور کتنے امتحان تمہاری زندگی میں آنے ہیں۔''
''میری فکر نہ کرو۔ سارے وقت، سارے فیز گزر جاتے ہیں۔'' وہ بے حد ضبط سے گویا ہوئی۔
روشانے نے الگ ہو کر بہت پیار سے بہن کا چہرہ دیکھا۔
''ان پھولوں کو واپس بھیج دو روشانے! جانتی ہو، اس نے مجھے صرف سفید پھول کیوں بھیجے ہیں۔''
روشانے نے نفی میں گردن ہلا دی۔
''اتنی بکواس کے بعد وہ مجھے تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ مجھے ان کے سفید رنگ کی طرح پاکیزہ سمجھتا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں، وہ مجھے ایسا نہیں سمجھتا۔''
''میری بہن اتنی ہی بے داغ اور پاکیزہ ہے، ہم سب جانتے ہیں۔'' روشانے نے محبت سے اس کا گال چوم لیا تھا۔

☆☆☆

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔'' علی اب ایک قابل انجینئر تھا۔ سنجیدہ اور بردبار۔ ابھی دو سال پہلے اس کی

شادی ہوئی تھی۔ پیارے سے بیٹے کا بھی باپ بن چکا تھا۔
''اس میں پاگل پن کیا ہے۔ تھوڑا مزا، تھوڑا تھرل رہے گا۔''
شہیر نے لاپروائی سے سگریٹ کا دھواں اڑایا۔
''خدا کے لیے شہیر! زندگی کو تھرل اور مزا سمجھنا چھوڑ دو۔ شادی کرو۔ فیملی بناؤ۔ زندگی کو کسی ٹریک پر لے کر آؤ۔''
''لے آؤں گا۔ ذرا زوبار یہ اور صائم کے ساتھ چل تو کرنے دو۔''
''بچپنے کی باتیں تھیں، تو ابھی تک ان کو دل پر لیے بیٹھا ہے۔'' علی چڑ گیا۔ وہ واحد دوست تھا جو اب تک شہیر کے ساتھ رابطے میں تھا اور گاہے بگاہے اسے اچھے برے پر لیکچر بھی دیتا رہتا تھا۔
''سوچو۔ وہ لڑکی جس نے میری دوستی قبول نہیں کی۔ مجھ پر صائم کو ترجیح دی۔ صائم نے اسے پانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ سب جانتے ہیں، اس کے گھر والوں نے صائم کا کیا حال کیا تھا؟ وہ لڑکی میری منگیتر بن جائے تو صائم کا کیا حال ہوگا۔''
''صرف منگیتر؟'' علی نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔
''تو ایسی لڑکیوں کو بیوی کون بناتا ہے؟'' اس کا مکروہ قہقہہ دھوئیں کے ساتھ فضا میں بکھر گیا۔ علی کو خود پر افسوس ہوا، ہر کسی کی طرح اس نے بھی شہیر جیسے غلیظ سوچ رکھنے والے شخص سے کنارہ کیوں نہ کرلیا۔
''تم یہ خبر صائم تک ضرور پہنچاؤ گے۔'' شہیر نے انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا تو علی کھڑا ہو گیا۔
''ضرور پہنچاؤں گا۔''
علی کے جانے کے بعد اس نے موبائل اٹھایا اور زوبار یہ کو میسج لکھ کر بھیج دیا۔
تب ہی ملازم نے کچھ لا کر میز پر رکھا اور خاموشی سے چلا گیا۔
شہیر نے موبائل اسکرین سے نظریں اٹھا کر دیکھا۔
سفید مرجھائے، کملائے ہوئے پھول بکھر بکھر جا رہے تھے۔
''اس سے زیادہ برا حال نہ کیا تو میرا نام شہیر نہیں۔'' اس نے ہاتھ مار کر سارے پھول پتی پتی کر دیے تھے۔

☆☆☆

صائم نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا۔ سبز گھاس پر سفید جھاگ سا بگلا لاٹھی ٹیکتا جا رہا تھا۔ صائم کو اپنے ہی خیال پر ہنسی آ گئی۔ محمود صاحب نے لاٹھی سے کونے میں لگے نیاز بو کے پودے کو چھیڑ دیا۔ فضا میں اس کی تیز خوشبو پھیل گئی تھی۔
''نانا! کافی لیں گے۔'' اس نے کافی کا ڈبا اٹھاتے ہوئے پکار کر پوچھا۔
آج کل دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔ صائم انہیں بحال کرنے کی کوششوں میں تھا۔
''دودھ پتی بنا دو۔'' انہوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
صائم نے کندھے اچکا کر ڈبا رکھا اور فریج سے دودھ نکال کر پلٹا۔ اس کی نظروں کے عین سامنے وہ چلتے چلتے ٹھٹکے۔ رکے..... انہوں نے صائم کو دیکھا۔
صائم ان کے کانپتے ہاتھ نہ دیکھ پایا۔
بس لاٹھی پھسلی اور سفید بگلے کے پر سبز گھاس پر بکھر گئے تھے۔
گیٹ سے اندر آتی سیماب کے ہاتھ سے کیک کا ڈبا پھسلا۔ وہ گل دوپہر کی کیاری روندتی پھلانگتی صائم

سے پہلے محمود صاحب تک پہنچی تھی۔
''بابا..... بابا.....'' انہوں نے بند ہوتی آنکھوں سے خود پر جھکی سیماب کو دیکھا۔
سیماب تھی یا زوباریہ..... وہ پہچان نہیں پائے تھے۔
''ایمبولینس کو کال کرو۔'' اس نے چلا کر گھر سے باہر نکلتے صائم سے کہا۔
وہ الٹے قدموں واپس دوڑا۔
''بابا! آنکھیں تو کھولیں.....'' سیماب رو پڑی۔ ان کی انگلی تھام کر سیماب نے بچپن کی سیڑھیاں طے کی تھیں۔ ان کے کندھوں پر جھول کر پہلا حرف لکھنا سیکھا تھا۔
''سیما!'' وہ کراہے۔ جان پر بڑا بھاری قرض تھا۔ اسی طرح لے کر چلے جاتے تو اللہ کو کیا منہ دکھاتے۔
''جی بابا! میں آپ کے پاس ہوں۔''
''سیما..... دو کناروں کو ملانے والا پل بننا بیٹا۔''
''بابا! ایمبولینس آنے والی ہے۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''
صائم آ کر انہیں اٹھانے لگا۔ اب ان سے بولا نہیں جا رہا تھا مگر وہ کچھ بولنا چاہتے تھے۔ پھر ان کے لبوں سے ایک آخری لفظ پھسلا۔
ایک آخری نام.....
سیماب اپنے آنسوؤں میں سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ نام محض ایک خیال تھا یا وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

ستارہ خالہ کی زبانی محمود صاحب کی بیماری کا سن کر وہ اتنی بے چین تھی کہ سب کو نظر آتا تھا۔
''ایک دو دن کی چھٹی لے کر ان سے مل آؤ۔'' سب نے مشورہ دیا۔ کیسے بتاتی کہ وہ شہر اب اس کے لیے اجنبی ہو گیا ہے۔
''چھٹی نہیں مل رہی۔'' زوباریہ نے بہانا بنا دیا تھا۔
''اب تو مجھے بھی ان سے ملنے کا اشتیاق ہونے لگا ہے۔'' سرمد اور زوباریہ کا معمول تھا۔ رات گئے تک باتیں کرتے۔ بے معنی ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں۔
''وہ عام انسان نہیں ہیں۔ میرے لیے تو خضر راہ ہیں۔ میرے روحانی باپ۔ انہوں نے اس خواب کو پھر سے میرے دل میں زندہ کیا تھا جو آپ نے میرے لیے دیکھا تھا۔''
''تم بہت خوش قسمت ہو زوباریہ!'' سرمد صاحب نے بہت پیار سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ ''جب تم اکیلی تھیں، تب بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسے کیسے چراغ جلائے۔ جو تمہاری راہیں روشن کرتے رہے۔''
اور زوباریہ کو بھی اپنی خوش نصیبی پر پورا یقین تھا۔ تب ہی تو عرصہ ہوا۔ اس نے رب سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔
جھنجلائی ہولائی ثمینہ کمرے میں وارد ہوئیں۔
''باپ بیٹی کی باتیں شروع ہو جائیں تو پھر کوئی کام یاد نہیں رہتا۔''
''ہمیں کون سے کام کرنے تھے محترمہ!'' سرمد صاحب نے خوش گوار موڈ میں پوچھا۔
''شہیر کے گھر والے آئے ہیں۔''
دونوں بری طرح چونک گئے۔ پھر سرمد صاحب کے چہرے پر سلوٹیں ابھریں۔
''وہ لوگ دوبارہ کیوں آئے ہیں؟''

''مجھے کیا پتا۔ بھائی جان بلا رہے ہیں۔'' ثمینہ تیزی سے کہہ کر چلی گئیں۔
سرمد صاحب نے زوباریہ کو دیکھا۔
''ابو! وہ بار بار مجھ سے معافی مانگ رہا ہے۔ روز ہاسپٹل پھول بھجواتا ہے۔ لوگ مشکوک ہو رہے تھے۔ جان چھڑانے کو کہہ دیا کہ اس بارے میں ہر فیصلہ میرے پیرنٹس (والدین) کریں گے۔''
زوباریہ کے الفاظ سرمد صاحب کے دل میں گڑ سے گئے۔ کاش اس نے برسوں پہلے یہ الفاظ کہے ہوتے۔
''تمہارے علم میں تھا کہ یہ لوگ آئیں گے۔''
''مجھے علم نہیں تھا۔'' زیبی کا لہجہ بتا رہا تھا، وہ سچ کہہ رہی ہے۔
''مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔'' سرمد صاحب پزل سے ہو گئے۔
''جو آپ کو مناسب لگے۔''
یہ الفاظ کہتے زیبی الگ اذیت کا شکار ہوئی۔ کاش اس نے برسوں پہلے یہ الفاظ کہے ہوتے۔

☆☆☆

''مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی صائم!'' دونوں کاریڈور میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ سیماب کو گھر جانا تھا۔ صائم اسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔
''کس بات کی؟'' رتجگوں کا بوجھ اٹھاتی آنکھیں سرخی مائل تھیں۔
''بے ہوش ہونے سے پہلے بابا نے مجھ سے ایک بات کہی تھی۔''
فائقہ کو صائم سے کچھ منگوانا تھا، تب ہی اس کے پیچھے چلی آئیں۔
''انہوں نے مجھ سے کہا دو کناروں کو ملانے والا پل بننا۔''
''کیا مطلب؟'' فائقہ نے بے ساختہ پوچھا۔
''میری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آیا۔ صائم! تم بتا سکتے ہو مجھے کن دو کناروں کو ملانا ہے۔'' دونوں بازو سینے پر لپیٹے سیماب کے لہجے میں الجھن کے ساتھ ساتھ چبھن بھی تھی۔ صائم لاپروائی سے کندھے بھی نہ اچکا سکا۔
''ارے بیٹا! جو حالت تم بتا رہی ہو، اس میں کچھ بھی منہ سے نکل گیا ہوگا۔ تم ٹینشن مت لو۔ ابا ٹھیک ہو کر گھر آجائیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے۔''
فائقہ نے اسے پیار سے گلے لگایا۔
''تم بہت اچھی بچی ہو۔ تم نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔''
''محمود صاحب میرے لیے بہت اہم ہیں آنٹی! اور اللہ کا شکر ہے اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔''
''صائم! میں نے زوباریہ کو بتا دیا تھا کیونکہ بے ہوش ہونے سے پہلے انہوں نے آخری نام اسی کا لیا تھا۔''
فائقہ نے بوکھلا کر صائم کو دیکھا اور صائم نے فائقہ کو۔
''اب اس کی مرضی ملنے آتی ہے یا کال کرتی ہے۔''
صائم نے محض سر ہلایا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ گویا سیماب کو جانے کے لیے رستہ دیا تھا۔ سیماب، فائقہ سے مل کر چلی گئی، تب بت بنی فائقہ کے وجود میں جنبش ہوئی۔
''یہ..... یہ اس نے زوباریہ کا نام کیوں لیا؟''
فائقہ متوحش سی صائم کی طرف مڑیں۔
''اب دنیا میں ایک ہی زوباریہ تو نہیں ہے۔''
اب وہ ہسپتال کے کاریڈور میں کھڑا ان کے سوالوں کے کیا جواب دیتا، اس لیے رکھائی سے کہہ کر چلا گیا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ایک ہی زوباریہ تو نہیں ہے نا۔'' وہ خود کو تسلی دیتی بڑبڑائیں۔

☆☆☆

چائنیز رائس کی خوشبو سارے کچن میں پھیلی تھی۔اب وہ جلفریزی کے لوازمات نکال رہی تھی۔روشانے نے کچن میں داخل ہوتے ہی تعجب سے زیبی کو دیکھا۔جہاں سارا گھر الجھا، حیران، پریشان کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا وہاں یہ محترمہ مزے سے فرصت نکالے کھانا بنا رہی تھیں۔

''کیا سسرال جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟''

زوباریہ بغیر مڑے مسکرائی۔

''جب سسرال جانا نصیب میں ہوا تو وہاں کی تیاری بھی کرلیں گے۔ابھی تو پیاری بھانجی کی فرمائش پر کھانا بن رہا ہے۔اچھا یہ بتاؤ مجھے میں بریڈ رول بنالوں۔نور کھا تو لے گی۔''

''زوباریہ! اسے چھوڑو۔ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں؟''

روشانے نے جھنجلا کر اس کا بازو کھینچا۔شہیر کے والدین نے جس طرح معافی مانگی تھی، اس نے سب کو کنفیوز کر دیا تھا۔انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ سیکیورٹی کے لیے کچھ جائیداد زوباریہ کے نام کر دیں گے۔

(اور ایسا انہیں شہیر کے کہنے پر کہنا پڑا۔اکلوتی اولاد بھی آزمائش بن جاتی ہے)

اور رہا شہیر تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے تلخ الفاظ پر سب کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے۔

''مجھے احساس ہوا، مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوتی ہے۔جب میں ہر چیز کے لیے معافی مانگ کر پاک صاف زندگی گزارنا چاہتا ہوں تو میں زوباریہ سے یہ حق کیسے چھین سکتا ہوں۔''

اور اب یہ احساس اتنا اچانک اسے کیسے ہو گیا۔اس کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

''یار! کچھ تو بولو۔کچھ تو بتاؤ۔''

''روشانے! میں نے یہ حق ایک بار استعمال کیا تھا اور آج تک اس کا بھگتان بھگت رہی ہوں۔اب امی ابو کو فیصلہ کرنے دو۔مجھے پورا یقین ہے ان شاء اللہ، اللہ میرے حق میں بہتر فیصلے کرے گا۔''

اس کے لہجے کا سکون اور اطمینان روشانے کو لاجواب کر گیا۔

اور یہ تو زوباریہ جانتی تھی اس کے اندر کیا کیا جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے مگر وہ مہر بہ لب تھی۔قسمت کے فیصلے کی منتظر۔

''پتا نہیں۔لیکن وہ لڑکا میرے دل کو نہیں لگ رہا۔''

زوباریہ سب کو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی اور وہ دانیال جو اسے کسی بھی شخص کے ساتھ رخصت کرنے کو تیار تھا، اب تشویش سے کہہ رہا تھا۔

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' ساجدہ دل سے اس رشتے کی حامی تھیں۔

''اس سے پہلے انہوں نے جو کچھ بھی کہا، ہر وہ شخص کہے گا جسے زوباریہ کا ماضی پتا چلے گا۔''

زوباریہ نے اذیت سے لب بھینچ لیے۔

''اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ دوبارہ اتنی چاہت سے، اپنی غلطی کا احساس کر کے آئے ہیں۔'' زبیر صاحب کا ووٹ بھی حق میں کاسٹ ہو گیا۔

زوباریہ کا دم سا گھٹنے لگا۔

اس نے منہ کھول کر پورے زور سے سانس اندر کھینچی اور ساتھ ہی اللہ سے مدد مانگی۔

''یا اللہ! مجھے ہمت دے۔''

☆☆☆

ہلکی خنکی بھری رات کو دھند دھیرے دھیرے اپنے گھیرے میں لے رہی تھی۔ آسمان کی گود ستاروں کی غیر موجودگی سے بانجھ سی لگتی تھی۔ نم ہوا کی سرگوشیاں اور سرسراہٹیں شیشے کی نم آلود سطح کو چھو کر پلٹ رہی تھیں۔

اندر گرماہٹ تھی۔

باتوں کی حدّت اور خوش گپیاں۔

بہت خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا اور اب قہوے کا دور چل رہا تھا۔ مگر صائم اور سیماب کو کافی پینی تھی۔

''میں اکیلے نہیں بناؤں گی۔'' سیماب نے سرگوشی کے ساتھ پیر اس کے پیر پر مارا۔

''جاؤ، اس کی مدد کرواؤ۔ اسے کیا پتا، کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔'' فائقہ نے ان کی حرکت دیکھ لی تھی۔

''سب پتا ہے اسے، بہانے بنانی ہے۔'' صائم بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

محمود صاحب نے بے حد افسردگی سے انہیں جاتے دیکھا۔

بیماری نے انہیں بے حد خاموش اور سنجیدہ بنا دیا تھا۔

''بابا! آپ کو کچھ چاہیے؟'' فائقہ نے پوچھا تو وہ تڑخ کر بولے۔

''پہلے اس بڑھیا کے ہاتھ کا جو کڑوا قہوہ پیا ہے، اسے تو ہضم کرلوں۔''

کونے میں دبکے دونوں ہاتھوں میں قہوے کی پیالی تھامے بڑھیا جل بھن گئی۔

''ہائے ہائے۔ اس بیماری نے بابا جی کی زبان کو تو کچھ نہ کیا۔''

ستارہ نے انہیں فہمائش انداز میں گھورا۔ محمود صاحب مسکرائے۔

''آہ۔ ابھی زندہ ہیں۔ میں تو سمجھا، کونے میں بیٹھے بیٹھے گزر گئیں۔''

''گزریں ہمارے دشمن۔'' بوا جی نے دشمنوں کو جی بھر کے گھورا تھا۔

''تم آج مہمان ہو، کافی میں بناؤں گا۔'' صائم نے کچن میں داخل ہوتے ہی کہا تو سیماب مسکرا کر بیٹھ گئی۔

''ویسے بھی تم مجھ سے اچھی کافی بناتے ہو۔''

صائم نے کافی کا ڈبا کھولا۔ اور مگ میں نکالنے لگا۔

''انسٹنٹ نکال لو۔''

''نہیں۔ مجھے کافی پھینٹنا اچھا لگتا ہے۔'' صائم نے دودھ ابلنے کے لیے رکھا۔

سیماب کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔

''تمہاری ہر بات زوباریہ جیسی کیوں ہے؟''

''کیسے؟'' صائم نے بغیر چونکے پوچھا تھا۔

''اسے بھی کافی پھینٹنا اچھا لگتا تھا۔ اتنے انہماک سے کپ میں چمچہ چلاتی تھی کہ میں چڑ جاتی تھی۔'' ایسا کہتے ہوئے سیماب نے غور سے صائم کو دیکھا۔ کھل کر کہہ نہ سکی کہ جب تمہارے ساتھ ہوتی ہوں تو نہ جانے وہ کسی وہم کی طرح ہم دونوں کے بیچ کیوں آجاتی ہے۔ تمہاری حرکتیں، تمہاری پسند ناپسند..... ہر چیز میں وہ جھانکتی ہے۔ جیسے تم تم نہیں رہتے وہ ہو جاتے ہو۔

اسے بہت شدید سردی لگنے لگی تھی۔

شاید اس کی پشت پر کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا سیماب!'' صائم نے اسے باقاعدہ کانپتے دیکھا۔

''مجھے اپنی جیکٹ دے سکتے ہو۔ نجانے کیوں مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔''
صائم نے تیزی سے اپنی جیکٹ اس کے کندھوں پر رکھی۔ کچن کی کھڑکی بند کی۔
چولہا جلتا رہنے دیا اور گرم گرم کافی اس کے ہاتھوں میں تھمادی۔
سیماب نے دونوں ہاتھ مگ کے گرد رکھ کر اپنی کپکپی پر قابو پانے کی کوشش کی۔
''اندر چلیں۔'' وہ سیماب کو فکرمندی سے دیکھ رہا تھا۔ اور سیماب کو اس کی فکر اچھی لگ رہی تھی۔
''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' سیماب نے سبھاؤ سے پہلا گھونٹ بھرا۔
اسی لمحے اس کے موبائل پر میسج آیا۔
''صائم! زوباریہ کو روک لو۔ وہ جس سے شادی کا فیصلہ کرنے جارہی ہے۔ وہ کوئی اور نہیں شہیر ہے۔'' علی کا مختصر سا میسج۔
صائم کا رنگ اُڑ گیا۔
سوسائٹی میں شہیر کی ایکٹیویٹی کی خبریں گردش کرتی رہتی تھیں۔
کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں، میں ابھی آتا ہوں۔'' مگ رکھ کر موبائل اٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔
سیماب نے بھی بے دلی سے مگ رکھ دیا۔

☆☆☆

لاہور کے تاریک آسمان پر رات اور بادل باہم گھلے ملے سے تھے۔ شاید اماوس کی رات تھی یا چاند نے بادل اوڑھ لیے تھے مگر باہر گھپ اندھیرا تھا اور بارش کن من کن من ہونے لگی تھی۔
زوباریہ لمبل میں لپٹی شیشے کے پار اندھیرے میں نہ جانے کیا کھوج رہی تھی۔
تب ہی زوباریہ کا موبائل بجا۔
انجان نمبر تھا مگر اسے کال ریسیو کرنی تھی۔ وہ ڈاکٹر تھی اور کسی کے ساتھ کبھی بھی ایمرجنسی ہوسکتی تھی۔
''مریض محبت ہوں، کیا علاج ممکن ہے۔''
''سوری، میں دل کی ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' وہ چڑ گئی۔
''مس زوباریہ! کیا اب تک مجھے معاف نہیں کیا۔'' شہیر کے لہجے میں مایوسی در آئی۔
''شہیر صاحب! یہ فیصلہ میرے والدین کے ہاتھ میں ہے، میں کچھ نہیں کرسکتی۔''
سنجیدگی سے کہہ کر زوباریہ نے کال کاٹی اور آنکھیں موند لیں۔
تب ہی دوبارہ کال آنے لگی۔
زوباریہ نے بے حد جھنجلا کر کال ریسیو کی۔
''دیکھیں شہیر صاحب!''
''اچھا..... تو بات بھی شروع ہوگئی۔'' شہیر کے نام پر صائم سرتاپا سلگ گیا۔
زوباریہ تیزی سے سیدھی ہوئی۔
''تم..... کیوں کال کی ہے؟''
''تمہیں مبارک باد دینے کے لیے تو نہیں کی۔''
''تو کیا یہ بتانے کے لیے کی ہے کہ تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔''
''تمہیں اس شہیر کے لیے تو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' صائم نے دانت پیسے۔

"میں کسی کالے چور سے بھی شادی کروں، تب بھی تمہیں اس سے کوئی کنسرن نہیں ہونا چاہیے۔"
اشتعال کی لہر یوں اٹھی کہ زیبی نے کمبل اتار کر پھینک دیا۔
"تمہیں ساری دنیا میں وہی لڑکا ملا تھا۔"
"تمہیں بھی تو ساری دنیا میں سیماب ہی ملی تھی۔"
"زیبی! وہ اب تمہارے قابل نہیں ہے۔"
"میں اب کسی کے قابل نہیں ہوں۔"
"سارے زمانے میں بدنام ہے، تمہیں رول کرر کھ دے گا۔" زیبی کی ہٹ دھرمی نے صائم کے غصے پر برفیلا پانی انڈیل دیا تھا۔
"اچھا ہے نا، دو بدنام مل کر تھوڑی نیک نامی کمالیں گے۔"
صائم کو چپ سی لگ گئی۔
"صائم! تم میری فکر کرنا چھوڑ دو۔"
"زیبی! کب تک خود کو سزا دو گی۔" صائم کے لہجے میں بے بسی سی در آئی۔
"تم اس سے کہیں بہتر شخص ڈیزرو کرتی ہو۔"
"میں جو ڈیزرو کرتی تھی، مجھے مل گیا ہے۔" زیبی کا لہجہ مدھم ہوا۔ "اب بار بار مجھے تنگ نہ کرو، اپنی دنیا میں خوش رہو۔ مجھے اپنی دنیا بسانے دو۔"
"مت کرو زوباریہ! تم بہت پچھتاؤ گی۔"
زیبی نے نہ صرف کال کاٹی بلکہ موبائل بھی آف کر دیا تھا۔
صائم نے ایک گہری سانس کھینچی اور پلٹا۔
سامنے کھڑی سیماب کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
صائم کی جیکٹ پہنے اس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

"جب میں اسے چھوڑ چکی تو وہ میری جان کیوں نہیں چھوڑ رہا روشانے! میں تنگ آ گئی ہوں۔ وہ کیوں میرے بارے میں ہر خبر رکھتا ہے۔ زندگی میں سب کچھ ٹھیک کیوں نہیں ہو جاتا۔"
وہ روشانے کے سامنے بے ربط بولتے بولتے رو پڑی تھی۔
"اس نے ابھی تک سیماب سے منگنی نہیں کی۔ وہ اب بھی میرے پیچھے کیوں ہے۔"
اس کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی روشانے دم بخود سن رہی تھی۔
"وہ کہتا ہے شہیر اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ کبھی مجھے خوش نہیں رکھے گا۔ اسے کیا میں خوش رہوں نہ رہوں۔"
دروازے میں کھڑا دانیال دم بخود رہ گیا۔
وہ اس سے شہیر کے بارے میں ہی بات کرنے آیا تھا۔
"زوباریہ! اگر وہ سیماب سے شادی کرنا نہیں چاہتا اور اب بھی تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہے تو اس سے اچھی بات کیا ہوگی۔"
زوباریہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور دروازے میں کھڑے دانیال کو دیکھ کر پیلی پڑ گئی۔

☆☆☆

"کس سے بات کر رہے تھے؟"

''کسی سے نہیں۔'' صائم نے نظریں چرائیں۔
''جھوٹ مت بولو صائم! تم زیبی سے بات کر رہے تھے۔'' سیماب کا لہجہ سلگ اٹھا۔
''تمہارا وہم ہے۔'' وہ ٹال کر اس کے قریب سے گزرنے والا تھا کہ سیماب نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔
''ایک بار وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ صائم کو چھوڑ دو۔ آج تم اسے روک رہے ہو۔ کیا چل رہا ہے..... تم دونوں کے بیچ یہ کیسا کنکشن ہے۔''
''کچھ نہیں ہے۔'' صائم نے جھنجلا کر بازو چھڑایا۔
''جھوٹ مت بولو۔'' سیماب چلا اٹھی۔
''کیا بکواس ہے۔ اگر کہہ دیا کہ کچھ نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے۔ کیوں ہر بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو۔'' وہ بھی چیخ اٹھا۔
سیماب ششدر رہ گئی۔ وہ اس پر کیسے چلا سکتا ہے۔
صائم وہاں سے چلا گیا۔
سیماب نے اس کی پہنی جیکٹ اتار کر پورے زور سے زمین پر دے ماری۔

☆☆☆

ستارہ اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں۔ آخر ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ آئی۔ کسی سے ملے، کسی کو بتائے بغیر..... مگر سیماب کچھ بھی کہے بغیر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔
''میں نے کہا بھی تھا، آپ نہیں کر سکتیں تو میں بیٹیا کی شادی کی بات کر لیتی ہوں۔''
بوا کو لگتا تھا ہر فساد کی جڑ یہی شادی ہے جو ہو کے نہیں دے رہی۔
''میں وہاں شادی کی بات کرنے نہیں محمود صاحب کی عیادت کے لیے گئی تھی۔ اور سیدھی سی بات ہے۔ میری بیٹی مجھ پر بوجھ نہیں ہے جو میں خود سے اس کا رشتہ لے کر جاؤں۔''
ستارہ چڑ گئیں۔ بوا بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔
صائم نے اسے معذرت بھرے میسج کر دیے تھے مگر سیماب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نانا کی بیماری کی وجہ سے وہ ویسے بھی چھٹی پر تھا۔ اس لیے کئی دن سامنا ہی نہیں ہوا۔ وہ محمود صاحب سے فون پر بات کر لیتی تھی۔
پھر ایک دن آفس میں صائم کا استعفیٰ آ گیا۔
وہ جا رہا تھا اپنا آفس..... اور اس کا شہر چھوڑ کر۔
سیماب سن کر ہی ٹنڈ منڈ درخت ہو گئی۔
وہ جانے سے پہلے ہی اسے خزاں آشنا کر گیا تھا۔

☆☆☆

محمود صاحب دونوں ہاتھ لاٹھی پر رکھے اس پر ٹھوڑی ٹکائے گہری سوچ میں تھے۔ ان کی نظر دم توڑتی دھوپ پر تھی جو ان کے قدموں اور برآمدے کی سیڑھیوں پر پالتو بلی کی طرح لوٹ رہی تھی۔ اسی دھوپ میں صائم کا سایہ تھا جو ستون کے ساتھ ٹیک لگائے درختوں پر زرد ہوتے پتوں میں نجانے کیا تلاش کر رہا تھا۔
فائقہ کو اس منظر سے تکلیف ہوئی۔
وہ دیکھ رہی تھیں۔ نانا، نواسا ایک دوسرے سے بس ضرورتاً بات کرتے تھے ورنہ چپ سادھے ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھا کرتے۔

''فرنیچر بعد میں آجائے گا بس ضرور ی سامان سمیٹ لو صائم!''

وہ بھی محمود صاحب کا سامان سمیٹ آئی تھیں۔

محمود صاحب کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ آباد گھروں کو بند کر کے جانا آسان تو نہیں۔ کچھ دنوں میں یہاں دھول مٹی اڑنے لگے گی۔

یہ ہرا بھرا لان خزاں رسیدہ پتوں سے اٹ جائے گا۔

یہ ست رنگ پھولوں سے بھری کیاریاں اجڑ جائیں گی۔

''فائقہ! اس گھر کو کرائے پر چڑھا دینا۔ میں چاہتا ہوں یہ گھر آباد رہے۔''

''آپ جانا نہیں چاہتے؟'' فائقہ نے افسردگی سے انہیں دیکھا۔

''ہجرت تکلیف دہ ہے بیٹا! مگر مجبوری ہے۔''

''میں سامان سمیٹ لوں۔'' ستون کے پاس بت بنے صائم میں حرکت ہوئی۔

''سب کچھ سمیٹ لینا۔ تمہیں عادت ہے جہاں سے آتے ہو، وہاں نشانیاں چھوڑ آتے ہو۔'' محمود صاحب کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ انہیں اپنے بزدل نواسے پر ذرا پیار نہیں آتا تھا۔

صائم شاکی نظروں سے انہیں دیکھتا اندر چلا گیا۔

فائقہ نے سوچا۔ وہ گھر جا کر دونوں کو بٹھا کر بات کریں گی اور باقی کمرے دیکھنے چلی گئیں۔

☆☆☆

صائم نے سارا سامان نکال لیا تھا اور اس سامان کے نیچے بہت کونے میں ایک ڈبا تھا۔ پرانی یادوں...... پرانی محبت کی نشانیوں سے بھرا ڈبا...... صائم نے وہ ڈبا بیڈ پر رکھا اور ڈھکن کھول دیا۔ نشانیاں پرانی تھیں مگر بوسیدہ نہیں تھیں۔ جیسے کوئی انہیں پوری عقیدت اور خیال سے دھوپ لگوا تار ہا ہو۔

اور ان ہی میں وہ اٹوٹ تعلق نامہ تھا، جسے پرزہ پرزہ جوڑ کر رکھا گیا تھا۔ صائم نے اسے نکال کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔

☆☆☆

گھر میں کچھ غیر معمولی بات تو تھی۔ کچھ سامان بکھرا تھا، کچھ سوٹ کیس برآمدے کے کونے میں دھرے تھے۔ محمود صاحب تھک گئے تھے مگر وہاں سے اٹھنے کو تیار نہ تھے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگے تھے۔

''بابا!'' سیماب کی آواز پر وہ بند آنکھوں سے مسکرائے۔

''ملے بغیر جا رہے تھے۔'' سیماب نے شکوہ کیا۔

''آج نہ آتیں تو میں بلانے والا تھا۔'' انہوں نے آنکھیں کھول کر شفقت سے اسے دیکھا۔

''صائم نے ریزائن کر دیا۔'' اس نے شولڈر بیگ اتار کر میز پر رکھا۔ دفتر سے سیدھی آ رہی تھی، اس لیے تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

''دے دیا ہوگا۔'' انہوں نے مکھی اڑائی۔

''کبھی نہ آنے کے لیے جا رہے ہیں۔''

''جاؤ پوچھ لو۔'' انہوں نے اندر کی طرف اشارہ کیا۔

سیماب نے الجھ کر انہیں دیکھا اور نروٹھے پن سے بولی۔

''میں اس سے ملنے نہیں آئی۔''

''جاؤ بیٹا! اس سے پوچھ لو۔ وہ بزدل تو شاید ساری زندگی فیصلہ نہ کر پائے کہ اسے تمہارا ساتھ چاہیے یا زوبار یہ کا۔'' وہ یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے تھے۔

سیماب کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ تو سہارا فائقہ نے بھی دروازے کا لیا تھا۔
وہ خوف جو کچھ دنوں سے اس کے دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔
''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا! زوباریہ کہاں سے آ گئی؟''
''وہ گئی ہی نہیں تھی۔''

☆☆☆

صائم نے آہٹ پر سر اٹھایا۔
وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی پھر وہ پاس آئی۔ سامنے بکھری چیزیں دیکھیں۔ وہ چیخ چیخ کر گزری محبت کی داستان سنا رہی تھیں۔
''مجھے اس رستے پر مت لے کر جاؤ، جس پر میں چلنا نہیں چاہتا۔''
صائم نے اس سے التجا کی تھی۔
''تم کسی سے بھی شادی کر لو مگر صائم سے نہیں۔''
زیبی اس کے سامنے بلکتی رہی تھی۔
''میں خود کو محبت کے قابل نہیں سمجھتا۔ میں محبت نہیں کر سکتا۔''
وہ اس کا گریبان پکڑنا چاہتی تھی مگر نہیں پکڑ سکی۔
صائم نے سامنے پڑی اپنی اور زیبی کی تصویر پر ہاتھ پھیرا۔
''میں نے بہت کوشش کی، مگر خود کو تم سے محبت پر مجبور نہیں کر سکا۔ وہ میرے دل سے نکلتی ہی نہیں۔'' اس کے لہجے میں بے بسی سی بے بسی تھی۔
''تو چلی کیوں گئی؟'' سیماب نے خود کو بولتے سنا۔ ورنہ اسے تو لگا تھا وہ گونگی ہو گئی ہے۔
''تمہاری خاطر۔ اس نے کہا، وہ تمہیں زوباریہ بننے نہیں دے گی۔''
صائم نے اب چیزیں باکس میں رکھنی شروع کر دی تھیں۔
''وہ چاہتی ہے، میں اسے چھوڑ دوں۔'' سب سے اوپر نکاح نامہ تھا اور سیماب کی دھندلی ہوتی نگاہ نے اسے دیکھ لیا تھا۔
کیسا مضبوط رشتہ تھا ان دونوں کے درمیان۔
اور وہ کہاں کھڑی تھی۔
''میرے لیے..... ہے نا'' وہ پاگلوں کی طرح ہنسی۔
''سیماب!'' صائم ڈر گیا۔
''تم جیسے بزدل اور بے حس انسان کے منہ سے میں اپنا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ تم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ اپنی بیوی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے۔''
وہ لفظوں کے تیر چلاتی، نفرت سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔
وہ جیسے ہکا بکا اسے جاتے دیکھتا رہا۔
''میری بیوی۔'' صائم بڑبڑایا۔ اس کے اور زوباریہ کے درمیان ایک رشتہ ایسا تھا کہ وہ ہزاروں کے سامنے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تو کوئی اسے پوچھنے والا نہ تھا۔
اسے پہلی بار اس رشتے کی مضبوطی کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

پتا نہیں گھر میں کیا ہو رہا تھا۔ سب کمرہ بند کر کے لمبی لمبی میٹنگز کرتے۔
کبھی الجھتے..... کبھی لڑتے تو کبھی ایک دوسرے کو سمجھانے بیٹھ جاتے۔
شہیر کی طرف سے بھی راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔
''آخر سب لوگ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔'' زوباریہ جیسے سولی پر ٹنگی تھی۔ اس لیے جھنجلا گئی۔
''کیا یہ اتنا آسان ہے۔'' آٹا گوندھتی روشانے نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔
''مشکل سے ہی نکلنا چاہتی ہوں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے۔''
''باہر لان میں چلی جاؤ۔'' روشانے نے معصومیت سے مشورہ دیا۔ زوباریہ جھنجلا کر باہر آ گئی۔ پھر دوسرا عجیب سلسلہ شروع ہوا۔ ساتھ والے گھر کی مرمت شروع ہو گئی۔
سارا دن مزدور، مستری، نیا فرنیچر، کوئی آ رہا تھا، کوئی جا رہا تھا۔
''امی! ساتھ والے گھر میں نئے لوگ آ رہے ہیں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''پتا نہیں، نئے ہیں یا پرانے۔ ہمارے تو اپنے بکھیڑے ختم نہیں ہوتے۔''
وہ الگ جھنجلائی پھرتی تھیں۔
سب کے رویے دیکھ کر زیبی نے چپ ہی سادھ لی۔
''جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

☆☆☆

''سیما!'' وہ پرندوں کے پاس جھولے پر خاموش بیٹھی تھی۔ سفید طوطی نے انڈے دیے تھے۔ وہ اپنے مٹی کے گھر سے باہر ہی نہ نکلتی۔
''جی۔''
''اتنی چپ نہ رہا کرو۔'' اس کی حالت دیکھ کر ستارہ کو دکھ ہوتا۔ اگرچہ وہ بہادر تھی اور خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔
''اب اتنی چپ تو میرا حق بنتا ہے نا اماں!'' وہ مضمحل سا مسکرائی۔
''میں بابا کو بہت مس کرتی ہوں۔ اس گھر کے سامنے سے گزرتی ہوں تو بالکل اچھا نہیں لگتا۔''
''صائم کو یاد نہیں کرتیں؟''
''اسے یاد کر کے کیا کروں گی؟'' سیماب نے سادگی سے کہا۔ ''وہ شخص میرے معیار کا ہی نہیں تھا، جس مرد میں جرأت نہیں وہ مجھے مرد ہی نہیں لگتا۔''
''میں نے زیبی سے پوچھا بھی تھا۔''
''اس نے ہمیں دھوکا دیا تھا۔'' سیماب کا لہجہ تیز تھا اور انداز تیکھا۔ ''میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اسے مجھے بتانا چاہیے تھا۔''
''ٹھیک کہا..... کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کیا ہو جاتا۔''
''اماں!'' ہلکی سی خاموشی کے بعد سیماب نے اچانک پکارا۔
''لاہور چلیں۔''
ستارہ نے بے چین ہو کر اسے دیکھا۔ ''کیوں؟''
''مجھے دو کناروں کو ملانے والا پل بننا ہے۔ کسی کی نصیحت ہے۔''

☆☆☆

نائٹ شفٹ کے بعد وہ گھر آئی تھی۔ سارے گھر میں کھانے کی ملی جلی خوشبو تھی۔ جیسے دعوت کا اہتمام ہو۔

وہ سب کی نظر بچا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے دیکھ کر اس کے بیڈ پر نیم دراز سیماب سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
''سیماب تم.....'' زوباریہ ہکا بکا تھی۔
''کیوں..... میں تمہارے گھر نہیں آ سکتی؟''
''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' زوباریہ سنبھل گئی۔
''میں تمہارے روم میں ٹھہروں گی۔ تم اپنا بالکونی والا کمرہ واپس لے سکتی ہو۔'' اس نے بے نیازی سے کہہ کر دوبارہ موبائل اٹھا لیا۔
''وہ تو کوئی بات نہیں۔ مگر تم کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟''
پتا نہیں کیوں مگر وہ سیماب کے رویے پر الجھ سی گئی تھی۔
''شادی تک تو رکوں گی۔''
''کس کی شادی؟''
''تمہاری اور کس کی۔''
زوباریہ بت سی بن گئی۔ اس کی شادی بھی طے ہو گئی اور کسی نے اسے بتایا تک نہیں۔
''تم نے صائم کے بارے میں نہیں پوچھا۔'' سیماب نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔
''زہے نصیب!'' صائم نے کہا۔ صائم کی آواز سنتے ہی زوباریہ کا دماغ الٹ گیا تھا۔
''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''
''اپنے گھر میں آنے کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت تو نہیں۔''
زوباریہ تیزی سے پلٹی۔
بالکونی اس کے وجود سے آباد ہو گئی تھی۔ ایک ہاتھ ریلنگ پر رکھتے صائم نے کال کاٹ دی۔ کان میں بجتی ٹوں ٹوں کی آواز پر زوباریہ ہوش میں آئی۔
''کیسی ہو؟'' صائم کی نظریں ''بہاروں پھول برساؤ، میرا محبوب آیا ہے'' جیسی تھیں۔
''تم نے سیماب کو سب بتا دیا۔ کس قدر گھٹیا انسان ہو۔''
''اسے سب معلوم ہو گیا تھا۔''
''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''
''صرف صائم نے نہیں، تم نے بھی جھوٹ بولا تھا۔'' سیماب اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔
''تم دونوں ایک جیسے بزدل اور کم ہمت ہو۔''
''سیما.....'' زوباریہ نے تڑپ کر کچھ کہنا چاہا۔
''تم اس شخص کو میرے لیے چھوڑنے کو تیار ہو گئیں۔ ایک بار بھی نہیں سوچا، میں کیسے کسی ایسے شخص کے ساتھ گزارا کر سکتی تھی؟ جس کے دل میں کوئی اور بستا ہو۔ تصور کرو، ہماری شادی شدہ زندگی کیسی ہوتی؟ وہ دیکھتا مجھے اور سوچتا تمہیں..... میری ہر حرکت، ہر بات، ہر لباس میں وہ تمہیں تلاش کرتا۔ بولو زوبی! کیا میں ایسی زندگی ڈیزرو کرتی تھی۔''
''ہمارا ملن ممکن نہیں ہے سیما!'' زوباریہ بے بسی سے رو پڑی۔ ''دونوں گھر کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔''
''تو پھر دو فیملیز ایک ہی چھت کے نیچے اکٹھی کیوں ہو گئی ہیں۔''
سیماب کی بات سمجھنے میں زوباریہ کو چند لمحے لگے۔
اس نے بے یقینی سے صائم کو دیکھا۔
صائم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

''یہ ممکن نہیں۔'' زوباریہ نے تیزی سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں اپنے رشتے دوبارہ نہیں کھو سکتی۔''
وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔
''تم نے دیکھا، اس نے آج بھی مجھ پر اپنے رشتوں کو ترجیح دی۔'' صائم نے افسردگی سے کہا تو سیماب اس پر چڑھ دوڑی۔
''ہم لڑکیوں کے دکھ تم کیا جانو۔ بزدل اور کم ہمت انسان! جب سیدھے رستے سے لے جانے کی ہمت نہیں ہوتی تو چور رستے ڈھونڈتے ہو۔''
''سوری.....'' صائم نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

☆☆☆

کمرے میں سب ہی موجود تھے۔ سرمد صاحب، ثمینہ، زبیر صاحب اور ساجدہ ..... روشانے اور دانیال..... اور وہ فائقہ اور ابراہیم..... اور ان سب کے درمیان..... سفید سوٹ اور سفید بادل جیسے بالوں کے ساتھ محمود صاحب وہ جب بولتے تو سینکڑوں اسٹوڈنٹ منہ کھولے ان کی بات سنا کرتے تھے۔ جنبش کرنا یاد آتا تب ہی منہ بند کرتے۔ اب بھی وہ بول رہے تھے۔ دھیمے لہجے میں ان کی بات دلوں میں اتر رہی تھی۔
''وقت بھی تو بدل گیا ہے۔'' دانیال نے پہلو بدلتے ہوئے سوچا۔ نام نہاد، انا، عزت و غیرت کے بت پاش پاش ہو چکے تھے۔
''یہ تو بچے ہیں، غلطیاں تو کریں گے۔ بڑا پن تو ہم نے دکھانا ہوتا ہے۔ سختی معاملات کو سلجھاتی نہیں اور بگاڑتی ہے۔''
''یہ بچے معاملات کو اس رخ پر لے آئے تھے کہ.....'' زبیر صاحب نے تاسف سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''کیا کچھ نہیں گزری دونوں گھرانوں پر۔ تب ہی تھوڑی لچک دکھا دی ہوتی، دونوں کی منگنی کر دیتے تو اتنے سالوں میں یہ بھی ایک دوسرے کو پرکھ لیتے۔ ساتھ رہنا ہے یا راستے الگ کرنے ہیں، فیصلہ وقت پر چھوڑ دیتے۔'' محمود صاحب نے رسانیت سے کہا۔
''نہیں بابا۔'' وہ جھکے سے سب کے درمیان چلی آئی۔ ''ہمارے گھر والوں کا کوئی قصور نہیں۔ ہم جلد باز تھے۔ ہم نے وقت کے فیصلے کا انتظار نہیں کیا۔ میری سمجھ میں آ گیا ہے، ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ہم نے صحیح وقت کا انتظار نہیں کیا۔''
''ابو.....'' وہ آ کر ان کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ ''انہیں میں نے نہیں بلایا۔ خدا کی قسم..... مجھے کسی بات کی خبر نہیں۔ میں دوبارہ آپ کو دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ فیصلہ آپ کا ہوگا، آپ بے شک انہیں جانے کا کہہ دیں۔ مجھے تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا..... مجھے ایسے کسی رشتے کی ضرورت نہیں جس کے پیچھے مجھے اپنے سارے رشتے چھوڑنے پڑیں۔''
وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی۔
سب کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔
''یہی تو مسئلہ ہے۔ جب انگلی پکڑنے کا وقت تھا، تب تم نے فیصلے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا..... آج فیصلے کا اختیار تمہارے پاس ہے تو میری انگلی پکڑ رہی ہو۔''
سرمد نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔
زوباریہ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔
''بولو بیٹا! صائم کا ساتھ قبول ہے؟'' باپ پوچھ رہا تھا۔

''بولو بیا! ہم پورے عزت واحترام کے ساتھ تمہیں اپنے گھر لے کر جائیں گے۔'' ابراہیم نے ہمت بندھائی۔
اس نے گردن موڑ کر سب کو دیکھا۔ سب کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔
''ان بچوں نے بہت تکلیفیں دیکھی ہیں، دونوں گھرانوں نے بہت اذیتیں سہی ہیں۔ بس اب ختم کردیں۔ نفرتوں کو دفن کردیں۔ یہ بچے اپنی سزا بھگت چکے، انہیں معاف کردیں۔'' محمود صاحب نے یہاں آنے سے پہلے فون پر کہا تھا۔
سرمد نے زوباریہ کے کپکپاتے لب دیکھے۔
خوف اب بھی اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔
کہیں ایک ''ہاں'' پھر سے سب برباد نہ کردے۔
انہوں نے پیار سے زوباریہ کی پیشانی چومی۔
''آپ کی امانت ہے، جب دل چاہے لے جائیں۔''

☆☆☆

زوباریہ بے یقین سی خوشی کے ساتھ باہر آئی تھی۔ قدم زمین پر نہیں، بادلوں پر دھرے تھے مگر سیماب کو دیکھ کر اس کی ہر خوشی نے اداسی کا رنگ اوڑھ لیا تھا۔ جیسے ایک اور زوباریہ اس کے سامنے کھڑی ہو۔
سامنے آئینہ تھا، جس میں وہ اپنا آپ دیکھ رہی تھی۔
مگر نہیں، وہ سیماب تھی۔ اس نے پورے وقار کے ساتھ خود کو اس ٹرائی اینگل سے الگ کرلیا تھا۔ اس محبت کا کیا فائدہ، جو ساری زندگی کے لیے اذیت میں مبتلا کردے۔
''کیا ہوا؟ گلے نہیں لگو گی۔'' سیماب نے مسکرا کر پوچھا۔
''یاد ہے، تم صائم کی خاطر مجھ سے لڑ پڑی تھیں۔ اب اتنی آسانی سے کیسے دست بردار ہوگئیں۔'' زوبی اس کے پاس آئی۔
''پگلی! ایک بار تو کہتیں، وہ تمہارا صائم ہے۔ پھر دیکھتیں، سیماب تمہارے لیے کیا کرتی ہے۔ تب مجھے لگا تھا تم مجھ سے صائم کو چھین رہی ہو۔ وہ تو بعد میں پتا چلا، غاصب تو میں بن گئی تھی۔'' وہ زوباریہ کے گلے لگ گئی۔
وہ زوباریہ کا ہاتھ پکڑ کر بالکونی میں لے آئی۔
انہوں نے جان لیا تھا۔ محبت جیسا پیار اجذبہ برا نہیں ہوتا۔
برا وہ عمل ہوتا ہے جو اس کو پانے کی بے تابی اور بے صبری میں ہم اختیار کرتے ہیں اور نجانے کتنی محبتوں کو اپنے قدموں تلے روندتے چلے جاتے ہیں۔
وقت سے پہلے کیے گئے فیصلے تتلی کے کچے رنگوں جیسے ہوتے ہیں۔
انگلیوں کی پوروں پر اترتے اور بکھرتے ہیں۔
ایک وقت آتا ہے جب فیصلوں کا اختیار آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔
اور وہی وقت ہوتا ہے محبت کی جیت کا..... پیار کے رنگوں سے کھیلنے کا..... پیار جو تتلی کے پروں کا سا نازک اور دل نشین ہوتا ہے۔
لاہور کا آسمان بادلوں سے بھرا تھا اور بالکونی میں پیار کے رنگ برس رہے تھے۔

شازیہ جمال طارق

ستاروں والا جوڑا

وسیع و عریض کچے صحن پر مشتمل پرانی طرز پر بنا یہ گھر رافیہ کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ دادی نے اسے کھانا پکانے سے لے کر سینے پرونے تک ہر کام میں طاق کر دیا تھا۔

بستر کی چادروں، تکیے کے غلاف، میز پوش وغیرہ پر ایسے خوشنما نفیس پھول کاڑھتی کہ دادی کو اپنا سکھایا سود سمیت وصول ہوتا محسوس ہوتا۔

اس کے ہاتھوں سے کاڑھی کروشیے کی بیل والا سفید دوپٹا اماں آس پڑوس، خاندان برادری میں آنے جانے پر بہت شوق سے ہر پھول دار جوڑے کے اوپر اوڑھ لیتیں۔

دادی کو رافیہ میں اپنا عکس نظر آتا۔ معاملہ فہم، بردبار اور حد درجہ سعادت مند۔ شعور اور جوانی کی دہلیز پر اس کے قدم پڑتے ہی خاندان، برادری سے اس کے لیے بیاہ کے پیام آنے لگے۔ ساجدہ پھپھو نے بھی اپنے بڑے بیٹے اشفاق کے لیے جھولی پھیلا دی۔

لمبی سوچ بچار میں پڑنے کے بجائے حقہ گڑگڑاتے ابا نے اسی شام جھولی پھیلائے بیٹھی بہن کو بامراد لوٹا دیا۔

البتہ ہاں کہنے سے پہلے ماں اور بیوی کی طرف ضرور دیکھا تھا۔ دونوں کے چہرے پر خوشی اور رضا مندی کے رنگ ایک ساتھ نظر آئے تھے۔

برآمدے کے پلر کے اوٹ میں چھپی رافیہ کا چہرہ قوس قزح کے رنگوں سے سج گیا تھا۔ منہ میں انگلی دبائے وہ اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

الیف آئے پاس گندمی رنگت، کسرتی جسم کا مالک اشفاق شہر میں ماچس بنانے کی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ ہر مہینے تنخواہ ملتے ہی گاؤں جانے والی پہلی بس پکڑتا۔ بس چار گھنٹوں کا سفر طے کرتی منہ اندھیرے اسٹیشن پر جا رکتی۔ کھیتوں، کھلیانوں سے گزر کر، کچے پکے راستوں پر چلتے اپنے گھر کے بڑے سے لکڑی کے دروازے پر ہر دفعہ اسے اپنی ماں، بہنیں منتظر کھڑی ملتیں۔ اس کی ساری تھکاوٹ پل بھر میں اتر جاتی۔

شام کو وہ نہا دھو کر ماموں، ممانی کو سلام کرنے جا پہنچتا۔ جہاں شرمیلی سی رافیہ کی ایک جھلک اسے اندر تک سرشار کر دیتی۔ اس کا من موہنا سا روپ واپسی کے سفر میں اشفاق کے لیے زادِ راہ بن جاتا۔

اس بار وہ چھٹی پر گھر آیا تو ماں نے رافیہ سے اس کا رشتہ پکا ہونے کی نوید سنائی۔ اس کی بہنیں کچے صحن میں بھائی کے سہرے کے پھول کھلنے کے گیت گاتیں، گول دائرے میں تالیوں اور چٹکیوں سے رقص کرنے لگیں۔ انہیں رافیہ اپنی بھابھی کے روپ میں دل و جان سے پسند تھی۔

☆☆☆

اماں نے بڑے کمرے میں نواڑی پلنگ کے نیچے رکھا جست کا بکسہ احتیاط سے کھینچ کر باہر نکالا۔ جو اس کے جہیز کے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہرے، لال، نیلے، زرد رنگ کے ریشمی سرسراتے اور ہاتھوں سے پھسلتے سلک کے جوڑے۔

اماں اور دادی ایک ایک جوڑا پھیلاتیں، تبصرہ کیے جاتیں۔ سارے جوڑوں کے دوپٹے نکال کر الگ رکھے۔ شادی میں گنے چنے دن رہ گئے تھے۔ نیم کی گھنی، ٹھنڈی چھاؤں تلے بیٹھ کر ان دوپٹوں پر گوٹا کناری لگاتے، کرن ٹانکتے رافیہ اور اس کی بچپن

کی سہیلی پروین دنیا جہاں کی باتیں کیے جاتیں۔

یہ اس کے کنوارے ارمان تھے جو وہ اپنے ہاتھوں سے سجا رہی تھی۔

رواج کے مطابق بارات سے ایک دن پہلے اسے زرد دوپٹا اوڑھا کر کمرے کے کونے میں گدے پر بٹھا دیا گیا، دائیں بائیں سہیلیوں کا جھرمٹ تھا۔ دلہن کے کمرے میں پتوں والی مہندی اور ابٹن کی مخصوص مہک پھیلی ہوئی تھی۔ تب ہی ڈھول ڈھمکوں کے ساتھ دلہا والیاں ''مینڈھی کھولنے'' آ گئیں۔ باہر کھلے صحن میں اس کے جہیز کا سارا سامان ترتیب سے سجا دیا گیا تھا۔ پیٹی، بکسے، فرشی پنکھا، آٹے کا کنستر، رنگین پائیوں والی چوکیاں، لکڑی کی میز، کرسیاں، پلنگ اور سنگھار میز وغیرہ۔ برادری کی خواتین اٹھ اٹھ کر جہیز کا سامان دیکھتیں اور رافیہ کے

اچھے نصیب کی دعا کرتیں۔

رواج کے مطابق دولہا کی چاروں بہنوں نے اس کے جہیز کے جوڑوں میں سے چار جوڑے چن کر اپنی پسند کے اٹھا لیے اور ایک ایک جوڑا اپنے سر پر رکھ کر ڈھول کی تھاپ پر رقص کرنے لگیں۔ ہر طرف تالیوں اور چٹکیوں کی جھنکار تھی۔

☆☆☆

دولہا والیوں کے رخصت ہوتے ہی جہیز کا سارا سامان سمیٹ دیا گیا۔ آج رات کو ہی محلے، برادری کے لڑکوں نے یہ سارا سامان ساجدہ پھپھو کے گھر لے جا کر رافیہ کے کمرے میں سیٹ کرنا تھا۔ باہر یہی اٹھا پٹخ مچی ہوئی تھی۔

رافیہ نے ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے پیچھے تکیے سے ٹیک لگائی۔

"توبہ ہے رافیہ! تمہاری نندوں نے چن کر اچھے اور خوب صورت جوڑوں پر ہاتھ مارا ہے۔"

پروین کی بات پر رافیہ سیدھی ہو بیٹھی۔ "نہ کر۔"

"قسم لے لے۔" پروین اس کے قریب گدے پر بیٹھ گئی۔ "جامنی مقیش والا بڑی شبانہ نے اٹھا لیا۔ لال گوٹا کناری والا ریحانہ نے، جالی کے دوپٹے والا عمرانہ نے اور سب سے پیارا جو تجھے پسند تھا سفید شیشوں کی کڑھائی والا چھوٹی فرزانہ نے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ یاد ہے اس کے ڈیزائن پر ہم دونوں نے مل کر کتنا دماغ کھپایا تھا اور شیشے لگاتے لگاتے تو میری انگلیوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔"

زرد دوپٹے کے ہالے میں رافیہ کا چہرہ بھی زرد ہونے لگا۔ اسے اپنے جہیز کے یہ چاروں جوڑے ہی بہت پسند تھے اور چاروں ہی اس کی نندیں لے جا چکی تھیں۔

یہ رواج ان کے ہاں نانیوں، پرنانیوں کے دور سے چلا آ رہا تھا کہ دلہن کے جہیز کے کپڑوں میں سے دولہا کی بہنیں شگن کے طور پر اپنی اپنی پسند کا ایک جوڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھتیں اور خوشی سے رقص کرنے لگتیں۔ دلہن منہ سے کچھ نہ کہہ پاتی لیکن اندر سے دل مسوس کر رہ جاتی۔ اس وقت رافیہ کے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔

نندوں کی طرف سے دل ایک دم میلا ہو گیا تھا اور بھی تو اتنے سارے جوڑے تھے۔ لازمی انہوں نے یہی اٹھانے تھے۔

تجمہ پڑے سے کٹورے میں مہندی گھول کر لے آئی تھی اور اب اس کی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی پوروں پر احتیاط سے مہندی لگانے لگی۔ دونوں پاؤں کے نیچے تلوؤں پر پروین مہندی سے لیپ لگانے لگی۔ رافیہ نے آنکھیں موند لی تھیں۔ تصور میں پھر سے وہی جوڑے لہرانے لگے تھے۔

☆☆☆

دلہن بن کر وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ کھلے صحن میں ٹینٹ لگا کر نیچے زمین پر دریاں بچھا دی گئیں۔ کہیں پاؤں پسار کر، کہیں پھسکڑا مار کر برادری کی عورتیں ٹولیوں کی صورت بیٹھ گئی تھیں۔ کچھ نوخیز فیشنی کنواری لڑکیاں، بال کھلے چھوڑے، ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے یونہی ہنستی مسکراتی گھوم رہی تھیں۔ درمیان میں میراثن ڈھولکی بجاتی شادی بیاہ کے روایتی گیت گا رہی تھی۔ اس کی جھولی "ویل" (وارے گئے پیسوں) سے بھرتی جا رہی تھی۔

دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھانے کا کوئی رواج ابھی ان کے ہاں وجود میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ نکاح کے بعد دولہا، شہ بالے کے ساتھ سلامی کے لیے اندر آیا تھا۔ ایک کے بعد ایک نوٹوں کے ہار اس کے گلے میں ڈالے گئے۔ سلامی کے بعد دولہا چلا گیا تو سہیلیوں کے جھرمٹ میں گھری رافیہ کو باہر کرسی پر لا کر بٹھا دیا گیا۔

وہ نظریں جھکائے یوں ساکت و صامت بیٹھی تھی کہ گویا منگنی کا مجسمہ بات کرنا، مسکرانا تو درکنار محض نظر اٹھانا بھی بے حیائی کے زمرے میں شمار کیا جاتا ان دنوں دلہنیں شرم و حیا کا پیکر ہی ہوا کرتی تھیں۔

"پورے گیارہ تولے سونا چڑھایا ہے اپنی بہو کو۔ میں نے کہا گلوبند، جھمکے، کڑے، نتھ، جھومر، ٹیکا ایک گہنا بھی کم نہ ہو۔"

پنڈال میں دلہن کی خوب صورتی، شادی کے جوڑے، گہنوں کی تعریف وصول کرتی ساجدہ پھپھو مسکراتے ہوئے فخر سے کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆

مغرب کی نماز کے فوراً بعد رخصتی کا شور مچ گیا۔ ابا، ساجد بھائی، چاچے، مامے وغیرہ سب دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر رخصت کرنے کمرے میں جمع ہوگئے۔ کمرے میں بلا کی خاموشی تھی۔ پروین گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے مہندی سے رچے پیروں میں سرخ سینڈل پہنانے لگی۔ ابا اور بھائی نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ لرزتی، کانپتی رافیہ ماں اور دادی سے لپٹ گئی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ کونے میں دبکی کھڑی پروین اور نجمہ کی دبی دبی سسکیاں بلند ہونے لگی تھیں۔

اشفاق کے ساتھ ہی فیکٹری میں کام کرنے والا اس کا گہرا دوست عصمت اپنے بہنوئی سے کار ادھار مانگ کر لے آیا تھا۔ دو گھنٹے لگا کر کاغذی رنگ برنگے پھولوں سے سفید پرانے ماڈل کی کار کو خوب سجایا۔

رواج کے مطابق بڑے ماموں نے رافیہ کو اٹھایا اور گٹھڑی بنی رافیہ کو کار میں بٹھا دیا اور یوں بابل کا انگنا چھوڑ کر رافیہ اگلے گھر رخصت ہوگئی۔

☆☆☆

شادی سمندر پار ہو یا دیوار پار۔ لڑکی کے لیے اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھالنا آسان نہیں ہوتا۔ کہنے کو تو اس کی شادی سگی پھپھو کے گھر ہوئی تھی۔ ایک ہی گلی میں چار گھر چھوڑ کر جن کا گھر تھا۔ جہاں وہ بچپن سے آتی جاتی رہی تھی۔ لیکن اب بھی بہت کچھ ایسا تھا جو اس کے لیے نیا تھا۔

اشفاق کی محبت کے سنگ اس کی ہر صبح اجلی، ہر شام معطر تھی۔ اشفاق نے دو ہفتے کی چھٹی لے لی تھی اور یہ دو ہفتے دعوتوں میں ہی گزر گئے۔ ان کے ہاں دعوت میں صرف دولہا دلہن کو نہیں بلکہ سارے گھر والوں کو مدعو کیا جاتا۔

چاروں نندیں اسے سجانے سنوارنے میں مدد کی غرض سے سر شام ہی اس کے کمرے میں آجاتیں۔ بری میں دیا جانے والا ''بیوٹی باکس'' کھول کر میک اپ کا سامان اشتیاق سے دیکھنے بیٹھ جاتیں۔ کبھی سنگھار میز کے شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر بال بنانے لگتیں۔

رافیہ چھوٹے دل کی نہیں تھی۔ نہ ہی دلوں میں کدورت رکھنے کی قائل تھی۔ لیکن اپنے جہیز کے ان چاروں جوڑوں میں سے کسی ایک کو نند کو پہنے دیکھ کر اس کے دل سے ہوک سی اٹھتی۔

☆☆☆

اشفاق کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں۔ اس بار دروازے پر رخصت کرنے اس کی ماں، بہنوں کے ساتھ رافیہ بھی موجود تھی۔ آنکھوں میں در آئی نمی روکنے کے لیے بار بار پلکیں جھپکاتی۔

اشفاق نے جاتے سے جس محبت اور نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا تھا اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ سہانی شاموں، بھیگی مہکتی راتوں کا فسوں ٹوٹنے لگا تھا۔

پھپھو اب پھپھو کم، ساس زیادہ تھیں۔

رافیہ نے از خود گھر کی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ بڑی نند شبانہ کی بات پکی ہوگئی تھی، اگلے مہینے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی۔ اس کے حصے کے سارے کام رافیہ نے اپنے ذمے لے لیے۔ ویسے بھی شبانہ اس گھر میں چند دنوں کی مہمان تھی۔ ان ہی دنوں رافیہ کو امید سے ہونے کی خوش خبری ملی۔ اشفاق کو پتا چلا تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا مٹھائی کے ٹوکروں سمیت پہنچ جائے۔ لیکن ابھی اتنی جلدی چھٹی ملنا مشکل تھی۔ ماں نے بھی کہا چھٹیاں بچا کر رکھو۔ بہن کی شادی پر ہی آنا۔

گری گری طبیعت کے باوجود رافیہ شادی کے کام نپٹاتی رہی۔ مبادا پھپھو کے تیور بگڑ جائیں۔

☆☆☆

شبانہ کے جہیز کا سامان کھولا جا رہا تھا۔ رافیہ کی ماں اور دادی بھی ہاتھ بٹانے کی غرض سے آگئی تھیں۔ نئی نکور رضائیوں کو دھوپ لگوا کر شنیل کے استر چڑھائے گئے۔

آخر میں کپڑوں سے بھرا بکسا کھولا گیا۔ شبانہ

خود سینے پرونے میں ماہر تھی۔ اپنے جہیز کے جوڑوں پر دل وجان سے کشیدہ کاری کی۔ ستاروں والا جھلمل کرتا آتشی گلابی جوڑا دیکھ کر بے ساختہ رافیہ کے منہ سے نکلا۔ ''اف اللہ! اتنا پیارا جوڑا۔''

ہاتھ میں لے کر اس کا جھلملاتا دوپٹا پھیلایا۔

''شبو نے پورے چھ مہینے تو اس کے ستارے ٹانکنے میں لگادیئے تھے۔ کہیں بھی کوئی جگہ خالی نہ ہو۔'' عمرانہ بتارہی تھی۔ رافیہ نے توصیفی انداز میں سر ہلایا۔

''شبو! جب تم مکلاوے پر آؤ نا تب یہ والا جوڑا پہننا۔ قسم سے، بہت اٹھے گا تم پر۔'' رخسانہ نے احتیاط سے دوپٹا تہہ کرتے ہوئے بہن سے کہا۔

''نہ نہ..... میں تو کہتی ہوں بڑے چاچا کے گھر دعوت پر سب جمع ہوں گے، وہاں یہ پہن کر جانا۔ سب دیکھتے رہ جائیں گے۔'' فرزانہ نے اپنی رائے دی۔ شبانہ نے جھینپ کر سر جھکالیا۔

''اے بس بھی کرو۔ اس کے جہیز میں اور جوڑے کیا کم خوب صورت ہیں جو ایک کے ہی پیچھے پڑ گئی ہو۔ زاہدہ بھی تو بری میں ایک سے بڑھ کر ایک کامدار جوڑا رکھے گی۔ دیکھا نہیں ہے وہ اور اس کی بیٹیاں ہر موقع پر کیسے مہنگے اور فیشنی جوڑے پہنے ہوئے ہوتی ہیں۔''

پھپھو کی بات پر سب نے تائید اً سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

شادی کے بعد جب شبانہ کو پتا چلا کہ اس کا وہ آتشی گلابی ستاروں والا جوڑا اس کی بڑی نند صفورا آپا نے اٹھا لیا تھا تو اسے شدید قسم کا دھچکا لگا۔ چھوٹی دونوں نے بھی جو جوڑے اٹھائے تھے وہ بھی اسے کم پیارے نہیں تھے لیکن وہ ستاروں والا جوڑا۔

غم وغصے سے شبانہ کا برا حال تھا۔ مکلاوے پر اس نے وہی جوڑا پہن کر جانے کا سوچا ہوا تھا۔ دروازے کی طرف پشت کیے اپنے نواڑی پلنگ پر دونوں ٹانگیں لٹکائے وہ غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ دونوں نندیں اسے تیار کرنے کی غرض سے آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ پیٹی پر جہیز اور بری کے کپڑوں والے دونوں بکسے ترتیب سے رکھے تھے۔

ذکیہ نے بری والا بکس کھسکا کر کھولا اور گہرا نیلا زری کے کام والا جوڑا اس کے پہننے کے لیے باہر نکالا۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو بھابھی؟ تیار نہیں ہونا کیا؟'' صفیہ نے اسے یوں ٹس سا بیٹھا دیکھ کر کہا۔

شبانہ پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں یہ جوڑا نہیں پہنوں گی۔ میں نے آج کے دن اپنا ستاروں والا گلابی جوڑا پہننے کا سوچا ہوا تھا۔''

''پر وہ جوڑا تو ''مہندی'' والی رات صفورا آپا نے اٹھا لیا تھا۔ بلکہ آپا نے تو پہن کر بھی دیکھ لیا بہت جچ رہا تھا ان پر۔'' ذکیہ کی بات پر اس کا دل جل کر خاک ہوگیا۔

''صفورا آپا نے بھی وہی جوڑا اٹھانا تھا، کوئی اور اٹھا لیتیں۔ اتنے شوق اور ارمانوں سے میں نے اس کا ایک ایک ستارہ ٹانکا تھا۔ سوچا تھا مکلاوے پر یہی جوڑا پہن کر جاؤں گی۔ میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا ہے۔''

شبانہ منہ پھٹ تو شروع سے ہی تھی۔ اس وقت اپنے جوڑے کے غم میں مبتلا یہ بھی بھول گئی کہ اسے اس گھر میں آئے ابھی دو دن ہی ہوئے ہیں۔ صفیہ، ذکیہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور چپکے سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ باہر جا کر نجانے انہوں نے کیا کہا کہ کل تک اس پہ واری صدقے جانے والی ساس، اس کے نئے نویلے دولہا کو لیے انتہائی خراب تیوروں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''دیکھ شوکت! تیری دلہن تو بڑی تھڑدلی نکلی ہے۔ ایک جوڑے کی خاطر صبح صبح سیاپا ڈال دیا۔''

اسی وقت صفورا آپا بھی آ گئیں۔ رات کی دعوت میں پہننے کے لیے اپنے اور بچوں کے کپڑے گھر سے لینے گئی ہوئی تھیں۔ شادی شروع ہونے سے پہلے ہی انہوں نے یہاں مستقل ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ معاملہ سمجھ میں آنے پر وہیں شبانہ کے پلنگ پر بیٹھ کر رونا پیٹا شروع کردیا۔

''ہائے ہائے کتنے ارمانوں سے بھائی کی شادی کی۔ پر بھابھی دل کی ایسی کوجی نکلی۔ ایک جوڑے کی خاطر رشتوں کا ادب، احترام سب بھول گئی۔ میں نے تو اتنے شوق سے اپنی ساس،

دیورانیوں کو وہ جوڑا دکھایا کہ بھائی کی شادی میں شگن کے طور پر ملا ہے۔ اب واپس کروں گی تو کتنی سبکی ہوجائے گی میری۔'' صفورا آپا نے اپنا رونا ڈال دیا۔

شبانہ کے اندر لاوا ابلنے لگا۔

''بھابھی! اگر کہو تو ہم دونوں اپنے والے جوڑے واپس کر دیتے ہیں۔ وہ تو ہم نے ابھی کسی کو نہیں دکھائے۔'' ذکیہ میسنی بنی کہہ رہی تھی۔

''لو، واپس کیوں کروگی؟ شگن کے جوڑے بھی کوئی واپس کرتا ہے بھلا؟''

ماں نے کلے پیٹے۔ ''کیسی بدشگونی ہوگئی۔''

''تو کیا کیا جائے، دلہن بھابھی نے مکلاوے کی دعوت پر وہی ستاروں والا جوڑا جو پہن کر جانا ہے۔'' صفیہ نے جلتی پر تیل ڈالا۔ صفورا آپا کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

شبانہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا لیکن شوکت نے بے زاری سے ٹوک دیا۔

''اوئے ختم کرو یہ رولا۔ اب اگر کسی نے کوئی فالتو بکواس کی تو میں نہ خود اس دعوت پر جاؤں گا نہ کسی اور کو جانے دوں گا۔ بلکہ قسم اٹھالوں گا کہ ساری زندگی اس کے ماں باپ کے گھر قدم نہیں رکھوں گا۔'' سدا کا جذباتی شوکت اس ساری چخ چخ سے تنگ آ کر غصے سے چھت سے جالگا۔

شبانہ نے چپ سادھ لینے میں ہی عافیت جانی۔ ساس بڑبڑاتی باہر نکل گئیں۔ اس کے پیچھے تینوں نندیں بھی۔ شبانہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر رونے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

احتجاجاً تینوں نندوں نے پھر اس کمرے میں نہیں جھانکا تھا۔ شبانہ کا دل بہت برا ہو رہا تھا۔ رونے کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے۔ سو رونا ترک کرکے ذکیہ کا کامدار جوڑا اٹھا کر غسل خانے میں گھس گئی۔ گہنے پہنے، میک اپ بھی کرلیا لیکن اس کا ستا ہوا چہرہ اور روئی روئی آنکھیں دیکھ کر میکے میں سب کا ماتھا ٹھنک گیا۔

ساس، نندیں بھی شبانہ سے کھنچی کھنچی سی لگیں۔ کاٹن شلوار قمیص میں ملبوس شوکت الگ اکڑا بیٹھا تھا۔

''خدا خیر کرے، کہیں شبو کا ساس نندوں سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوگیا یا پھر شوکت نے ہی اسے پہلی رات نہیں قبولا...... اگر شادی کی پہلی رات ہی سجی سنوری دلہن شوہر کے دل پر نہ چڑھ سکے تو گئی بھینس پانی میں۔ ہائے میری شبو......''

ماں کے دل کو ہزاروں وسوسے لگ گئے۔ سب کی موجودگی میں پوچھنا بھی محال تھا۔

کھانا کھانے کے بعد مہمان رخصت ہوئے تو ماں سے نئی نویلی شادی شدہ بیٹی کا پژمردہ چہرہ مزید دیکھا نہ گیا۔ ان کے پوچھنے کی دیر تھی کہ شبانہ نے روتے دھوتے ساری رام کتھا کہہ سنائی۔

''اے ہے شبو! تجھے کیا پڑی تھی شادی کے دوسرے روز ہی اس جوڑے کا سیاپا ڈالنے کی؟''

''تو کیا کرتی اماں؟ تم اچھی طرح جانتی ہو، مجھے اپنا وہ جوڑا کتنا پسند تھا اور میں نے تو صرف ایک بات کی تھی۔ ان دونوں گھنی میسنی پھپھکیوں نے نجانے باہر جا کر کیا کہا کہ زاہدہ خالہ تو میرے اوپر چڑھ دوڑیں اور تو اور شوکت نے......''

آنسوؤں کی شدت نے بات پوری نہ کرنے دی۔ منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رات کو اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے والے شوہر نے ماں بہنوں کے سامنے کیسے بے عزت کر کے رکھ دیا۔ اسے اور شدت سے رونا آیا۔

ماں نے سمجھایا، بہنوں نے دلاسا دیا۔ رافیہ چپ چاپ کسی سوچ میں ڈوبی رہی۔

☆☆☆

موسم بدلے، حالات نے پلٹا کھایا۔ مہینے، سالوں کا سفر طے کرنے لگے۔ زندگی اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں رہی۔

رافیہ نے ایک خوب صورت، صحت مند بچی کو جنم دیا۔ ننھی ثمرہ کے بعد عائزہ اور عمار نے گھر کی رونق مزید بڑھا دی۔ شبانہ نے ولید کو جنم دیا۔ پہلوٹی کے بیٹے کے بعد اس کی اوپر تلے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حالات سدا ایک سے نہیں رہتے۔ لیکن شبانہ کے دل میں اول روز سے صفورا آپا کے لیے جو میل آگیا تھا،

وہ کبھی کم یا ختم نہ ہوسکا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ گرہ اس کے دل میں مزید پختہ ہوتی چلی گئی۔ وہ جان کر بھی اس دن کو نہ بھلا سکی جب سب گھر والوں نے مل کر اس کی شادی کے دوسرے روز ہی اس کا اچھا خاصا تماشا لگا دیا تھا اور اس کی شادی کے ابتدائی دن، اسی ایک دن کی نحوست کے زیر اثر روتے دھوتے افسردہ اور ملول سے گزرے تھے۔

☆☆☆

رافیہ اور اشفاق کو اس کے ہاتھ پیلے کر کے گھر سے رخصت کرنے کی فکر ستانے لگی۔

خاندان، برادری سے اس کے لیے آئے پیام ایک طرف، دادی نے فیصلہ سنا دیا۔

''بھتیجی پہ پہلا حق پھپھی کا ہی ہوا کرتا ہے۔ ہماری ثمرہ شبانہ کے ولید کی ہی دلہن بنے گی۔''

ولید اچھا خاصا سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ رافیہ اور اشفاق کے پاس انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔

یوں دونوں گھروں میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ ولید کی تینوں بہنیں خوشی سے پھولے نہیں سمارہی تھیں کہ ان کی عزیز از جان دوست اور ماموں زاد ثمرہ ان کی بھابھی بن کر ان کے گھر آجائے گی۔ شادی کی تمام رسموں کے دوران وہ تتلیوں کی مانند اڑتی پھر رہی تھیں۔ لیکن ''مینڈھی والی رات'' جب رواج کے مطابق انہوں نے ثمرہ کے جہیز کے کپڑوں پر ایک پرشوق نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی پسند کے جوڑے اٹھانے چاہے تو رافیہ نے نرمی سے انہیں روک دیا اور الگ سے رکھے ہوئے تین پیک شدہ جوڑے ان کے سروں پر رکھ دیے۔ جو اس نے دولہے کی بہنوں کے لیے خاص طور پر الگ سے لے رکھے تھے۔ بے حد خوب صورت اور قیمتی جوڑے۔

پنڈال عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈھول بجاتی میراثن نے اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔

''لیکن یہ تو رسم ہوتی ہے بھابھی!'' شبانہ اپنے لہجے کی ناگواری چھپا نہ سکی۔

رافیہ کی ساس (ساجدہ پھپھو) کو بھی رافیہ کی حرکت اچھی نہ لگی۔ تینوں لڑکیاں پیک شدہ جوڑے ہاتھوں میں تھامے الگ گم صم کھڑی تھیں۔

''جن رسموں سے دلوں میں میل پیدا ہو اور سالوں کی محبت اور دوستی نفرت میں بدلنے لگے تو انہیں ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔'' رافیہ، شبانہ کا ہاتھ تھامے نرمی اور حلاوت سے کہہ رہی تھی۔ ''تمہیں اپنا وہ ستاروں والا جوڑا یاد ہے شبانہ! جو تمہاری نند صفورا نے رسم کے طور پر اٹھا لیا تھا اور جس کی وجہ سے تم دنوں ملول اور دکھی رہی تھیں؟''

شبانہ کو وہ سب کچھ بھولا ہی کہاں تھا۔ لیکن یہ کون سا موقع تھا ایسی باتیں یاد دلانے کا؟ اس نے خوشی سے سر جھٹکا۔ جبکہ رافیہ کہہ رہی تھی۔

''مجھے بھی اپنے جہیز کے وہ چاروں جوڑے بہت پسند تھے جو تم بہنوں نے شگن کے طور پر اٹھائے تھے۔ ان کے چھن جانے کا احساس کئی دنوں تک مجھے اندر سے کچوکے لگاتا رہا تھا۔ لیکن اپنی ازدواجی زندگی کی خوشیوں اور سسرال میں اپنا مقام بنانے کی خاطر اندر کا زہر اندر ہی انڈیلتی رہی۔ لیکن ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟ بہنوں کو بھائیوں کی شادی کا بہت ارمان ہوتا ہے۔ لیکن یہ ارمان دلہن کے ارمانوں کا خون کر کے پورا کرنے سے صرف دلوں میں بدگمانی اور تنگی ہی پیدا ہوتی ہے۔ تمہاری تینوں بچیاں مجھے ثمرہ سے کم پیاری نہیں ہیں۔ میں نے ان کی عمر اور پسند کے مطابق بطور خاص بازار جا کر ان کے لیے شگن کے یہ جوڑے خریدے تاکہ کسی فضول رسم کی وجہ سے ان کے اور ثمرہ کے تعلقات اور دوستی میں کوئی دراڑ نہ پڑے۔

یہ رسمیں، رواج کوئی قرآن کا حرف تو نہیں جنہیں مٹایا یا بدلا نہ جا سکے۔ یہ ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ اگر انہیں رواج ہم دیتے ہیں تو انہیں ختم کرنے کا اختیار بھی ہمارے پاس ہی ہے۔''

رافیہ جو سمجھانا چاہ رہی تھی، وہ شبانہ سمیت سب کی اچھی طرح سمجھ میں آ گیا تھا۔ شبانہ نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے رافیہ کو گلے سے لگا لیا۔

میراثن کے ہاتھ ڈھولکی پر پڑے اور دولہا کی بہنیں اپنا اپنا جوڑا سر پر رکھے خوشی سے سرشار رقص کرنے لگیں۔

☆

عندلیب زہرا

خواب سراب

عروسہ خوابوں میں رہنے والی تھی..... رومان پرور۔ شاعرانہ مزاج..... افسانوی سوچ۔

سات بہن بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ مڈل کلاس گھرانہ ذمہ داریوں اور مسائل کے انبار تلے دبے والدین، جنہیں تفکرات نے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ اولاد سے محبت کا اظہار کتنا ضروری ہے۔ وہ ناواقف تھے۔ بس سختی میں رکھ کر تربیت پر زور تھا۔ پیٹ بھرنے کی فکر..... مستقبل کے خدشات..... ایسے میں عروسہ افسانوں، ناولوں میں پناہ لینے لگی اور نجانے کب ان ہی کی مکین بن بیٹھی۔

ڈائریاں پہلے انتخاب، میری بیاض سے بھرتی پھر خود طبع آزمائی کرنے لگی۔ اسے خود میں مستقبل کی پروین شاکر، شبنم شکیل اور ادا جعفری کی جھلک نظر آنے لگی (سمجھنے میں حرج کیا ہے)

اسکول کالج میں بزم ادب میں ٹھہر ٹھہر کر کلام پڑھتی یا رات کو سوچ سوچ کر افسانے تحریر کرتی تو اپنا آپ قرۃ العین حیدر لگنے لگتا۔ لیکن عروسہ کے ابو سجاد حیدر یلدرم نہ تھے جو بیٹی کی تخلیقی صلاحیتوں پر واہ واہ کرتے، معمولی کلرک تھے۔ سو بی اے کے فوراً بعد اس کے لیے آنے والے پہلے رشتے پر ہاں کہہ دی۔ ممتاز حسین..... جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ چلتی دکان، جما جمایا کاروبار تھا..... ایک نجی کمپنی میں بھی ملازمت جاری تھی..... بہن بھائی اپنے گھر میں سیٹ ..... والدین حیات نہیں تھے ..... مناسب آمدنی..... سو جھٹ سے ہاں کہہ دی۔ عروسہ نے رو رو کر دریا بہا دیے بھوک ہڑتال..... خودکشی کی دھمکی تک دے ڈالی.....

"نام کتنا غیر شاعرانہ ہے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"دیکھو مٹھائی کتنی عمدہ اور نفیس ہے" پارو نے گلاب جامن منہ میں رکھا۔

"امی! کوئی پروفیسر..... آرٹسٹ..... شاعر ڈھونڈتے۔" اس کی آواز رونے سے بیٹھ گئی تھی۔

"کیا وہ شاعر، پروفیسر یہاں اس گھر میں آتے؟" ماں نے اوقات یاد دلا دی۔ "کیا ہے ہمارے پاس؟ اور کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں تجھ میں" ماں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"دو چار رسالوں میں افسانے لگ گئے، ایک آدھ غزل لگ گئی..... دو چار انعام مل گئے۔ بس اس بات پر تجھے حکومت ایوارڈ دے گی تیرے بعد اور نہیں تجھی بیٹھی ہیں اپنا نہیں تو ان کا سوچ باپ کا سوچ بھائی چھوٹے ہیں میری بچی....." امی اب رو پڑی تھیں۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے نمکین آنسوؤں کے ساتھ گلاب جامن چکھا اور اپنی رضامندی دیدی۔ (بہرحال وہ خود غرض ہرگز نہ تھی)

☆☆☆

لیکن اپنے خوابوں پر وہ کبھی سمجھوتہ نہ کر سکی۔

ممتاز حسین کھردرے مزاج کا شخص تھا۔ حساب کتاب میں الجھا ہوا۔ بیوی کو روٹی کپڑا دے دوکانی ہے۔ جذبات کیا ہیں، رشتے کی مضبوطی میں تعریف کیسا ٹانک ہے وہ قطعی طور پر نابلد تھا۔

لیکن ایک ذمہ دار شوہر تھا، نظر باز نہ تھا، ساس سسر کی عزت کرتا، بلاوجہ کی نکتہ چینی نہ کرتا، پیسے جو ہاتھ میں دیتا تو پلٹ کر سوال نہ کرتا، ماں باپ اپنے اس داماد سے خوش تھے اور عروسہ..... اس کے دل تک کسی کی رسائی نہ تھی۔ اس کے دل میں کیا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔

حریم اور ارنم کے ساتھ زندگی مکمل لگتی تھی لیکن کون جانے؟؟

☆☆☆

آخر ایک روز اسے وہ پیکر نظر آ گیا جو اس کے افسانوں اور شاعری میں مقید تھا۔ ازل سے اس کے ذہن میں تھا۔

تیمور علی، ممتاز حسین کا کزن دبئی سے پاکستان آیا تھا۔ نفیس، شستہ مزاج، ادبی ذوق، دونوں دوست تھے، ہم عمر تھے۔ ممتاز حسین تعلیم میں عدم دلچسپی کے باعث فکر معاش میں لگ گیا۔ اور تیمور علی ڈگریوں پر

ڈگریاں..... کورسز، جاب ..... اب فیملی کے ساتھ دبئی میں مقیم تھا۔ عرصے بعد ملاقات ہوئی تھی۔

''ارے واہ! یہ کلیکشن کس کی ہے.....'' ریکس پر سجی کتابیں دیکھ کر حیرت سے پوچھا گیا۔

''عروسہ کی.....'' ممتاز حسین نے مختصر جواب دیا تھا۔

''واہ بھئی! بڑا اعلیٰ ذوق جیون ساتھی ملا ہے تمہیں، ایک مجھے دیکھو، ایسی بدذوق، بدسلیقہ، ان پڑھ بیوی ملی ہے۔ میرے لکھے مسودے ردی میں دے آتی ہے۔ خیر قسمت اپنی اپنی''۔ کتابوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے، نظریں عروسہ پر جمائے وہ ممتاز حسین سے مخاطب تھا۔

''جی!..... میں تمہیں خوب جانتا ہوں۔'' ممتاز حسین نے گویا ہوا میں مکھی اڑائی تھی۔

یہ ملاقات پہلی ضرور تھی لیکن آخری ہرگز نہیں۔

تیمور اکثر آتا، لیکن ممتاز کی موجودگی میں، تحائف، فروٹ، بچیاں بھی اس سے مانوس تھیں۔ عروسہ کے لیے ایک دو بار بکس لایا، ایسی زحمت ممتاز حسین نے عروسہ کے لیے کبھی نہ کی تھی وہ خوش تو ہوئی لیکن دل کم مائیگی کا شکار ہو گیا تھا۔

''آپ کی خوشی ہی ہماری خوشی ہے۔'' تیمور نے اس کے شکریے کے جواب میں سر جھکا کر کہا تھا۔

عروسہ کو عرصے بعد ہم مزاج ملا تھا۔ ہم خیال، اپنے مشاغل (شادی سے پہلے کے) سے متعلق بات کرنے کا موقع ملا تھا۔

''ارے آپ شاعرہ ہیں۔''

''یہ افسانہ آپ نے لکھا ہے۔ ادبی شاہ کار ہے بھئی.....''

''آپ اپنی کتاب کی کب رونمائی کروا رہی ہیں۔''

ایسے جملے اسے دنوں ہواؤں میں اڑاتے۔

''عروسہ بھابھی! ادبی مشاعرہ ہے..... چلیے آپ! خاص دعوت ہے'' اس کے ہاتھ میں دعوت نامہ تھا۔

عروسہ بہرحال شادی شدہ تھی۔ سو متذبذب تھی۔

''ممتاز کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''ممتاز کو کہاں شوق ہے ان سب کا..... دو بندے جا سکتے ہیں۔ ہم ذوق اور ہم خیال۔ اجازت میں لے لیتا ہوں۔'' اس نے معاملہ سلجھانے کی پیش کش کی۔ اور ممتاز نے اجازت دے دی۔

''یہ کتاب کی نمائش ہے۔ چلیں پھر؟'' اگلی بار پھر آفر کی گئی۔

پھولوں کی نمائش ادبی سیمینار..... عروسہ کی جھجک اب ختم ہو گئی تھی۔ دونوں اپنے خیالات، پسند ناپسند ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگے تھے۔ دونوں کا غم مشترک تھا۔ تیمور علی کی تعریفوں نے اسے پچھتاووں اور ملال میں مبتلا کر دیا تھا۔ زندگی بوجھل اور ذمہ داریاں قید و بند لگتیں۔

اچانک تیمور کی آمد کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔

اس کی بے چینی حد سے سوا تھی۔

''اس کی فیملی پاکستان شفٹ ہو رہی ہے ناں اس لیے مصروف ہے؟ اس کے استفسار پر ممتاز حسین نے سرسری بتایا تھا۔

وہ آہستگی سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کی زندگی میں ایک خوش گوار جھونکا آیا تھا۔ اور دبے قدموں چلا گیا تھا۔ اکثر وہ کھوسی جاتی تھی۔

وہ ایک خاندانی تقریب تھی۔ سب رشتے دار مدعو تھے۔ جب اس نے پہلی بار تیمور علی کی فیملی دیکھی۔ خوب صورت، طرح دار بیٹیاں..... نوجوانی کی سرحد کو چھوتیں..... اپ ٹو ڈیٹ، ینگ..... اسمارٹ تیمور کی بیوی..... ماہا..... جو پہلی نظر میں یونیورسٹی گرل لگ رہی تھی۔

ان پڑھ..... بدذوق..... بے ڈھنگی.....'' کسی کا مایوس لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

''ارے بھابھی..... ممتاز ..... میرے دوست.....'' وہ جوش سے بغل گیر ہو گیا تھا۔

''دیکھو، ماہا، میرا بچپن کا دوست۔ اس کی مسز'' وہ بہت جوش سے تعارف کروا رہا تھا۔

''اور یہ ماہا..... مائی لو! مائی سویٹ وائف'' وہ محبت بھری نظروں سے ماہا کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن کیا جتا رہا تھا یہ عروسہ جانتی تھی۔

سامنے قدآدم شیشے تھے۔

''فربہی مائل، سانولی، عام سے نقوش..... گھریلو سی عورت، ماہا کے سامنے کیا لگ رہی تھی..... جاننا مشکل نہ تھا۔ تیمور کے چہرے سے نقاب اتر گیا تھا۔ اور عروسہ کو آئینے نے اس کی اوقات یاد دلادی تھی۔

☆☆☆

رات بہت گہری تھی..... بوجھل اور کثیف..... ہوا بند، عروسہ خاموشی سے کھڑکی کے پاس کھڑی اپنا محاسبہ کر رہی تھی۔ ہاں وہ قصوروار تھی۔ اس نے برملا خود سے اعتراف کیا۔

آنسو صاف کیے..... دل کو سنبھالا..... جو اپنی بے وقعتی کر لا رہا تھا۔ پلٹ کر دیکھا تو ارنم سو رہی تھی۔ اس نے کمبل ٹھیک کیا۔ ارنم کی بکس کھلی تھیں۔ اس نے سمیٹنا شروع کیں۔ ایک کاپی میں ارنم کی لکھائی جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

''مائی فادر..... مائی ہیرو'' عروسہ کی نگاہیں صفحے پر بکھرنے لگیں۔

''میرے پپا..... دنیا کے بیسٹ پپا ہیں۔ بغیر کہے ہماری فرمائشیں پوری کرتے ہیں۔ وہ کائنڈ ہارٹ ہیں..... دیکھنے میں سخت ہیں لیکن مجھے معلوم ہے وہ برفی جیسے ہیں۔ وہ بغیر کہے دوسروں کی فیلنگز سمجھ جاتے ہیں..... وہ ہم بہنوں کے ہیرو ہیں.....''

ٹوٹی پھوٹی تحریر تھی عروسہ کی آنکھیں نیر بہا رہی تھیں اور وہ بے خبر تھی۔

''ارنم میری طرح ہے۔ ادبی ذوق رکھنے والی میری ذہین بچی'' وہ فخریہ ممتاز حسین کو کہتی۔ اب پتا چلا کہ وہ تو اپنے باپ کی طرح تھی۔ دوسروں کا خیال رکھنے والی..... ان کی خوبیوں کا اعتراف کرنے والی۔ اس آٹھ سالہ بچی کو وہ خوبیاں نظر آ گئی تھیں جن سے وہ ہمیشہ ناواقف رہی تھی۔ انجان رہی تھی۔

وہ بظاہر کھردرا، کرخت، کاروبار میں الجھا شخص کتنا شریف..... نرم دل اور عزت دینے والا تھا۔ اس نے آنسو صاف کیے۔ بکس سمیٹ کر بیگ میں رکھیں اور ارنم اور حریم کے پاس آ کر لیٹ گئی۔ قدم بھٹکنے سے پہلے رک گئے تھے۔

☆☆☆

صبح خوش گوار تھی (یا اسے محسوس ہو رہی تھی)

اس نے معمول کے کام نمٹانے شروع کیے۔

جب فون گنگنا — اٹھا تھا۔ اس نے نام دیکھا۔ چند ثانیے سوچا اور کال اٹینڈ کر لی۔

''عروسہ''! کیسی ہو'' (بے تکلف انداز)

''بھابھی'' اس نے تصحیح کی (خشک انداز)

''آپ کے لیے ادبی محفل کا دعوت نامہ ہے کیا خیال ہے؟''

''آپ ماہا بھابھی کو لے جائیں ناں..... مجھے اور ممتاز کو بچوں کی شاپنگ کے لیے جانا ہے۔''

اس نے بے رخی سے کہہ کر کال بند کی۔ اور گہری سانس لی۔ نمبر بلاک کیا۔ اپنی آئی ڈی ڈیلیٹ کی۔ نامحرم اور شیطان کے خیال اور وسوسے آنے کے سارے راستے اس نے مسدود کر دیے تھے۔

ضمیر کی عدالت میں وہ اب سرخرو تھی۔

☆

تبت
ونٹر کیئر رینج
سرد اور خشک موسم میں
اپنی جلد کو دیجئے
بھرپور تحفظ
TIBET
Cold Cream
TIBET
Nourishing
Cleansing Milk
TIBET
Moisturizing
Lotion
with
Almond Oil
TIBET
NATURAL
Honey
Lotion
TIBET
تبت کولڈ کریم
تبت کلینزنگ ملک
تبت موئسچرائزنگ لوشن
تبت ہنی لوشن
تبت پومیڈ
تبت ونٹر کیئر رینج - جلد کے لیئے سب کچھ

نعیمہ ناز

ایک انوکھا، ایک البیلا

''آخر لوگ محبت کیوں کرتے ہیں؟ اور اگر غلطی سے کربھی لیں تو اس سے بڑی غلطی انگیج منٹ کی صورت میں کیوں کر لیتے ہیں؟''

مونی کے چہرے کے تاثرات اور حالات ایسے ہی تھے جیسے کہ دھواں دھار طوفانی عشق کے بعد منگنی کرنے والوں کے ہوتے ہیں۔ جن کی منگیتر ہر مہینے کے ہر ہفتے کوئی نہ کوئی موقع ایجاد کر لیتی ہے گفٹ اور پارٹی کا، اس تاریخ کو پہلی ملاقات، اس تاریخ کو پہلی کال، اس تاریخ کو محبت کا اظہار، اس تاریخ کو پہلی بار گفٹ دیا تھا یا لیا تھا، اس دن پہلی بار مسکرائے تھے۔

''یہ لڑکی ہے یا کمپیوٹر، ہر دن اور تاریخ کو یاد رکھا ہوا ہے سانس نہ لو مگر یہ دن سیلی بریٹ کرنے ضروری ہیں۔ کل پھر ایک بڑا خرچا؟'' مونی کے چہرے پہ روز کی طرح آج پھر بارہ بج گئے تھے۔

''تو بور نہیں ہوتا؟ پہلے چھ ماہ کا عشق اور پھر تین ماہ کی منگنی کیسے جھیل لیتا ہے ایک ہی لڑکی کو؟'' دانیال نے تمسخر سے اپنے کزن دوست کو دیکھا۔

''او بھائی، تیرے نرالے، انوکھے خیالات سننے نہیں آیا، تو بے شک اپنا بیڑا غرق کر، میرا مت کر۔'' مونی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''پھر میرا دماغ کیوں چاٹ رہا ہے؟'' دانیال نے فوراً منہ بنایا۔

''میرا مسئلہ حل کر، پیسے دے کچھ ادھار۔''

''میرے پاس ریزگاری نہیں ہے۔''

''ریزگاری کون مانگ رہا ہے، نوٹ نکال۔'' مونی جھنجھلایا۔

''میرے باپ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر بزنس ایمپائر کھڑی کی ہے، میں نے نہیں، میں کہاں سے دوں؟ امیر باپ کا فقیر بیٹا ہوں۔'' دانیال بڑی خباثت سے مسکرایا۔

''اپنی ساری کمینگی ایک ساتھ مت دکھایا کر، کچھ آئندہ کے لیے بھی چھوڑ دے۔''

''کس نے کہا تھا یہ گدھوں والے کام کرنے

ناولٹ

کے لیے؟ لڑکی دیکھی دیوانے ہوگئے، منگنی کے لیے پاگل ہوگئے۔''

''میں نے اپنے حالات پہ تجزیہ پیش کرنے کو نہیں کہا۔'' مونی نے دوست نما دشمن کی ڈھٹائی پہ دانت پیسے۔

''حالات پہ نہیں، تیری اوقات پہ تبصرہ ہے یہ۔''

''میرا کام کررہا ہے یا جاؤں؟'' مونی کے صبر کے سارے پیمانے پہلے ہی لبریز تھے اب چھلکنے لگے۔

''شادی سے پہلے ہی جولڑکی اتنا خرچا کروا رہی ہے۔ ذرا سوچ بعد میں تجھے کیسے کنگال کردے گی؟ تیرا بیسٹ فرینڈ ہوں کزن بھی ہوں تیری بھلائی کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔ اپنی گردن اس پھندے سے نکال اور.....

''تو میرا دوست ہے یا دشمن۔'' مونی نے اپنی گردن پھندے سے نکالنے کا مشورہ سن کر دانیال کی گردن اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں پکڑی۔

''مجھے قتل کردے گا تو ادھار کس سے لے گا؟'' دانیال اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''اب ادھار نہیں لوں گا، ڈاکہ ڈالوں گا۔'' مونی نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکال لیا تھا اور مزید پھرتی دکھاتے ہوئے اس میں سے وہ سارے نوٹ نکال لیے تھے جن کا رنگ سبز اور نیلا تھا۔

''سبز رنگ ہی نہیں نیلا رنگ بھی آنکھوں کو بڑی تازگی اور روشنی بخشتا ہے۔'' مونی نے ہاتھ میں دبے نوٹوں کو چوما اور بھاگ گیا۔

''آج ہی ملی تھی پاکٹ منی'' اپنی دکھتی ہوئی گردن کو سہلاتے ہوئے دانیال بڑبڑایا۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد سب لاؤنج میں جمع تھے۔ نادیہ چچی موبائل پہ کپڑوں اور بیگز کے نئے ڈیزائین سرچ کررہی تھیں۔ مناہل دس منٹ میں اپنی دس سیلفیز پوسٹ کرچکی تھی اور اپنی کزنز اور سہیلیوں کے لائکس بھی وصول کرچکی تھی۔ شاچاچو اخبار کے مطالعے میں مگن ہمیشہ کی طرح بے خبر تھے ان کی سگریٹ کی راکھ سوائے ایش ٹرے کے، ان کے آس پاس ہر جگہ بکھر رہی ہے۔ شاچاچو کا پورا نام شہاب تھا۔ بچوں کی زبان سے بچپن میں شہاب چاچو نکلنا بڑا مشکل تھا، لہذا وہ شاچاچو کہلانے لگے، بچے بڑے ہوگئے اب با آسانی ان کا پورا نام لے سکتے تھے مگر یہ نئی نسل مصروف اتنی رہتی تھی کہ اب جلدی میں وہ بچپن کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے۔

''شاچاچو!'' دانیال نے کوئی چوتھی بار انہیں آواز دی تھی۔ ساتھ ساتھ ان کا کندھا بھی ہلایا تھا۔

''ہوں۔'' انہوں نے بادل نخواستہ نظر اٹھا کر بھتیجے کی طرف دیکھا۔

''آپ بور نہیں ہوتے روز روز وہی ایک جیسی خبریں پڑھ کے؟''

''تم بور نہیں ہوتے ہر روز سب لوگوں سے ایک ہی طرح کا سوال کرکے؟''

مناہل نے بڑی جرات کا مظاہرہ کیا اور ٹک ٹاک سے نگاہیں اٹھا کر جوابی وار کیا، ورنہ جب موبائل میں غرق ہوتی جو کہ چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے ہوتی ہی تھی تو اسے آس پاس کسی اور کا تو کیا اپنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔

''میں تو سوال کرکر کے بالکل اکتانے لگا ہوں، حیرت تم سب پر ہوتی ہے ہر روز ایک ہی طرح کی روٹین، صبح دیر سے اٹھنا، ناشتا کرنا، گوسپس، بیوٹی پارلر، شاپنگ، دوپہر میں لنچ کھاتی ہیں، ڈنر کے وقت ڈنر کے ساتھ ساتھ گھر کے مردوں کے دماغ کھاتی ہیں اور تو اور۔''

''خاموش ہوگا یا اٹھاؤں جوتی؟'' دانیال کی والدہ ماجدہ کو سب سے پہلے غصہ آتا تھا بیٹے پہ، اس کے بعد باقی سب بھی ایک ایک کرکے حسب توفیق شروع ہوجاتے تھے۔

''بچپن سے سن رہا ہوں یہ ڈائیلاگ، بے زار ہوگیا سن سن کر، مگر آپ نہیں اکتائیں۔''

''کس پہ گیا ہے یہ بھابھی؟'' نادیہ چچی ہنسیں، انہیں غصہ صرف تب ہی آتا تھا جب دانیال براہ راست ان پہ فقرے کستا تھا۔

''یہ سوال بھی پچھلے کئی برسوں سے سن رہا ہوں۔ نہ پوچھنے والی بور ہوتی ہیں نہ سننے والے اکتاتے ہیں، جواب بھی وہی اللہ جانے یہ نمونہ کس پہ گیا ہے؟'' دانیال نے اپنی امی جان کی نقل اتاری۔

''بتاؤں ابھی؟'' امی جان سچ مچ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ دھمکی بھی رٹ گئی ہے مجھے۔'' دانیال نے بس اتنی آواز میں کہا جو فقط شاچو نے سنا، ہنس کر مسکرا دیے، اخبار کے گھونگھٹ سے منہ نکال کے بھتیجے کو بغور دیکھا۔

''تم بھی تو روز ایک جیسے کام اور ایک جیسے اعتراضات کرتے ہو؟''

''تب ہی تو، میں بوریت اور بے زاری کی ساری حدیں پار کر چکا ہوں، میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟'' دانیال کے چہرے پہ سچ مچ کی سنجیدگی اور بے بسی چھا گئی۔

''مفت کی روٹیاں توڑنے میں ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے، کب سے ڈگری لے کر بیٹھے ہو ایم بی اے کی، کام کیوں نہیں کرتے؟''

مناہل نے طنز کے تیر برسا دیے، اس کی اتنی پیاری پیاری سیلفیز پر کچھ ظالم لوگوں نے ایسے کمنٹس بھیجے تھے کہ دل جل کر کباب ہو گیا تھا اور ہر دوسرے پاکستانی کی طرح اس نے اپنا غصہ اور جھنجلاہٹ تیسرے پاکستانی پہ نکال لی گئی۔

''نائین ٹو فائیو جاب کرنی ہوتی تو کب کی کر لیتا۔ پہلے دن شوق سے جاؤں گا، دوسرے دن مجبوری اور زبردستی میں اور تیسرے دن بے زار ہو جاؤں گا۔'' دانیال اپنے بارے میں سچ بولنے کے لیے دوسروں کو موقع کم دیتا تھا، خود ہی یہ زحمت کر لیتا تھا۔

''تو پھر تم آخر زندگی میں کرو گے کیا؟'' نادیہ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

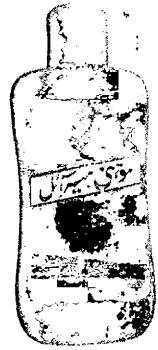

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

چچی نے یہ فکرانگیز سوال پہلی بار نہیں کیا تھا۔

"اف ف..... بار بار ایک ہی سوال کر کے آخر لوگ اکتاتے کیوں نہیں؟"

☆☆☆

شہر کے ایک بڑے سپر اسٹور کے اندر کافی دیر سے پھرتے ہوئے دونوں نے آدھی ٹرالی تو بھر ہی لی تھی۔ منیب نے مخصوص برانڈ کا ٹوتھ پیسٹ اٹھا کر ٹرالی میں ڈالا۔

"بچپن سے یہی ٹوتھ پیسٹ استعمال کر رہا ہے، اب تو بدل لے۔" دانیال تو جیسے تڑپ ہی اٹھا۔

"میرے والدین آج بھی وہی ہیں جو میرے بچپن میں تھے، انہیں بھی بدل لوں؟" منیب نے لسٹ کے مطابق شیلف سے صابن اٹھائے۔

"چیزوں میں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔" دانیال نے ایک نئے برانڈ کا شیمپو اٹھا کر معائنہ کیا۔

"لیکن یہ دونوں ہی اگر ہمیں راس آجائیں یا ہمارے لیے ناگزیر ہو جائیں تو انہیں چھوڑ نہیں سکتے۔" اجنبی مگر نسوانی آواز۔

منیب اور دانیال دونوں ہی اچھل پڑے، دونوں کی گردنیں بے اختیار پیچھے کی جانب مڑیں۔

وہ ان دونوں کے پیچھے ہی کھڑی تھی، گھنگھریالے کھلے ہوئے بال، شانوں سے ذرا نیچے، کرتی اور ٹراؤزر کے ساتھ دوپٹہ گلے میں مفلر کی طرح ڈالا ہوا تھا۔ اس کے بالوں اور جلد کی رنگت، چاکلیٹی، کافی اور آبنوسی قسم کے شیڈز سے ملتی جلتی تھی مگر آنکھوں میں گہری سیاہی تھی اور ویسا ہی گہرا کاجل بھی، اس کی آنکھیں، ناک اور ہونٹ سب موٹے موٹے سے تھے مگر ان میں عجیب طرح کی دلکشی بھی تھی اور کشش بھی۔

"یہ آپ تھیں؟" دانیال نے پورے ایک منٹ بڑے اطمینان سے اس کا جائزہ لے کر اگلے منٹ استفسار کیا۔

"تھی نہیں ہوں۔" اس کا اعتماد قابل دید تھا، منیب کا دل چاہا اسے شاباش دینے کو۔

"تو، کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" دانیال ایک قدم آگے بڑھا اور بے حد دلچسپی کے ساتھ اگلا سوال کیا۔

"جو کہنا تھا، وہ کہہ دیا، باتوں کو دہرانے سے ان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔" اس کا چہرہ ہی نہیں موتی سے دانتوں کی جھلک لیے مسکراہٹ بھی کافی دلکش تھی۔

"اور آپ.....؟" دانیال کچھ کہنے کو تھا کہ ہوا کے تیز بگولے کی طرح وہ نازل ہوئی تھی۔

"مونی، تم..... یہاں۔" پنکی نے کچھ یوں چیخ مار کر اپنی حیرت کا اظہار کیا جیسے اپنے منگیتر منیب عرف مونی کو مارٹ میں نہیں بلکہ قطب شمالی میں پینگوئنز کے ساتھ چہل قدمی کرتے دیکھا ہو۔

"تت، تم یہاں کیسے؟" مونی کے چہرے کا کلاک نہ جانے کیوں وہی وقت دکھانے لگا جس وقت کے لطیفے سکھ برادری سے منسوب ہیں۔

"بس دیکھ لو لو بیکیٹس لو۔" (دل کو دل سے راہ ہوتی ہے) پنکی کا اترانا ختم ہوا تو منیب اور دانیال پر سے نگاہیں پھسلتی ہوئی اسی چاکلیٹ جیسی لڑکی پہ جا پڑیں۔

"یہ کون ہیں؟" اس نے بڑی تمیز سے تہذیب سے منیب کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"یہ؟ یہ، یہ دانیال کی پرانی کلاس فیلو ہیں، یونی کی، آج یہاں اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔" منیب نے ڈر کے مارے ایسا احمقانہ جھوٹ بولا، جس کی پول ایک منٹ میں کھل جاتی اگر دانیال منہ کھول دیتا یا وہ لڑکی بول اٹھتی، مگر منیب اب ایسا احمق بھی نہیں تھا کہ جھوٹ بول کر وہیں کھڑا رہتا اور اپنے برے وقت کا انتظار کرتا۔

"پنکی! تم ایک منٹ ذرا میرے ساتھ آؤ، میں نے ایک بڑا زبردست سا ہینڈ بیگ دیکھا تھا۔ سوچ رہا تھا تمہارے لیے لے لوں، اب تم آ ہی گئی ہو تو خود ہی پسند کر لو۔" منیب اسے لے کر یوں غائب ہوا وہاں سے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

وہ لڑکی اب انجان بنی اگلے شیلف سے کچھ منتخب کر رہی تھی۔

''شاید ہم انسانوں کو نہیں بدل سکتے مگر چیزوں کو سینے سے لگا کر رکھنا کچھ ایسا ضروری بھی نہیں۔''
دانیال نے اسے کچھ یوں مخاطب کیا جیسے بہت دیر سے اسی موضوع پر اس کے ساتھ گفتگو کر رہا ہو۔
''انسیت اور لگاؤ کی بات ہوتی ہے۔'' لڑکی نے شیلف سے ایک شیمپو اٹھایا۔
''آپ ہمیشہ یہی شیمپو استعمال کرتی ہیں؟''
دانیال کے سوال پہ وہ یوں مسکرائی جیسے کوئی جہاں دیدہ بزرگ، کسی چھوٹے سے بچے کی معصوم بات پہ خندہ زن ہوں۔
''تین سال کے بعد اب چینج کیا ہے۔'' اس نے اپنے گھنگھریالے بالوں کی لٹ پیچھے کی۔
''بوریت کی وجہ سے نا؟'' دانیال کا انداز فاتحانہ ہوا۔
''اونہوں، مجبوری کی وجہ سے۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بہت کیوٹ لگی۔
''کیسی مجبوری؟''
''مجھے لگ رہا ہے کہ شاید میں سچ مچ آپ کی یونی فیلو رہی ہوں۔'' بولتی ہوئی وہ دوسری طرف مڑ گئی۔ دانیال اپنی ٹرالی سمیت وہیں کھڑا کچھ دیر تک جانے کیا سوچتا رہا پھر منیب کو کال کرنے لگا۔
''ہینڈ بیگ دلا دیا ہے یا اپنی شادی کی شاپنگ کرنے بیٹھ گیا اتنی دیر لگا دی۔''
''بس پانچ منٹ یار، میں آ رہا ہوں۔'' منیب کی آواز سے بے چارگی چھلک رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کی پاکٹ میں موجود جو بھی جمع پونجی تھی وہ یا تو ٹھکانے لگ چکی ہے یا لگنے ہی والی ہے۔
''وہ چلی گئی؟'' بہت دھیمی سی سرگوشی بمشکل دانیال کی سماعتوں تک پہنچی۔
''ہاں چلی گئی۔'' دانیال نے خواہ مخواہ ہی سر پہ ہاتھ پھیرا۔
''اچھا، بس میں آ رہا ہوں۔''

☆☆☆

ڈنر ٹیبل پہ پلیٹوں، چمچوں کی کھنک کے ساتھ ساتھ بابر احمد عرف بڑے پاپا کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی۔ بلکہ اب تو بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔
''کیوں خود کو زنگ لگا رہے ہو یوں بیٹھے بیٹھے؟'' ایک سال میں تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں، اتنے دن فارغ رہ کر تمہیں بوریت نہیں ہوتی مگر کام کرنے سے تم بے زار ہو جاتے ہو۔''
بڑے پاپا کی طرف سے ہر ماہ دانیال کی اس طرح کی کھنچائی ضرور ہوتی تھی اور وہ اس عزت افزائی کو گلاب جامن سمجھ کر نگل جاتا تھا۔
''میں کام کرنے سے تنگ نہیں ہوں بس کولہو کا بیل بننا نہیں چاہتا۔''
''تو کیا گدھے ہی رہو گے تمام عمر؟'' ان کے بے ساختہ تبصرے پہ کوئی بھی اپنی مسکراہٹ ضبط نہیں کر سکا مناہل بدتمیز تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''جو کولہو کا بیل بننا نہیں چاہتے وہ گدھے ہی نہیں ہوتے، پرندے بھی ہو سکتے ہیں، اڑان کے لیے آسمان بہت وسیع ہے۔'' دانیال کا احتجاج فلسفے کا رنگ لیے ہوئے تھا۔
''تو پھر پرواز کرو، اڑان بھرو، جب تک تمہاری مرضی کا آسمان نہیں ملتا، میرے پاس آ جاؤ، ایک ویکنسی ہے، سوچ رہا ہوں تم ہی کو رکھ لوں۔'' بڑے پاپا کا لہجہ نرم ہو گیا تھا اور دانیال کے حلق میں چاول اور ان کے الفاظ دونوں ہی پھنسنے لگے تھے۔
''میں جاب کروں آپ کے پاس؟'' دانیال کی آواز اور چہرہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔
''ظاہر ہے کہیں اور تو کرو گے نہیں جاب، تو میرے پاس ہی کر لو۔''
''مگر بڑے پاپا.....''
''اگر مگر کچھ نہیں، پیر کو تم جوائن کر رہے ہو مجھے، تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر کل مل جائے گا۔''
''اس منڈے کو؟'' دانیال کو لگ رہا تھا کہ اس کے حلق سے آواز نہیں نکلے گی مگر سوال نکل ہی گیا۔
''آف کورس، اس منڈے کو، جو تین دن بعد ہے اور تم جانتے ہو کہ وقت کی پابندی نہ کرنے والے

لوگ زہر لگتے ہیں مجھے۔''

''اور آئے دن چھٹیاں کرنے والے بھی۔'' مناہل نے لقمہ دیا۔

''یو آر رائٹ۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر مناہل کی تائید کی۔

''تو پنچھی قید کر لیے گئے پنجرے میں؟'' منیب کی کال دو گھنٹے بعد ہی آ گئی۔

''بکواس نہ کر، بائی داوے تجھے بتایا کس نے؟ یہی ہوگی مناہل چڑیل۔'' دانیال بے چارے کا دل اندر سے رو رہا تھا۔

''مناہل چڑیل نے مجھے نہیں بتایا بس اپنے اسٹیٹس پہ تمہاری تصویر اور جاب کی خوش خبری لگائی ہے۔'' منیب نے انکشاف کیا۔

''بدتمیز نہ ہو تو۔'' دانیال زیر لب بڑبڑایا۔

''تو پھر تیاری ہو رہی ہے؟ کولہو کا بیل بننے کی؟'' منیب نے بڑا خبیث قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔

''حیرت ہے پنکی جیسی منگیتر کے ہوتے ہوئے تیرے حلق سے ایسا قہقہہ نکل رہا ہے؟'' دانیال نے جوابی وار کیا۔

''سچ کہہ رہا ہے، شکر ہے پرسوں جان بچ گئی مارٹ میں، ورنہ پنکی کی تفتیش، اف توبہ جان کھا جاتی میری۔'' منیب نے خلاف توقع دانیال سے اتفاق کیا۔

''اور تو یہ بتا، اسے میری کلاس فیلو کیوں بنا دیا تھا؟ اگر وہ بول پڑتی تو؟'' دانیال کو اس کی کلاس لینے کا خیال اب آیا تھا۔

''بس یار، میں پنکی کو دیکھ کر ہی کچھ ایسا بدحواس ہو گیا تھا کہ جو منہ میں آیا بول دیا ویسے تو پنکی کو ٹھیک سے جانتا نہیں ہے، میں جانتا ہوں، اگر اسے بتاتا کہ وہ ایک اجنبی لڑکی ہے جس سے ہم پہلی بار ملے ہیں تو کبھی یقین نہیں کرتی میری بات کا، یہ لڑکیاں ہوتی ہی الٹی کھوپڑی کی ہیں، جھوٹ سن کر مطمئن ہو جاتی ہیں، سچ بتاؤ تو کبھی یقین نہیں کریں گی۔''

''پھر بھی تو اس مخلوق پہ دل اور جان دونوں قربان کرنے کو تیار رہتا ہے۔''

''محبت میں انسان سب کچھ کر لیتا ہے، کچھ بھی کر لیتا ہے، تو نہیں سمجھے گا چھوڑ۔'' منیب نے آہ بھری۔

''ہاں، محبت میں انسان چمگادڑ بن کر الٹا لٹک جاتا ہے۔'' دانیال نے مذاق اڑایا۔

''زیادہ مت بول، جس دن تجھے ہوگئی نا محبت، چہکنا بھول جائے گا۔''

''محبت اور مجھے۔'' دانیال زور سے ہنسا تھا۔

''دو دن کسی لڑکی کو دیکھ سکتا ہوں، تیسرے دن وہی شکل دیکھ کر بے زار ہو جاتا ہوں اس حالت اور اس عالم میں تو محبت ناممکن ہے۔''

''بیٹے، جس دن یہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا نا تو پتا لگ جائے گا۔''

''اور اونٹ پہاڑ کے نیچے سب ہی آئے گا جب اسے کسی اونٹنی سے پیار ہو جائے گا؟'' دانیال مسلسل ہنس رہا تھا۔

''اونٹنی ہو یا نہ ہو کوئی تو شیرنی ہوگی جو تیری بولتی بند کرا دے گی، میری تو دعا ہے کہ جو بھی ہے جہاں بھی ہے تجھے جلد سے جلد مل جائے۔''

''یہ دعا ہے یا بددعا؟''

''میرے دکھی دل کی پکار ہے یہ۔''

''تو چاہتا ہے کہ جیسے تو خود گڑھے میں گرا ہے سب گر جائیں۔''

''محبت گڑھا نہیں ہوتی بے وقوف انسان!'' منیب نے دانت پیسے۔

''تو، کنواں ہوتی ہوگی۔'' دانیال کا اطمینان قابل دید تھا۔

''تو واقعی سر پھرا ہے تجھ سے بحث کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔'' منیب نے حسب عادت شاندار الفاظ اور انداز میں اسے خراج تحسین پیش کر کے فون آف کیا تھا۔

☆☆☆

پیر کی صبح، سورج ہمیشہ کی طرح طلوع ہو

کے بعد دھیرے دھیرے اپنی کرنیں ہر جگہ انڈیل رہا تھا، دانیال سحر خیز تھا، واک، باتھ، ناشتہ، تیاری، ہر کام کر کے نکلنے لگا تھا جب مناہل سامنے آ گئی۔ ”آج تو تمہاری نظر اتارنی چاہیے۔“

”لو، اتار دو۔“ دانیال اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہوا۔

”آج ڈیوٹی پہ جا رہے ہو، کل چلے جاؤ گے، پرسوں کیا کرو گے؟“ مناہل نے آنکھیں گھمائیں۔

”تمہارا مرڈر۔“ دانیال موٹر بائیک کی طرف بڑھا، بیٹھ کر کک ماری ہی تھی کہ مناہل نے اس کی تصویر لی۔

”ایک تاریخ ساز دن، دانیال خان کا جاب کا پہلا دن۔“ اس نے موبائل ہوا میں لہرایا۔

”ٹھیک ہے بی جمالو، آج رات میری طرف سے ٹریٹ تھی وہ کینسل۔“ دانیال نے بائیک آگے بڑھائی۔

”دانیال، میرے بھائی، سنو تو۔“ مناہل پیچھے پیچھے لپکی مگر دانیال کی گاڑی کھلے گیٹ سے نکل کر ہوا ہو چکی تھی۔

”ہائے اللہ میاں جی، میں اپنے سارے الفاظ واپس لیتی ہوں، ٹریٹ کینسل مت کروائیں پلیز۔“ دانیال توزن سے بائیک نکال لے گیا تھا مناہل نے اپنی ساری التجائیں جوٹریٹ اور دانیال کے حوالے سے تھیں اللہ میاں کے سپرد کر دیں۔

☆☆☆

آفس میں پہلا دن بس نارمل اور فارمل ہی تھا۔ بڑے پاپا نے اسے جن صاحب کے حوالے کیا تھا، وہ گھنی داڑھی مونچھوں والے نعیم شمیم یونس صاحب تھے، ڈیل ڈول جتنا بڑا تھا، آواز اتنی ہی مہین اور باریک، وہ دانیال کو چار گھنٹے تک کام سمجھانے کی کوشش کرتے رہے اور دانیال پہلے ہی گھنٹے میں ان سے بور ہو گیا تھا۔ ان کے بتانے اور سمجھانے کا انداز ایسا تھا کہ دانیال کو جماہیاں اور پھر نیند کے جھونکے آنے لگے تھے اور اس کی یہ جماہیاں اور بے زار چہرہ بہت جلد بڑے پاپا تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آفس بلا کر بانفس نفیس ایک گھنٹے کا لیکچر دیا تھا۔ جو لنچ آور شروع ہونے پر ختم ہوا۔

شام میں واپسی پر وہ سچ مچ متفکر تھا۔ نیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آ رہی تھی، سگنل پہ بائیک روکے وہ بتی کے سبز ہونے کا انتظار کر رہا تھا، جب اس کی نگاہوں نے دائیں جانب سڑک پار کر کے دیکھا تھا۔

ہاں وہ وہی تھی سو فیصد وہی، پھولوں کی دکان کے باہر کھڑی، موبائل کان سے لگائے ہوئے تھی۔ دانیال کو علم بھی نہیں ہوا کہ کب میکانکی انداز میں اپنا راستہ بدل کر وہ اس دکان کے باہر ٹیولپس کے پھولوں کی خوشبو سونگھ رہا تھا۔

”ہیلو!“ وہی پُراعتماد آواز و انداز، ذرا سی شناسائی لیے ہوئے تھا۔

”ہیلو!“ دانیال جوابی ہیلو اور مسکراہٹ سے اسے نوازتے ہوئے یہ غور کرنے میں بھی مصروف تھا کہ چند منٹ پہلے سڑک پہ موجود اپنے گھر کی جانب جاتے ہوئے وہ یکا یک راستہ، ارادہ اور خیال بدل کر یہاں کیسے آن پہنچا؟

”کہیں یہ لڑکی جادوگرنی تو نہیں؟“ دانیال نے سہم کر سوچا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ۔

”جادوگرنیاں کیا واقعی اتنی دلکش ہوتی ہیں؟“

”آپ یہاں کیسے؟“ تاروں بھری رات جیسی چمکتی آنکھیں دانیال پہ مذکور ہوئیں۔

”میں پھول لینے آیا تھا، پھولوں کی دکان میں کھڑے ہو کر وہ اور بھلا کیا کہتا؟

”ایونٹ اور پرسنالٹی کیا ہیں؟ اگر آپ بتا دیں تو میں انتخاب میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔“ وہ اندر کی جانب بڑھی۔

”آپ کیوں کریں گی انتخاب میں میری مدد؟“ دانیال کے کان کھڑے ہوئے۔

”کیونکہ یہ میری دکان ہے اور یہ میرا کام ہے، کبھی لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی کہ کس موقع پہ

یا کس کے لیے، کون سے پھول لینے چاہئیں تو میں مشورہ دے دیتی ہوں۔'' وہ ٹھہر گئی۔

''مجھے ایک بڑا سا بوکے نہیں چاہیے بس چند پھول، جن کی خوشبو بہت پیاری ہو جیسے گلاب، یا موتیا یا جیسمین۔'' دانیال سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''فار سم ون اسپیشل؟'' لانبی سنہری انگلیاں، پھولوں کی ٹہنیاں نکال رہی تھیں۔

''یہ تو معلوم نہیں۔''

''اچھا!'' وہ مسکرائی۔ کچھ دیر بعد وہ اندر سے ایک بہت ہی پیارا سا چھوٹا سا گل دستہ لائی تھی۔

''یہ چلے گا؟'' اس نے دانیال کی طرف پھول بڑھائے۔

''شاید!'' وہ نہ جانے کیوں بے یقین سا تھا، الجھا ہوا تھا۔

''آئی ایم شیور، یہ پسند آجائے گا۔'' دانیال کا تذبذب دیکھ کر اس نے یقین دلایا۔

''کیا وہ سب ہوتا ہے جس پہ انسان کو یقین ہوتا ہے؟''

دانیال نے سوال کرنا چاہا مگر اس کے بجائے پھولوں کے دام پوچھ بیٹھا۔ ادائیگی کر کے اپنی بائیک پہ دوبارہ سوار ہو کر گھر کی طرف عازم سفر وہ سوچ بچار میں مصروف تھا، معمولی سی گتھی بھی سلجھ کے نہیں دے رہی تھی۔ انسان کب اور کیوں بے بس ہو جاتا ہے؟

گھر پہنچ کر سیدھا اوپر اپنے کمرے میں جا کر اس نے پھول گلدان میں لگا دیے فریش ہو کر نیچے آیا، امی خلاف توقع کچن میں تھیں۔

''یہ آج کیا انقلاب آ گیا، یا سرور صاحب چھٹی پر ہیں؟'' دانیال نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔

ویسے سچ تو یہی تھا کہ امی اور نادیہ چچی کے کاندھوں پہ کچن کی بھی کوئی خاص ذمے داری نہیں تھی سوائے خود کو، کچن کو اور گھر کو مین ٹین رکھنے کے، کھانا پکانے کی ذمہ داری (خانساما) سرور صاحب کے کاندھوں پر تھی جن کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ تھا، باقی ملازمین کی چھوٹی سی فوج تھی۔

''میں نے سوچا آج میرے بیٹے کا پہلا دن ہے جاب پر تو کچھ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوں۔'' امی جان مسکراتے ہوئے کوئی آمیزہ اوون میں رکھ رہی تھیں۔

''بور نہیں ہوتیں آپ روز روز اپنے بیٹے کا خیال رکھ کے؟'' دانیال نے شرارت سے کہتے ہوئے ان کے شانوں کے گرد بازو دراز کیے۔

''بتاؤں ابھی؟'' امی جان کا مخصوص جملہ .....اف۔

''کچھ نیا بتایئے گا۔''

''نیا؟'' وہ کچن سے باہر آئیں، دانیال ساتھ ساتھ تھا۔

''تمہارے پاپا کا خیال ہے کہ لڑکا اب کماؤ پوت ہو گیا ہے، تو اس کی شادی کر دینی چاہیے۔'' امی نے نئی بلکہ نئی نویلی خبر سنائی۔

''کیا؟ روزانہ ایک ہی شکل دیکھنی پڑے گی؟'' دانیال کا چہرہ بے چارا ہو گیا۔

☆☆☆

بیڈ پہ لیٹے لیٹے وہ کتنی ہی دیر سے ان پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔ اردگرد کو مہکاتے ہوئے پھول۔ بعض انسان بھی پھولوں کی طرح ہوتے ہیں، اپنے آس پاس ماحول کو مہکا دیتے ہیں۔ دانیال کو بار بار اس چاکلیٹ سی لڑکی کا خیال آ رہا تھا۔

منیب کی کال آئی تو اس سے باتیں کرنے لگا۔

''اس وقت تو، جناب اپنی حسینہ کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں، مجھے کیسے یاد کر لیا؟''

''دیکھ لے، تیری دوستی اور محبت میں اپنی منگیتر کا ٹائم بھی تجھے دے رہا ہوں پھر بھی کوئی قدر نہیں میری۔'' منیب نے جتایا۔

''رہنے دے، تیری پنکی نے اس وقت پیچھا چھوڑا ہوا ہو گا تو یہ بے چارہ دوست یاد آ گیا۔''

''تو کیسا رہا آج کا دن؟'' منیب نے زیادہ

بحث کیے بغیر سوال کیا۔
''پہلے دن ہی بور۔'' دانیال نے منہ بنایا۔ ''مگر شام بہت اچھی گزری۔'' اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
''کس کے ساتھ؟''
''ہر بات، ہر ایک کو بتانی ضروری نہیں۔''
''میں بیسٹ فرینڈ ہوں تیرا اور کزن بھی۔'' منیب نے دانت کچکچا کر اسے یاد دلایا۔
''جو بھی میرا ادھار واپس نہیں کرتا۔'' دانیال نے ترنت جواب دیا۔
''کیا تو دو چار روپے کا حساب کتاب کرنے لگا ہے یار۔''
''دو چار روپے؟ بچپن سے لے کر اب تک کا حساب کروں تو لاکھوں روپے بنتے ہیں۔''
''اچھا، ان لاکھوں میں پانچ ہزار اور جوڑ لے، مجھے کل چاہیں۔'' منیب نے پھلجھڑی چھوڑی۔
''اب کیا ہوا؟ کس لیے چاہییں۔''
''یار وہ .....پنکی ناراض ہوگئی ہے، کل سے بات نہیں کر رہی اسے ڈنر پہ لے جاتا ہے۔''
''آہاہا.....'' دانیال کے منہ سے بے اختیار قہقہہ ابل پڑا۔ ''تو میرا اندازہ درست تھا۔ بائی دا وے محترمہ ناراض ہیں تو شکر ادا کر پھر سے مصیبت کو دعوت کیوں دے رہا ہے؟''
''رقم چاہیے مجھے، تیرا لیکچر نہیں، بندر کیا جانے ادرک کا سواد، محبت کی قدر تو محبت کرنے والے ہی جانتے ہیں۔''
''اچھا قدر دان صاحب، ادرک کا سواد کھارا ہوتا ہے۔'' دانیال نے یاد دلایا۔
''چھوڑ نا یار، یہ بتا پیسے لینے کب آؤں؟''
''مجھے کیا اپنی اے ٹی ایم مشین سمجھا ہوا ہے؟ جب سے تیری منگنی ہوئی ہے، ہر ہفتے ہی تجھے ادھار کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔''
''دے دے یار، بھائی نہیں ہے کیا؟'' منیب بے چارہ ہمیشہ کی طرح خوشامد پہ اتر آیا۔ یہ محبت بھی بڑی کم بخت اور ظالم ہوتی ہے۔ انسان کو کتنا مجبور کر دیتی ہے؟
''بھائی تو ہوں، مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے قدرت کی مرضی تھی یہ۔''
''خدا کرے تجھے عشق ہو جائے کسی سے، پھر پتا چلے گا۔'' منیب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔
دانیال نے ہنستے ہوئے اسے خدا حافظ کہا تھا۔

☆☆☆

دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پھر سولہواں دن آ گیا۔ بھلے ہی کتنے ہی بوریت ہو، اکتاہٹ ہو بے زاری ہو، دانیال مرزا کے لیے راہ فرار کوئی نہیں تھی۔ روز آفس جانا تھا اور کام کرنا بلکہ سیکھنا تھا، منیب حال احوال ان الفاظ میں پوچھتا تھا، میاں کولہو کے بیل، کیا حال ہیں؟ مناہل کی چھیڑ خانیاں اور شوخیاں اپنی جگہ تھیں۔ نادیہ چچی اور شاہ چاچا کے چٹکلے اور بھی چٹ پٹے ہو گئے تھے۔ امی کا خیال اور پیار زیادہ بڑھ گیا تھا۔ بڑے پاپا کے لیکچر مزید لمبے اور گمبھیر ہو گئے تھے۔ منیب کی کمینگیاں بڑھ گئی تھیں اور دانیال مرزا کے دن چاہے جیسے بھی گزر رہے تھے۔
شامیں بہرحال ہر بار ایک نیا رنگ نیا روپ لے کر سامنے آ رہی تھیں۔ تب ہی تو وہ روزانہ بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کرتا اور شام ہوتے ہی جب وہ آفس سے گھر کی طرف آ رہا ہوتا، راستے میں اس سڑک پر سے بائیک موڑ کر پھولوں کی دکان کے آگے روک لیتا۔ پہلے دن کے بعد سے وہ اب روزانہ ایک یا دو پھول ہی لیتا تھا، وہ چاکلیٹ سی لڑکی دانیال کو دیکھ کر مسکراتی اور اس کے مطلوبہ پھول نکال کر اسے دیتی۔ وہ مسکراہٹ اور پھول دینے کا وہ ایک پل، اس ایک پل میں، اس ایک مسکراہٹ میں نہ جانے کیا تھا، وہ روزانہ اس کشش سے کھنچا چلا آتا تھا۔ ہر روز ایک نیا احساس۔ بوریت اور بے زاری کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ تازہ پھول لا کر وہ گلدان میں سجا دیتا اور پچھلے پھول نکال کر ڈائری میں

رکھ دیتا۔

یہ ڈائری بالکل خالی تھی اس میں سوائے ان سوکھے پھولوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہ آج بھی معمول کے مطابق فلاور شاپ پر پہنچا تو ایک نوعمر لڑکے نے ویلکم کیا۔

''یہاں ایک میڈم ہوتی تھیں؟'' دانیال نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''میڈم تو چھٹی پر ہیں۔'' لڑکے نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''کب آئیں گی؟''

''معلوم نہیں۔'' اس نے شانے اُچکائے۔

''کسی اور کو معلوم ہے؟''

''یہ بھی معلوم نہیں، دراصل ہم اکثر یہاں کام کرتا ہے، جب میڈم بلاتی ہیں ہم آجاتا ہے۔ پھر جب وہ آجاتی ہیں ہم کوئی اور کام پکڑ لیتا ہے۔'' گورے چٹے، براؤن آنکھوں والے لڑکے نے ذرا تفصیل سے جواب دیا۔

''اور وہ کتنے دنوں میں آجاتی ہیں؟''

''کبھی ایک ہفتے میں بھی آجاتی ہیں، کبھی مہینہ بھی لگ جاتا ہے، کبھی دو چار روز میں بھی واپسی ہوجاتی ہے۔'' لڑکے نے اپنی ٹوپی اتار کر سر کھجایا اور ٹوپی واپس سر پہ رکھی۔

''میڈم کا کوئی ایڈریس یا فون نمبر وغیرہ ہے؟''

''فون نمبر ہے، پر کسی کو دینے کی اجازت نہیں ہے۔'' لڑکے نے صاف صاف جواب دیتے ہوئے گردن ہلائی۔

''ٹھیک ہے۔'' دانیال واپس پلٹ گیا۔ آج گھر واپسی کا سفر عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔ عادت پڑ گئی تھی خوشبو اپنے ہمراہ لے جانے کی، وہ خوشبو جو پھولوں میں ہوتی تھی، وہ خوشبو جو ایں لڑکی کی مسکراہٹ میں، چہرے میں، وجود میں ہوتی تھی، وہ خوشبو جو اس مختصر سی ملاقات میں ہوتی تھی۔ دانیال وہ ساری خوشبوئیں سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ آج بالکل خالی ہاتھ جارہا تھا۔

گھر پہنچا تو سیدھا اوپر جانے کے بجائے لاؤنج میں ہی صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔

''کتنی محنت کرلی آج جو اتنے تھک گئے ہو؟'' حسب معمول مناہل کے ہاتھ میں موبائل، کانوں میں ہینڈ فری اور رخ زیبا دروئے سخن دانیال کی طرف تھا۔

''اتنی جس کا نہ تم سوچ سکتی ہو نہ تمہارا وہ نازک مزاج فیانسی۔'' دانیال نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''ارے تم آگئے دانیال۔'' امی اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی اس طرف آئیں۔

''میرا خیال تو یہی ہے کہ میں آگیا ہوں۔'' اس نے آنکھیں موندیں۔

''کیا ہوا تھک گئے؟'' امی جان نے صوفے پہ بیٹھ کر تشویش سے بیٹے کو دیکھا۔

''روزانہ تھک تھک کر بے زار ہوگئے ہوں گے۔'' مناہل نے اپنے فیانسی پہ کی جانے والی چوٹ کا بدلہ لیا۔

''روز تو نہیں تھکتا مگر آج واقعی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔'' دانیال نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔

''تم نہا دھو کر فریش ہوجاؤ، ساری تھکن دور ہوجائے گی۔'' امی جان نے مشورہ دیا۔

''جی!'' دانیال بند آنکھوں سے کسی چہرے کو کھوج رہا تھا جو کھلی آنکھوں سے نظر نہ آئے کیا وہ بند آنکھوں سے نظر آجاتا ہے؟

''دانیال بیٹا! آج ایک تقریب اٹینڈ کرنی ہے تمہیں۔'' امی نے دانیال کو مخاطب کیا۔

''کیسی تقریب؟'' وہ چونکا۔

''ہماری لائن میں جو انور بیگ صاحب رہتے ہیں، ان کے بیٹے کا ولیمہ ہے آج۔ میں اور تمہارے پاپا ایک دوست کے ہاں انوائٹڈ ہیں، شہاب اور نادیہ اپنے بھانجے کی سالگرہ میں جارہے ہیں۔ نادیہ کے بھانجے کی سالگرہ ہے آج۔ اب تم ہی بچے ہو تو تمہیں

بیگ صاحب کے ہاں جانا ہے۔'' امی نے تفصیل بیان کی۔

''ضروری ہے جانا؟'' دانیال کے چہرے سے اکتاہٹ ظاہر تھی۔

''بالکل ضروری ہے۔ محلے داری ہے۔ اچھے تعلقات ہیں ان سے۔ میں کل بارات میں گئی تھی، آج کے لیے معذرت کرلی تھی۔ وجہ بتادی تھی نہ آنے کی، لیکن وعدہ کرکے آئی ہوں کہ بیٹے کو ضرور بھیج دوں گی۔''

''مجھ سے پوچھے بغیر میرے بی ہاف پہ وعدے نہ کیا کریں۔''

''یہ تم آنکھیں کیوں نہیں کھول رہے آج۔ بند آنکھوں کے پیچھے زیادہ اچھی شکل نظر آرہی ہے؟'' مناہل کے اندازے بھی بڑے غضب کے ہوتے تھے۔

''بالکل، تم سے تو لاکھ درجے اچھی ہے۔'' دانیال ہنوز اسی پوز میں نیم دراز تھا۔

''پھر کب ملوا رہے ہو؟''

''پہلے میں تو مل لوں ٹھیک سے۔'' وہ بڑبڑایا اور پھر یک دم آنکھیں کھول دیں۔

اسے احساس ہوا کہ بند آنکھوں کے ساتھ منہ ضرورت سے زیادہ کھل گیا تھا اس کا۔ بزدیدہ نظروں سے امی جان کو دیکھا جو اپنے ہاتھ کی انگلیاں پھیلا کر جائزہ لے رہی تھیں کہ مینی کیور، پیڈی کیور کی ضرورت ابھی ہے یا کام چل جائے گا۔ دانیال اور مناہل کی نوک جھونک کا گھر میں کوئی بھی خاص نوٹس نہیں لیتا تھا۔ چونچیں لڑانے کی یہ عادت بچپن سے ہی تھی۔

''ٹھیک ہے دانیال! پھر تم جارہے ہو نا؟''

''جی، چلا جاؤں گا۔'' دانیال اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ذرا فریش ہوجاؤں۔'' وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

''آج پھول نہیں لائے؟'' مناہل جتنی تیزی کے ساتھ موبائل پہ انگلیاں چلا رہی تھیں۔ اس کا دماغ اور زبان بھی اسی تیزی کے ساتھ مصروف عمل رہتے تھے۔

''کوئی دینے والا ہی نہیں تھا۔'' دانیال سیڑھیوں چڑھتے ہوئے ایک لمحے کو رکا۔ یہ مناہل کی بچی جیمز بونڈ کافی میل دیسی ورجن تھی۔

''کہانی کیا ہے بائی داوے؟'' جیمز بونڈ نے تجسس سے دانیال کو دیکھا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ شروع ہوئی اور سمجھ میں آیا تو ضرور بتاؤں گا۔'' دانیال سچائی سے کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

سوٹ پہن کر خود پہ پرفیوم چھڑکتے ہوئے اس کا ارادہ تو پکا پکا یہی تھا کہ ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ تقریب میں نہیں رکے گا۔ بیگ انکل اور آنٹی کو اپنی شکل دکھا کر امی کا دیا ہوا گفٹ اور لفافہ دے کر تھوڑی دیر میں کھسک لے گا اور ولیمے کے لیے اس فائیو اسٹار ہوٹل کے بینکوئٹ ہال میں پہنچ کر بھی اس کا ارادہ بدلا نہیں تھا۔ انکل آنٹی سے ہیلو ہائے کرکے دولہا کو مبارک باد اور گفٹ وغیرہ دے کر وہ نسبتاً ایک کونے والی میز پسند کرکے کرسی پر بیٹھا تھا۔ موبائل نکال کر اس نے وقت دیکھا، بس پندرہ منٹ اور خود کو تسلی دے کر اس نے یوں ہی اسکرین پر نظریں جمائیں۔

''ہیلو!'' مانوس آواز سن کر اس نے بہت تیزی سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ اسے آج، ابھی اسی وقت اندازہ ہوا تھا کہ مردہ تن میں زندگی کی لہر کیسے دوڑتی ہے اور کوئی خزاں رسیدہ پھول یکا یک کیسے ہرا ہوجاتا ہے۔

''کیا ہوا، پہچانا نہیں مجھے؟'' دانیال کی خاموشی پہ وہ حیران ہوئی۔

''آج کہاں تھیں آپ؟''

''یہیں تو ہوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''وہاں تو نہیں تھیں، جہاں ہوتی تھیں۔'' دانیال نے شکوہ کیا۔

''ایک ضروری کام تھا۔'' اس کی نگاہیں ذرا دور

اسٹیج پر تھیں جہاں دولہا دلہن اور مہمان موجود تھے۔

''اچھی جوڑی ہے نا؟''

''ہاں ہوگی، مجھے تو ہر شادی اور سارے دولہا دلہن ایک جیسے لگتے ہیں۔'' دانیال نے اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کیا۔

''نہیں نہیں، ایسا تو خیر نہیں ہے۔ ہر انسان دوسرے سے الگ اور مختلف ہوتا ہے۔ تقریبات میں یکسانیت ہوتی ہو مگر انسانوں میں تو نہیں ہوتی۔'' چاکلیٹی لڑکی نے اختلاف کیا۔

''مجھے تو سب کچھ ایک جیسا لگتا ہے، اسی لیے بوریت ہوتی ہے۔''

''کیا سب کچھ؟'' سیاہ آنکھوں میں دلچسپی اور حیرت کی لہریں ابھریں۔

''لوگ اور ان کی زندگیاں، مشاغل، دلچسپیاں، عادات، روز و شب گزارنے کے ڈھنگ، انسان پیدا ہوتا ہے، زندگی گزارتا ہے اور مرجاتا ہے۔ مجھ سمیت بیشتر انسان ایک دائرے میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ کولہو کے بیل۔'' دانیال بے ساختہ بولتا ہی چلا گیا۔

''بہت الجھے ہوئے خیالات ہیں۔'' سیاہ آنکھوں کے سمندر میں تشویش کی لہر آئی۔

''میں یکسانیت سے گھبرا جاتا ہوں، بے زار ہوجاتا ہوں۔ لوگوں کی اکثریت کے نزدیک یہ ایک اچھی عادت نہیں ہے، مگر مجھ میں یہ ہے۔''

دانیال نہیں جانتا تھا کہ وہ، یہ سب کچھ اس لڑکی سے کیوں کہہ رہا ہے مگر بس وہ بغیر سوچے سمجھے اسے بتا رہا تھا۔

''تغیر یا تبدیلی، ہر وقت اور ہر جگہ شاید مناسب نہیں ہوتی۔ اگر زمین میں ڈالا گیا بیج اپنی جگہ بدلتا رہے تو نہ زمین کے اندر جڑ پکڑ سکتا ہے نہ باہر ایک تناور درخت بن سکتا ہے۔ اس کی مستقل مزاجی اسے طاقت ور بناتی ہے۔''

''مگر ایک جگہ ٹھہرا ہوا پانی کائی زدہ اور بدبودار بھی تو ہوجاتا ہے۔'' دانیال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سوال کرتا رہے اور وہ جواب دیتی رہے۔ وہ جو بالکل بھی اجنبی نہیں لگتی تھی مگر جس کا وہ نام بھی نہیں جانتا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ جس انسان میں بیج کی صفات ہوں، اس کا مستقل مزاج ہونا اور ایک ہی جگہ رہنا ضروری ہے اور جو انسان پانی کی خصوصیات رکھتے ہوں اپنے اندر انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر میں رہنا چاہیے۔ ٹھہراؤ اور جمود ان کے لیے نقصان دہ ہے۔'' وہ بول رہی تھی اور دانیال اس کے سنہری چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔

''تم کتابیں پڑھتی ہو بہت زیادہ؟''

''بہت زیادہ تو زندگی اور انسان کو پڑھتی ہوں۔ تھوڑی بہت کتابیں بھی پڑھ لیتی ہوں۔''

''یہاں کیسے؟ آئی مین دلہن والوں کی طرف سے یا دولہا والوں کی؟'' دانیال نے موضوع بدل کر سوال کیا۔

''میری فرینڈ ہے۔'' اس نے دلہن کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا اور یہ موصوف ہمارے پڑوسی ہیں۔'' دانیال نے دولہا کی جانب اشارہ کیا۔

''اکیلے آئے ہیں آپ؟''

''آج اور بھی پارٹیز تھیں، گھر کے باقی لوگ وہاں گئے ہیں۔ مجھے یہاں بھیج دیا گیا۔ جس پہ اگرچہ میں پہلے زیادہ خوش نہیں تھا مگر اب.....''

''مگر اب آپ اکیلے بور نہیں ہوں گے۔'' دانیال کی ادھوری بات کو اس نے پورا کیا جو کچھ سفید اور کچھ سنہرا سا لباس پہنے ہوئے تھی اور ویسا ہی سنہرا سا رنگ اس کے چہرے پہ بھی بکھرا ہوا تھا۔

''آپ کے پیرنٹس نے آپ کا نام کیا رکھا تھا؟'' دانیال کو خیال آیا کہ کم از کم اس کا نام تو پوچھنا چاہیے۔

''میرے پیرنٹس نے..... کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہنسی۔

''کیا مطلب؟''

''میرا نام میرے نانا نے رکھا تھا۔''
''انہوں نے کیا رکھا تھا؟''
''رابیل۔ پیار سے بیلا پکارتے تھے۔''
''یہ نام کا اثر ہے جو آپ پھولوں کے درمیان رہتی ہیں۔''
''شاید۔ ویسے مجھے علم ہوتا کہ آپ یہاں ملیں گے تو آپ کا آج کا پھول یہیں لے آتی۔ گل خان سے تو آپ نے خریدا نہیں۔''
''گل ڈبل دے دیجیے گا۔''
''گل خان سے لے لیجیے گا۔ اگلے ایک ہفتے تک میں نہیں ملوں گی وہاں۔''
''پھر کہاں ملیں گی؟'' دانیال نے بے ساختہ ہی سوال کیا۔
''کیا میں سچ مچ آپ کی کلاس فیلو رہی ہوں؟'' بیلا نے مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔
''وہ تو ایک جھوٹ تھا جو منگیتر کے خوف سے بولا گیا تھا، ایسا جھوٹ سچ کیسے ہوسکتا ہے۔'' دانیال کھل کر مسکرایا۔
''روزانہ ایک ہی فرد سے پھول خرید خرید کر آپ بے زار نہیں ہوں گے؟''
''ابھی تک تو نہیں ہوا۔ آگے کا کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' دانیال نے سچائی سے جواب دیا۔
''جو کچھ آپ نے اپنے بارے میں بتایا، اس حساب سے یہ حیرت انگیز بات نہیں؟''
''حیرت انگیز ہی نہیں، خوف ناک بات بھی ہے۔'' دانیال کی بے ساختگی پر وہ بھی بے ساختہ ہی ہنسی تھی۔

☆☆☆

اگلے ایک ہفتے تک وہ روزانہ وہاں جاتا اور گل حسان کی شکل دیکھ کر واپس آجاتا۔ آج ساتواں دن تھا۔ وہ مایوس چہرے اور خالی ہاتھوں کے ساتھ گھر واپس آیا تھا۔ لاؤنج میں بڑے پاپا، امی ساتھ ساتھ بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔
''آؤ بھئی صاحبزادے! بڑی دیر لگادی آنے میں۔ مجھ سے تو پہلے نکلے تھے آفس سے۔'' والد بزرگوار کافی خوش گوار موڈ میں تھے۔
''راستے میں دیر ہوگئی۔'' دانیال وہاں زیادہ دیر نہیں رکا۔ اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرکے نیچے آیا تو امی اور بڑے پاپا دونوں ہنوز اسی پوزیشن اور اسی موڈ میں یعنی انتہائی خوش گوار موڈ میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔
''ادھر بیٹھو صاحبزادے!'' بڑے پاپا نے اپنے دائیں جانب اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''خیریت تو ہے، یہ ماجرا کیا ہے؟'' دانیال ٹھٹھک کر سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اگرچہ والد ماجد کوئی اتنی غصہ ور شخصیت نہیں تھے، مگر اتنے زیادہ خوش اور خوش اخلاق سال بھر میں چند بار ہی ہوتے تھے۔
''آج کیا موقع ہے؟'' دانیال بیٹھ کر یاد کرنے لگا۔
''تمہاری امی کا خیال ہے کہ اب تمہاری شادی کردینی چاہیے۔ برسرروزگار تو ہو ہی گئے ہو۔'' بڑے پاپا نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو مخاطب کیا۔
''اوہ.....!'' دانیال نے بے اختیار ایک گہری سانس لی۔
''ابھی کچھ روز پہلے یہی بات امی نے پاپا کا نام لے کر کہی تھی دانیال سے۔''
''دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے سر پر ٹوپی رکھنے میں ماہر ہیں۔'' اس نے دونوں محترمین کو باری باری دیکھا۔
''نیک خیال ہے مگر اس نیکی میں ابھی بہت وقت پڑا ہے۔'' دانیال نے کہا۔
''ہاں، تو لے لو وقت۔ دو ماہ، چار ماہ یا چھ ماہ۔ کتنا ٹائم چاہیے تمہیں۔ ابھی منگنی کرلیتے ہیں، شادی جب تم کہو۔ چھ ماہ کے اندر اندر کرلیں گے۔''
''سارا پلان پہلے سے ہی تیار ہے۔ میری رائے کی کیا ضرورت ہے۔'' دانیال کا لہجہ رکھائی لیے ہوئے تھا۔
''تمہاری رائے کی ضرورت تو بالکل پڑے

گی۔ لڑکی کو پسند تو تم نے ہی کرنا ہے۔'' بڑے پاپا نے پلیٹ میں رکھے انگور کے چند دانے اٹھا کر منہ میں رکھے۔

''اس میں تو یقیناً چند سال لگیں گے۔'' دانیال نے اطمینان کی سانس لی مگر اگلے ہی لمحے والد ماجد کی بات سن کر اس کی سانس رک سی گئی۔

''لڑکی تو میں نے سلیکٹ کرلی ہے، تمہیں صرف پسند کرنی ہے۔'' ابو جان کا اطمینان قابل دید تھا اور دانیال ان کے انکشاف اور انداز پر انہیں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

''اچھی لڑکی ہے۔ مجھے تو بہت پسند آئی ہے۔ تمہیں بھی یقیناً اچھی لگے گی۔''

امی جان نے بھی نہ جانے مشورہ دیا تھا یا اپنا فیصلہ صادر کیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا دانیال کو۔ وہ تو بس غائب دماغی سے ان دونوں کو دیکھتا رہا، اس انجان لڑکی کی تعریفیں سنتا رہا اور نہ جانے سن بھی رہا تھا یا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال رہا تھا۔

دماغ میں عجیب سا شور بپا تھا۔ دانیال بے چین ہونے لگا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جو موضوع اس کے سامنے چھیڑا گیا ہے اور ایک اجنبی لڑکی کی جو تعریفیں اس کے سامنے کی گئی ہیں، اسے یہ سب بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ مگر کیوں؟ اپنے آپ سے کیے گئے سوال کا کوئی واضح جواب نہ مل سکا۔

یوں ہی الجھا الجھا سا وہ رات سونے کے لیے لیٹا تو ان گنت خیالات کا ہجوم تھا جو اسے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ والدین نے آج بہت سنجیدہ ہو کر بات کی تھی اس سے اور دانیال نے بھی پوری سنجیدگی کے ساتھ انہیں جواب دیا تھا۔

''میں ابھی اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب..... ذہنی طور پر تیار نہیں ہو؟ تم کوئی دنیا سے انوکھے نرالے نہیں ہو۔ خود کو خلائی مخلوق مت بناؤ۔ نارمل لڑکوں کی طرح بی ہیو کرو۔ جیسے سب رہتے ہیں، سوسائٹی میں موو کرتے ہیں، ویسے ہی کرو۔''

بڑے پاپا نے اسے ذرا نرم لہجے میں ہی سہی مگر جھاڑ دیا تھا۔ دنیا بھر کے لڑکے تھے، جو ایک ڈگر پہ رواں دواں اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ تفریحات، دلچسپیاں، مشاغل، لڑکیاں..... ضروری نہیں کہ حدود سے باہر ہو مگر یہ کیا کہ ایک لباس دو بار پہن لیا تو تیسری بار ممنوع ہو گیا۔ موبائل کے ماڈلز یوں بدلتا رہتا تھا جیسے بچے کھلونے خریدتے ہیں۔ کھانے کی ڈشیں، ناشتے کے لوازمات ایک دو ہفتے میں دہرائے جائیں تو موصوف بدک جاتے ہیں ''ابھی تو کھایا تھا یہ۔''

تعلیم تو جیسے تیسے مکمل کرلی تھی کہ والد صاحب کا زبردست ڈنڈا تھا سر پر، وگرنہ روزانہ یونیورسٹی جانا اور روزانہ ان ہی ٹیچرز کے لیکچرز سننا، دیکھے ہوئے چہرے، دیکھے ہوئے مناظر دیکھنا، دانیال کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا کہ آخری سمسٹر بھی آ گیا۔ یوں اس کی جان چھوٹی۔ ڈگری مل گئی تو نوکری کرنے پر اعتراض۔ والد اور چچاؤں کا مشترکہ کاروبار تھا۔ سب نے کوشش کی کہ اپنا آفس ہی جوائن کرلے مگر اس پر بھی انکار۔ بس ایک ہی وجہ، بوریت، بے زاری، اکتاہٹ۔ ذہین تھا، محنتی تھا مگر بقول منیب دماغ کے کچھ پرزے ڈھیلے ہیں اور منا ہل بھی اکثر ایک سوال کرتی تھی۔ آئینے میں روزانہ اپنا چہرہ دیکھ کر بور نہیں ہوتے؟

یہ سب تو اپنی جگہ، مگر اب جبکہ والد صاحب کے زور دینے پر اور خود پر جبر کر کے آفس جوائن کرلیا تو والدین نے یہ نیا شوشا چھوڑ دیا اور.....

''وہ..... وہ پھول والی لڑکی؟'' دانیال نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

روزانہ اسے دیکھ کر، مل کر، پھول خرید کر بوریت نہیں ہوئی؟ کیوں؟ دانیال پہ بڑا خوف ناک انکشاف ہو رہا تھا۔ ابھی ایک ہفتے سے اسے دیکھا نہیں، ملا نہیں تو عجیب سی ایک کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ کیا ہے یہ سب؟ مارے گھبراہٹ کے وہ اٹھ بیٹھا اور تو

پوچھا نہیں، منیب کو کال کی۔
''شریف انسانوں کے سونے کا وقت ہے یہ بھائی صاحب!'' ہیلو سے بھی پہلے ایک جمائی لیتے ہوئے منیب نے کہا۔
''جانتا ہوں میں تجھے۔ کتنا شریف ہے۔ اب آنکھیں، کان اور دماغ کی کھڑکیاں کھول کے میری بات غور سے سن۔''
''او میرے بھائی! پنکی جیسی لڑکی کا منگیتر ہوں، آنکھیں، کان، دماغ سب کھلے رکھنے کی عادت ہے۔ سوائے اپنے منہ کے۔ اب آپ ارشاد فرمایئے، رات کے دو بجے ایسی کیا مصیبت آن پڑی جو مجھے یاد فرمایا ہے۔''
''بڑے پاپا اور مما نے لڑکی پسند کرلی ہے میرے لیے۔'' دانیال نے بغیر کسی توقف اور تمہید کے بم پھاڑ دیا۔
''تو کیا ہوا پیارے! دنیا کے ہر انسان پر کبھی نہ کبھی یہ وقت آتا ہی ہے، خوشی خوشی سہرا باندھ اور گھوڑی چڑھ جا۔ تیرا کیا خیال ہے، ہم تو شادی کرکے سب کچھ بھگتیں اور تو سلمان خان بنا رہے، کچھ نہ جھیلنا پڑے۔'' منیب نے اس دھماکے کا کوئی خاص اثر لیے بغیر اشتعال انگیزی کی۔
''میں اس اجنبی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' دانیال کے لہجے میں کچھ تھا جو منیب چونکا۔
''ایسی کون جان پہچان والی ہے تیری نظر میں۔ جس کے لیے اس کار خیر پہ راضی ہے۔''
''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' دانیال بری طرح گڑبڑایا تھا اور اسی طرح اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔
''لگ تو یہی رہا ہے کہ بات کچھ ایسی ہی ہے پیارے! جو تو مجھ سے چھپا رہا ہے۔''
''کوئی بات ہی نہیں ہے ایسی جو میں چھپاؤں گا۔'' دانیال نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر اس کوشش کا اثر الٹا ہوا۔
''بات سن شہزادے! اگر ایسی یا ویسی۔ کیسی بھی ہو کوئی بات نہیں ہوتی تو آپ اتنی صفائیاں پیش کرنے کے بجائے الٹا مجھ پہ چڑھ دوڑتے۔ اب جلدی سے شروع ہو جا ورنہ میں موبائل سے نکل کر تیری چھترول کروں گا۔''
منیب بھی ایک کائیاں تھا۔ ان سب راستوں سے گزرا ہوا تھا اور دانیال کے تو لہجے اور لفظوں کے سارے رنگ پہچانتا تھا۔ اتنی آسانی سے بخشنے والا نہیں تھا۔
''یار! وہ جو لڑکی ملی تھی نا مارٹ میں۔ اس کی فلاور شاپ ہے میرے آفس کے نزدیک۔''
''تو؟''
''میں روزانہ اس سے فلاور خریدتا ہوں۔''
''پھر آگے؟''
''پھر یہ کہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ شاپ پر نہیں، کوئی اور ہے اس کی جگہ وہاں۔''
''تو پھر کیا ہوا؟''
''تیرا سر ہوا الو کے پٹھے۔ آئی مس ہر — یار!'' دانیال پھٹ پڑا۔
''کتنے دن پھول لیے تو نے؟'' منیب کسی پرسکون اور ماہر جاسوس کی طرح سوال پہ سوال کررہا تھا۔
''دو ہفتے سے زیادہ۔''
''اور تو ایک بار بھی بور نہیں ہوا؟ بےزار ہوا، نہ اکتایا؟''
''نہیں۔'' دانیال نے سچائی سے جواب دیا۔
''اور تو اسے مس کررہا ہے، اس مس چاکلیٹ کو؟''
''ہاں۔ اور وہ مجھے حماد کے ولیمے میں بھی ملی تھی۔'' دانیال نے ولیمے کا احوال بھی سنا دیا۔
''چل یار ٹریٹ دے دے کل۔ مبارک ہو اونٹ پہاڑ کے نیچے آ گیا۔''
منیب نے بالآخر نتیجہ نکال ہی لیا اور یہ رزلٹ سناتے وقت وہ یقیناً خوشی سے بے حال تھا۔
''اب پتا چلے گا پیارے! جو تو میرا بلکہ ہم

جیسوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب معلوم ہوگا تجھے، محبت کتنی کمینی ہوتی ہے اور بندہ کیسے ذلیل وخوار ہوتا ہے اس میں۔''

مارے خوشی کے منیب کی باچھیں کھل گئی تھیں اور زبان کسی بھی وزیر اطلاعات ونشریات سے زیادہ تیز، کتر کتر چل رہی تھی۔

''ایویں بکواس نہ کر۔ محبت کیا ایسے ہوتی ہے، اتنی اچانک اور خاموشی سے؟'' دانیال کو یقین نہیں آرہا تھا۔

''محبت ایسے ہی ہوتی ہے یار! بینڈ باجا، بارات کے ساتھ نہیں آتی۔ خاموشی سے آتی ہے، چیونٹی کی چال اور پھر ہاتھی کا پیر بن جاتی ہے۔'' محبت کے مارے منیب نے فلسفیانہ بیان جاری کیا۔

''نہیں یار!'' دانیال کراہا۔

''ہاں یار!'' منیب نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''پھر اب کیا کروں؟'' دانیال کسی نو آموز، ناتجربہ کار شاگرد کی طرح اس گرو سے پوچھ رہا تھا جسے اس دشت کی سیاحی میں بہرحال کچھ عرصہ تو گزر ہی گیا تھا۔

''پہلے تو اسے ڈھونڈ اور وہ مل جائے تو دل کا حال بیان کر۔ سب کچھ کہہ ڈال۔'' منیب استاد نے نو آموز شاگرد کو مشورہ دیا۔

''اور اگر اس نے برا مانا تو.....؟''

''دنیا میں کوئی لڑکی ایسی نہیں جو اظہار محبت کا برا مانے۔'' منیب نے دعوا کیا۔

''وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہوئی تو؟'' اف یہ نگوڑی محبت اور اس نامراد کے خدشات۔

''اگر وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہوتی تو تجھے اتنی لفٹ نہ کراتی کہ سہیلی کے ولیمے میں سہیلی کو چھوڑ کر تیرے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔'' منیب نے دلیل دی۔

''باتیں کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ منا ہل مجھ سے اتنی باتیں کرتی ہے، اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے؟'' دانیال نے بھی ایک جواز پیش کیا۔

''منا ہل تیری کزن ہے۔ وہ ایک اجنبی تھی جو مانوس ہوگئی تجھ سے۔ یا تو ہوگیا۔ اب اندازے لگانے اور ڈرنے کے بجائے سیدھا سیدھا اس سے پوچھ لے۔ ہاں کہے تو فٹافٹ اپنے گھر میں بتادے، نہ کہے تو جو لڑکی اماں باوا نے پسند کی ہے اسی پر قناعت کرلے۔ وہ کیا کہہ گیا ہے شاعر جس کا نام ساحر تھا۔

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کرلو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں وہاں شادی کرلو''

''بکواس مت کر۔'' دانیال بھنا گیا۔

''اسے بکواس نہیں، شاعری کہتے ہیں۔ اگرچہ کچھ شاعری بکواس ہوتی ہے مگر سب نہیں۔'' منیب نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔

''اچھا میں بعد میں کال کروں گا۔'' دانیال نے اچانک ہی موبائل آف کردیا۔

☆☆☆

دن نکلا اور ڈھلنے کا وقت بھی آ گیا۔ سارا دن کام کے بعد چھٹی کا وقت بھی آن پہنچا۔ جن خیالات کو کام کے دوران دیس نکالا دے دیا تھا، وہ پھر سے آموجود ہوئے۔ منیب کی باتوں بلکہ تجزیے اور تبصرے نے سچ مچ دانیال کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

واپسی کے سفر میں اس کی بائیک خود بخود فلاور شاپ کے آگے جا کر رک گئی۔ خوش اخلاقی سے دانت نکالتے ہوئے گل خان کی جگہ مسکراتی ہوئی بیلا کو دیکھ کر دانیال کی جان میں جان آ گئی۔

''آٹھ دن بعد؟'' اس نے جتایا۔

''دن ہی گنے یا گھنٹے بھی؟'' پھولوں کی بھری شاخیں ٹھیک کرتے ہوئے سوال ہوا۔

''وہ کون سا علم ہوتا ہے اور کون سا وقت جب انسان دن بھی گنتا ہے، گھنٹے بھی اور سیکنڈز بھی؟'' جواب دینے کے بجائے دانیال نے الٹا سوال کیا۔

''اس کا سیدھا سیدھا مطلب ہے کہ انسان کا برا وقت آرہا ہے یا آ گیا ہے۔'' رابیل عرف بیلا کھل کر مسکرائی تھی۔

"...ون سا پھول دوں آج؟" دانیال کی ...اس نے سوال کیا۔

"آج پھول نہیں، کچھ سوالوں کے جواب ..." دانیال ازحد سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"کیسے سوال؟" اس نے بھنویں اچکا کر دیکھا۔

"...ال ہیں یا میری الجھنیں ہیں۔ کچھ تو ہے ...یشان کر رہا ہے۔"

"ایک منٹ ٹھہریں، میں ذرا انہیں ڈیل کر کے ...اؤں۔" ایک کسٹمر لڑکی کو آتا دیکھ کر رابیل نرمی ... ہوئے آگے بڑھی۔ کسٹمر کو مطلوبہ پھولوں کا ...ے کر وہ دوبارہ دانیال کے پاس آئی۔

"...ں، اب بتایئے کیا مسئلہ ہے؟ وہی بے ...ں؟ بوریت؟"

"...ں ہر شے سے، ہر ایک معاملے سے اتنی ...یوں اکتا جاتا ہوں؟" ویلیے میں ہونے والی ... خاصی سود مند ثابت ہوئی تھی۔ دانیال کے ... میں خاصی معلومات رابیل کو حاصل ہوئی ... وہ ایک اچھی سامع کی طرح دانیال کو سنتی رہی ... تھا۔

"ہوں۔" رابیل چند لمحے اسے غور سے دیکھتی ...ر کہنے لگی۔

"میری باتیں آپ کو بہت تلخ لگیں گی مگر ...ت ہوں گی۔ اگر آپ حوصلہ مند ہیں تو میں کچھ ...وں؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھ میں اچھی خاصی قوت ...تا ہے۔" دانیال نے کچھ دیر غور کر کے جواب ...

"آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو زندگی میں ...ت سے زیادہ ہر نعمت مل گئی ہے۔ بہت آسانی ...اوانی کے ساتھ۔ آپ دو دن اورنج جوس پی لیں ...۔ پلاؤ کھا لیں تو آپ کو پائن ایپل جوس اور مٹن ...ال، فرائی فش کی یاد ستانے لگتی ہے۔ آپ رنگ ...ے مشروبات اور مزے دار، مہنگے قسم کے ...ے روز کھا کر بھی اکتا جاتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ آپ کے ارد گرد ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں پینے کا صاف پانی بھی مشکل سے میسر آتا ہے اور وہ لوگ صرف ایک وقت روکھی سوکھی کھاتے ہیں، وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے؟ آپ قیمتی سے قیمتی کپڑے دو چار بار پہن کر بے زار ہو جاتے ہیں، آپ نے کبھی ان لوگوں کے بارے میں سوچا جو بڑے بڑے شاپنگ مالز میں سجے ان ملبوسات کو فقط حسرت سے دیکھ ہی سکتے ہیں، انہیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے؟ آپ نے ملک کے اعلا تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی اور آپ روز روز وہی چہرے اور وہی مناظر دیکھ کر تنگ آجاتے تھے، دوسری طرف ہمارا بیش قیمت نوجوان ٹیلنٹ محض وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مار کھا جاتا ہے، پیچھے رہ جاتا ہے۔ آپ کو شوفر اور گاڑی کی سہولت تھی تو آپ نے بور ہو کر ہیوی بائیک خرید لی۔ آپ کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے؟" رابیل نے بولتے بولتے رک کر چند لمحے دانیال کا چہرہ دیکھا۔

"جو کچھ اچھی سے اچھی نعمتیں، بہترین وسائل، رشتے اور لوگ آپ کو اللہ نے دیے، آپ نے ان کا شکر ادا کرنا نہیں سیکھا۔ اپنے سے کم اور نیچے کی طرف دیکھتے تو ان تمام نعمتوں کو انجوائے کرتے۔ رب کا شکر ادا کرتے پھر آپ کبھی نہ بور ہوتے، نہ بے زار۔"

ایک چھوٹی سی تقریر جھاڑ کر رابیل خاموش ہوئی تو دانیال کا سکتہ ٹوٹا۔

"میں ناشکرا نہیں ہوں۔ شکر ادا کرتا ہوں اللہ کا۔ ہر چیز کے لیے شکر ادا کرتا ہوں۔" دانیال کا انداز احتجاج کرنے والا تھا۔

"وہ بغیر سوچے سمجھے، غیر شعوری اور محض زبانی شکر ہوگا۔ عملی شکر کرنے والے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے کبھی تنگ نہیں آتے۔ بور نہیں ہوتے۔ بے زار نہیں ہوتے۔ ضرورت اور ظرف سے زیادہ مل جائے تو انسان چھلک پڑتا ہے۔"

"اب ایسے تو مت کہو۔" خفت زدہ لہجے میں

کہتے ہوئے دانیال بہت شرمندہ لگ رہا تھا۔

''میں نے پہلے ہی وارن کردیا تھا کہ میری باتیں تمہیں بہت تلخ لگیں گی مگر وہ حقیقت ہوں گی۔'' رابیل کا لہجہ نرم تھا۔

''میں نے کبھی اس اینگل سے نہیں سوچا تھا۔'' دانیال نے اعتراف کیا۔

''اب سوچنا شروع کردو۔'' رابیل بھی آپ سے تم پر آ گئی۔

''بے شک انسان بعض معاملات میں تبدیلی اور تنوع چاہتا ہے لیکن یہ خواہش ایک حد میں رہے تو اچھا ہے ورنہ انسان کو سب کچھ مل کر بھی نہ خوشی ملتی ہے، نہ سکون، نہ اطمینان۔'' رابیل نے مزید کہا۔

''تم بہت الگ ہو دوسری لڑکیوں سے۔'' دانیال یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''اب تک کتنی لڑکیوں سے وا ' پڑا ہے تمہارا؟''

''بہت زیادہ سے تو نہیں پڑا مگر.....''

''زیادہ تر لڑکیاں عموماً ایک جیسی ہی ہوتی ہیں اور میرا شمار اکثریت میں ہوتا ہے۔'' خود پہ جمی مستقل نظریں محسوس کر کے وہ تھوڑی سی پزل ہو رہی تھی۔

تب ہی پلٹ گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سفید گلاب کی ایک کلی تھی۔

''آج پھول نہیں خرید رہے تو یہ میری طرف سے۔'' رابیل نے وہ سفید کلی دانیال کی طرف بڑھائی۔

وہ اس کلی کو اور رابیل کی باتوں کو دل سے لگائے واپس گھر آیا تھا۔

☆☆☆

سادہ سے شلوار قمیص میں اپنی دراز قامتی کے ساتھ دانیال بہت جچ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر آیا تو خلاف توقع کچھ خاموش خاموش سا تھا۔

''کام کر کر کے تھک گئے عالم پناہ۔'' مناہل نے فقرہ اچھالا۔

''ایک ماہ ہوگیا مستقل جاب پر جاتے ہوئے۔ بے زاری کی انتہا پہ پہنچ گئے ہوں گے صاحب زادے!'' چاچو نے اسے چپ چپ دیکھا تو بولنے پہ اکسایا۔

''بے زاری کیسی چاچو! کتنے ہی ایجوکیٹڈ اور ٹیلنٹڈ نوجوان بے روزگار ہیں یہاں۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے روزی کمانے کا موقع دیا۔''

دانیال نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا تھا انہیں مگر نہ جانے کیوں ان کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ پانی پیتے ہوئے پاپا کو اچھو لگ گیا۔ امی نے کچھ حیرت اور زیادہ خوشی کے ساتھ بیٹے کو دیکھا۔ مناہل کی آنکھیں حیرت سے پھیلتے پھیلتے دانیال پہ جم گئی تھیں۔

''کسی اچھی صحبت میں رہنے لگے ہو میاں؟'' شاچاچو نے خود کو سنبھالا۔

''آج کل تو روز میری کمپنی میں رہتے ہیں صاحبزادے!'' بڑے پاپا کی سانس اور کھانسی قابو میں آ گئی تھی۔ انہوں نے کریڈٹ لینے کی کوشش کی۔

''کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔'' مناہل نے خلاف توقع خاموشی سے دانیال کو کھانا کھاتے دیکھا تو اتنے زور سے بڑبڑائی تھی کہ سب نے ہی سن لیا۔

''یعنی دال میں کچھ کالا ہے؟'' نادیہ چچی نے بھی شگوفہ چھوڑا۔

''یا شاید پوری دال ہی کالی ہے۔''

دانیال ان سب کے چٹکلوں، تبصروں اور شگوفوں سے بے نیاز خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ دل و دماغ کچھ تو رابیل کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے، کچھ اپنے ہی معاملات پریشان کن تھے۔ پھر بھی خود کو کمپوز کر کے سب کے سامنے بیٹھا تھا۔ ابھی کھانے کے بعد مما اور پاپا کے ساتھ بھی میٹنگ تھی۔

ڈنر کے بعد کافی کا دور چلا۔ وہ سٹنگ روم میں والدین کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''پھر کیا سوچا تم نے دانیال! آنے والے اتوار

کو بلایا ہے ان لوگوں نے۔'' مما نے بتایا تو دانیال نے کافی کے تلخ گھونٹ کے ساتھ ساتھ ان کی بات کو بھی حلق سے نیچے اتارنے کی کوشش کی مگر یہ بہت مشکل تھا۔

''اتنی جلدی کیا ہے ابھی شادی کی۔ کون سی عمر نکلی جارہی ہے میری؟'' جھنجھلاتے دانیال کی سمجھ میں جو آیا بول دیا۔

''بیٹے! عمر تمہاری نہیں، ہماری نکلی جارہی ہے۔'' پاپا مسکراتے ہوئے بولے۔

''اور کیا۔ آج کل تو کسی کا کچھ بھروسا نہیں، خدا جانے ہمارا وقت کب آجائے۔ اپنے سامنے ہی تمہاری شادی دیکھ لیں، پوتے پوتی کو اپنی گود میں کھلا لیں۔ بس اتنی سی آرزو ہے۔'' مما جذباتی ہوگئیں۔

''افوہ مما! آپ بھی بس.....'' دانیال جز بز ہوگیا۔

''تو مل لو نا لڑکی سے، یا کوئی اور پسند ہے تو بتادو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''مجھے کچھ وقت تو دیں مما۔''

''ایک ہفتہ تو دے دیا اب کیا پورا سال لگاؤ گے سوچنے میں۔'' پاپا نے گھور کے دیکھا۔

''اب فیصلہ کرلو بیٹے! فیملی سے اور لڑکی سے ملو گے تو ضرور تمہیں پسند آئیں گے۔''

''بہت اچھے لوگ ہیں، لڑکی تو بس سمجھو ہیرا ہے ہیرا۔'' مما اپنے بیٹے کو قائل کرنے کی پوری کوشش کررہی تھیں۔

''اتوار آنے میں ابھی ہفتہ باقی ہے، تم سوچ سمجھ لو بلکہ خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔'' پاپا نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے مشورے میں لپیٹ کر حکم دیا۔

☆☆☆

زندگی میں اچانک ہی بھونچال آ گیا تھا۔ اچھی بھلی گزر رہی تھی۔ بعض لوگ بھی بہت خوب ہوتے ہیں۔ زندگی میں آتے ہیں اور ہنگامہ بپا کردیتے ہیں۔ اچھی بھلی زندگی کا ایک دم ہی ٹریک تبدیل ہوگیا۔ آگے خدا جانے کیا ہو۔ لنچ ٹائم میں باہر جانے کے بجائے دانیال ابھی تک اپنی سیٹ پر تھا۔

''کیا ہوا دانیال بھائی! آج لنچ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔'' جواد اس سے جونیئر تھا، محنتی اور باادب لڑکا تھا۔ دانیال سے ٹھیک ٹھاک دوستی ہوگئی تھی اس کی۔

''جارہا ہوں یار!'' دانیال نے سستی سے جمائی لی۔

''میرا تو بھوک کے مارے برا حال ہے، آجائیں آپ بھی دانیال بھائی!'' جواد نے اپنا لنچ باکس کھولتے ہوئے اسے بھی دعوت دی۔

''کیا لائے ہو؟'' دانیال اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ ویسے تو وہ روزانہ لنچ باہر ہی کرتا تھا، مما کے لاکھ زور دینے پر بھی گھر سے لنچ لانے پر راضی نہیں ہوا کہ پھر جو گھر سے ملے گا وہی کھانا پڑے گا اور موڈ تو روز ہی بدلتا رہتا تھا لہٰذا بہتر یہی تھا کہ باہر جا کر اپنی مرضی اور پسند کا لنچ کیا جائے۔ مگر آج وہ ابھی تک یہیں موجود تھا۔

''آلو کی قتلیاں ہیں آج۔'' جواد نے اس کے سامنے کھانا رکھا۔

''تم کھا لیتے ہو یہ سب؟'' دانیال نے اکثر اس کا لنچ دیکھا تھا، کبھی کوئی دال، کبھی سبزی، کبھی گوشت بھی ہوتا مگر سادہ سے کھانے ہوتے تھے زیادہ تر۔

''دانیال بھائی! میری تعلیم کے لیے میری امی اور بہنوں نے بہت محنت کی ہے۔ تعلیم مکمل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیا۔ میں اس وقت انہیں سپورٹ نہیں کرسکا، سوائے ایک معاملے کے۔'' جواد بولتے بولتے مسکرایا۔

''گھر میں جو کچھ بھی پکا ہوتا تھا، چپ چاپ کھالیتا۔ یہ سپورٹ میں اب تک فیملی کو کرتا ہوں۔''

''تمہاری بیوی تم سے یقیناً خوش رہے گی۔'' دانیال نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے جواد کا شانہ تھپتھپایا۔

''اگر آپ میرے ساتھ کھانا تناول فرمائیں تو میں بھی خوش ہوجاؤں گا۔''

''چل یار تیری خوشی کے لیے دو چار لقمے لے لیتا ہوں۔'' دانیال نے کچھ سوچا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

واپسی میں حسب معمول پھول لینے کے لیے رکا۔ رابیل کی جگہ گل خان کو دیکھ کر دانیال کا موڈ آف ہو گیا۔

''جی صاب! کون سا پھول چاہیے؟'' گل خان نے دانت نکالے۔

''کوئی سا بھی نہیں۔'' دانیال باہر نکل آیا۔ رابیل کو کال کی۔ ''کہاں ہو؟''

''پارک میں ہوں۔''

''پارک میں؟ کون سے پارک میں اور وہاں کیا کر رہی ہو؟''

''اسی لائن میں آگے جو پارک ہے، اسی میں ہوں۔'' رابیل کے مختصر جواب دیا۔

''میں آرہا ہوں، گیٹ کے پاس ملو۔'' دانیال نے عجلت سے حکم نامہ جاری کیا اور فوراً بائیک اسٹارٹ کی۔ پارک زیادہ دور نہیں تھا' سات آٹھ منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔

رابیل گیٹ کے قریب ہی مل گئی۔

''کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟'' وہ دانیال کو تشویش سے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر ''خیریت نہیں ہے'' کا بورڈ سجا ہوا تھا۔

''ہاں، بس خیریت ہی ہے۔'' دانیال نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''تم کیا۔ پھول چننے آئی تھیں ادھر اپنی شاپ کے لیے؟''

''اوہ تو دانیال مرزا مذاق بھی فرما لیتے ہیں۔'' رابیل نے ناک کی سیدھ میں چلتے ہوئے تبصرہ کیا مگر اس کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔

''اچھا رابیل! خدا حافظ۔'' ایک اجنبی آواز سن کر دانیال چونکا۔ سفید بالوں والی ایک بڑی بی اسٹک کے سہارے چلتی ہوئی سامنے سے آرہی تھیں۔

''خدا حافظ آنٹی!'' رابیل ٹھہر گئی۔ اس کے چہرے کی حسین مسکراہٹ ابھی بھی وہیں قیام پذیر تھی۔

''میں چھوڑ دوں آپ کو؟''

''تھینک یو بیٹا! میں خود چلی جاؤں گی۔ گیٹ تک ہی تو جانا ہے پھر تو ڈرائیور لے جائے گا گھر۔ تمہارے پیرنٹس بہت لکی ہیں۔ اتنی پیاری بیٹی نصیب والوں کو ہی ملتی ہے۔'' بڑی بی دھیرے دھیرے آگے بڑھ گئیں، رابیل قریبی بینچ پر براجمان ہو گئی۔

''اب یہاں کیا بزنس کرتی ہو؟'' دانیال نے دلچسپی سے اس کا سنہری چہرہ دیکھا۔

''سب سے زیادہ فائدے والا بزنس۔'' بیلا مسکرائی۔ اس کے سفید چمک دار دانت جھلملائے۔

''اور وہ کیا ہے؟ جلدی سے بتاؤ۔ آئی لو پرافٹ۔''

''بات کچھ یوں ہے کہ کچھ لوگ رقم سے چیریٹی کرتے ہیں، کچھ اپنی خدمات اور وقت دے کر یہ کام کرتے ہیں۔ میرے پاس وقت کی تھوڑی بہت دولت ہے جو تنہائی کے مارے بوڑھے افراد پہ خرچ کر دیتی ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔'' بیلا کا انداز بڑا سادا سا تھا۔

''آج کی ینگ جنریشن کے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں کہ سانس ہی ٹھیک سے لے سکیں۔ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں سے آ گیا جو یوں دوسروں کو بھی بانٹتی پھر رہی ہو؟'' دانیال ہر بار ہی اس سے مل کر، بات کر کے حیران ہوتا تھا۔

''دراصل ہم نے اپنا سارا وقت ایک چھوٹے سے آلے کو دے دیا ہے۔ اس لیے دوسرے انسانوں کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں بچتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ کی جس نعمت کا انسان درست استعمال نہ کرے، اس سے خیر و برکت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے ہمارے وقت میں سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔''

''تو تمہاری زندگی میں فیس بک، ٹوئٹر، انسٹا گرام، ٹک ٹاک، یوٹیوب، سیلیفیز کچھ بھی نہیں؟''

دانیال اسے یوں دیکھ رہا تھا، جیسے وہ کوئی خلائی مخلوق ہو، خود دانیال کا یہ حال تھا کہ اسے ان سب کے بغیر سانس لینا بھی دشوار لگتا تھا۔

''سب کچھ ہے مگر بس ایک حد کے اندر۔ مجھ پر اور میری زندگی پر کوئی حاوی نہیں۔''

''تم پر کون حاوی ہوسکتا ہے۔ تم تو خود جادوگرنی ہو، دوسروں کو اپنے بس میں کرنے والی۔'' دانیال کا لہجہ شرارتی ہوا۔

''کوئی اچھی تشبیہہ بھی دے سکتے تھے مثلاً پری، سنڈریلا۔'' سیاہ آنکھوں میں خفگی در آئی، اگرچہ وہ مصنوعی تھی۔

''میں بالکل تمہیں پری کہنے، ماننے اور بولنے پر تیار ہوں۔ اگر تمہارے پاس وہ جادو کی چھڑی موجود ہے جو میرے مسائل اور معاملات حل کردے۔''

''اچھی بھلی گزری لائف گزار رہے ہو، تمہیں کیا مسئلہ ہوسکتا ہے۔'' سرمئی شام کی گدگداتی ہوا بیلا کے لہجے اور لفظوں میں گھل مل گئی۔

''یہ طعنہ دینا ضروری ہے گزری لائف کا؟''

''طعنہ نہیں، حوالہ دیا ہے۔'' بیلا نے وضاحت کی یا اپنی صفائی پیش کی۔

''اوکے، مان لیتا ہوں۔ اب یہ کہو دنیا میں ایسا کوئی انسان ہوگا جسے کوئی مسئلہ، کوئی الجھن یا کوئی مشکل نہ ہو۔ چاہے غریب ہو یا امیر؟''

''اوکے۔ مان لیا، اب آگے کہو۔''

''میرے پیرنٹس نے ایک لڑکی پسند کی ہے میرے لیے۔ جس سے میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں؟ کیا خوب صورت نہیں ہے۔''

''مجھے کیا پتا، میں نے دیکھی ہی نہیں۔'' دانیال جھنجھلایا۔

''دیکھے بغیر کیوں انکار کررہے ہو۔ کیا پتا وہ کوئی بہت اچھی لڑکی ہو اور تمہیں دیکھتے ہی پسند آجائے۔'' بیلا کی نگاہیں نیچے گھاس پر تھیں۔

''اب تو دنیا کی کوئی حسین سے حسین لڑکی بھی مجھے پسند نہیں آسکتی۔'' دانیال نے نفی میں سر ہلایا۔

''میرا مشورہ ہے کہ تم لڑکی دیکھے بغیر، ملے بغیر انکار مت کرو۔'' بیلا کا لہجہ ان ہی پھولوں کی طرح نرم اور خوشبودار تھا جو وہ دانیال کو دیا کرتی تھی۔

''نہ مجھے دیکھنا ہے کسی کو، نہ کسی سے ملنا ہے۔ تم فضول مشورے مت دو۔ ویسے میرے پیرنٹس نے مجھے آزادی دی ہے کہ میں اپنی پسند بھی ان کے سامنے لاسکتا ہوں۔''

''تو کیا تم کسی کو پسند کرتے ہو؟'' بیلا نے اپنی گھنگھریالی لٹ کان کے پیچھے کی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں روزانہ تمہاری شاپ پر پھول خریدنے آتا ہوں؟ اتنا پاگل نہیں ہوں پھولوں کے عشق میں۔'' دانیال نے منہ بنایا۔

''پھر؟'' بیلا کا تجاہل عارفانہ اپنے عروج پر تھا۔

''افوہ..... تم خود ہی سمجھ نہیں سکتیں کہ.....'' دانیال جھنجھلا بھی دیا تھا اور جھینپ بھی رہا تھا، جیسے اعتراف محبت نہیں، اعتراف جرم کررہا ہو۔ ویسے بقول منیب، محبت ایک جرم ہے۔ گرفتار ہوجاؤ یا بچ جاؤ۔ سزا دونوں صورتوں میں ملتی ہے۔ دانیال نے ایک آہ بھری، ہوا میں جھومتے پھولوں اور درختوں کے پتوں کو دیکھا پھر اس چاکلیٹی لڑکی کی طرف جو شاید سب کچھ جان کر بھی انجان تھی۔

''تم مجھے اچھی لگتی ہو بیلا!'' دانیال نے بہت سادگی، سچائی اور خلوص سے اعتراف کیا تھا۔

''تمہیں جو کچھ آج اچھا لگتا ہے، دو چار دن بعد تم اس سے بور ہوجاتے ہو۔'' بیلا کا خدشہ کوئی اتنا غلط بھی نہیں تھا۔

''تم ان سب سے الگ ہو بیلا! ویسے تو میں اپنی اس عادت پر قابو پانے کی کوشش کررہا ہوں۔ ہر نعمت کا شکر ادا کرنا سیکھ رہا ہوں۔ لیکن تمہارا معاملہ بالکل جدا ہے۔ یقین کرو، تم سو سال بھی میرے ساتھ رہو گی تو میں کبھی بے زار نہیں ہوں گا تم سے۔'' دانیال نے جوش میں آکر دعوا کیا۔

''اور سو سال بعد؟'' بیلا کی ہنسی بس بہتے جھرنوں کی طرح جلترنگ بجا رہی تھی۔

''بتاؤ نا۔ تمہارے پیرنٹس مان جائیں گے نا؟''

دانیال کو بہت سے اوہام اور خدشات ستا رہے تھے جو ہر محبت کرنے والے کو ستاتے ہی ہیں۔

''پہلے میں تو مان جاؤں۔''

''کیا مطلب؟ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟''

دانیال تو بس اچھل ہی پڑا۔

''دیکھو دانیال! یہ جو ہماری عمر ہے نا۔ اس عمر میں عموماً لوگ جذباتی ہوتے ہیں۔ محبت بھی کسی نہ کسی سے ہو جاتی ہے مگر..... مگر ہمارے والدین سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ کوئی نہیں ہوتا۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اپنے پیرنٹس کو ناراض کر کے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرو۔'' بیلا اب سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''اُفوہ۔ بتایا تو ہے انہوں نے مجھے فری ہینڈ دیا ہوا ہے اس معاملے میں۔ میں انہیں لے کر تمہارے گھر آؤں گا۔'' دانیال نے قطعیت کے ساتھ فیصلہ سنا دیا۔ ''اور آنے سے پہلے کال کروں گا، ٹھیک ہے؟''

وہ بول رہا تھا اور بیلا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اپنے خیالوں میں گم کافی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ لائٹ براؤن آنکھیں بظاہر کافی کے مگ پر تھیں مگر درحقیقت نہ جانے کہاں تھیں۔

''سب خیریت ہے نا برخوردار۔'' شاچا چو بڑی دیر سے بغور اپنے بھتیجے کو دیکھ رہے تھے۔

''جی چاچو۔ الحمدللہ، سب خیریت ہے۔'' دانیال ان کی آواز پر چونکا، پھر سنبھل کر جواب دیا۔

''آج کل تم کسی بات پر، کسی چیز سے بور نہیں ہو رہے؟ نہ اپنی لائف اور روٹین سے بے زار ہو رہے ہو۔ تنگ آ رہے ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''طبیعت تو ٹھیک ہے چاچو! مگر دماغ شاید کچھ خراب تھا۔ وہ ٹھیک ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا ہے۔'' کافی کا خالی مگ میز پر رکھ کر دانیال مسکرایا۔

''اچھا۔ تو یہ بات ہے؟'' شاچا چو کی ''ہوں'' بہت لمبی اور اس سے زیادہ معنی خیز تھی۔

''میری زندگی میں پہلے ناشکرا پن تھا، اب میں ہر ہر نعمت کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو کسی بھی شے سے بے زاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

دانیال کی سنہری آنکھیں کسی خوب صورت احساس سے دمک رہی تھیں۔

''ویری گڈ۔ ایسا کون ریفارمرمل گیا تمہیں؟ جس نے اتنی جلدی سدھار دیا۔''

''سب کچھ آج ہی پوچھ لیں گے چاچو، کچھ آگے کے لیے بھی رہنے دیں۔'' دانیال مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ جیب سے موبائل نکالا۔ نیب کے درجنوں میسج آئے ہوئے تھے۔ اسے جواب دینے کے لیے۔ موبائل ابھی آن کرتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا کہ امی جان کی طرف سے حاضری کا حکم آ گیا۔

''جی!'' وہ کمرے میں گیا تو والد صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ آج وہ بہت دیر سے گھر آئے تھے۔ دانیال کو تو ویسے بھی دونوں سے بات کرنی تھی۔ سوچا تھا کہ کل آرام سے بیٹھ کر بات کرے گا مگر اس سے پہلے خود اس کا ہی بلاوا آ گیا۔

''بات یہ ہے کہ ہم نے تمہارا رشتہ فائنل کر دیا ہے۔'' بڑے پاپا زیادہ لمبی چوڑی تقریر یا تمہید کے قائل نہ تھے۔ ٹو دی پوائنٹ بات کرتے اور بس۔

''کیا؟'' دانیال کے سر پر تو جیسے بجلی گر پڑی۔

''ہم نے تم سے کہا تھا کہ کوئی اور پسند ہے تو بتا دو، تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ارمان صاحب کو جلدی تھی۔ لڑکی کے اور بھی پروپوزل آئے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے ہمیں پہلے ترجیح دی۔ اب تم تو سوچنے سوچنے میں سال بھر لگا دیتے میں نے انہیں ہاں کہہ دی۔''

''انہیں اتنی جلدی تھی کہ مجھ سے ملے بغیر ہی میرے لیے ''ہاں'' کر دی؟''

دانیال کی تو جان جل کے رہ گئی۔ جس معاملے کو اس نے کیک کا نرم ٹکڑا سمجھا تھا کہ بڑے آرام سے حلق سے نیچے اتر جائے گا وہ لوہے کا چنا بن گیا تھا۔

''انہوں نے ہمیں دیکھ کر ہامی بھری ہے۔ میرے دوست ہیں۔ ویسے تو انہوں نے تمہیں دیکھا ہوا ہے۔ پہلے مل بھی چکے ہیں تم سے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کا بیٹا ہے۔ بس کافی ہے اتنا۔'' پاپا نے فخر

سے کہتے ہوئے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔

''مما!'' دانیال نے مدد طلب نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''بیٹا! کب سے تمہیں بتایا ہوا ہے۔ پوچھا بھی تم سے۔ تم نے سوچنے کا کہا تھا۔ ہم نے خود ہی فیصلہ کرلیا۔ کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں تم پر؟'' امی جذباتی ہوگئیں۔

''مما! میں پسند کرتا ہوں کسی کو، آج ہی بتانے والا تھا آپ کو۔'' دانیال قریب قریب روہانسا ہوگیا تھا۔

''تو اتنے دنوں سے بتایا کیوں نہیں؟'' پاپا نے سوال کیا۔

''پہلے اس سے نہیں کی تھی اس ٹاپک پر بات، اب اس سے بات کرکے پھر آپ کو بتانے والا تھا۔''

''کوئی اشارہ ہی دے دیتے تو ہم ٹھہر جاتے ابھی۔'' ممانے تاسف سے بیٹے کو دیکھا۔

''مجھے کیا معلوم تھا آپ کو اتنی جلدی ہے اور وہ آپ کے دوست، وہ بھی ہوا کے گھوڑے پہ سوار ہیں۔'' دانیال نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔

''مجھے نہیں معلوم، میں کسی اور لڑکی سے ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا۔'' چند لمحوں بعد دانیال نے سر اٹھا کر اٹل اور ضدی لہجہ میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''میں زبان دے چکا ہوں اپنے دوست کو۔'' پاپا کا موڈ خراب ہوا اور چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ ممابے چاری کبھی بیٹے کو، کبھی شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

منیب کا فون آیا تھا وہ تازہ ترین صورت حال جاننے کے لیے بے چین تھا۔ دانیال نے مختصر لفظوں میں ساری رام کہانی سنادی۔

''یہ کیا ہوگیا یار، پکی پکائی کھیر کا دلیہ کیسے بن گیا؟'' منیب نے اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کیا۔ دانیال خاموش رہا۔ اس وقت تو کچھ بھی بولنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''اب کیا ہوگا یار؟''

''پتا نہیں۔'' دانیال نے مختصر بات کرکے فون بند کردیا۔

اب سے چند گھنٹے پہلے وہ کتنا خوش تھا جب بیلا سے بات کرکے آیا تھا۔ اور اب؟ سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ کر چت لیٹا ہوا دانیال یاسیت کے عالم میں سوچ رہا تھا۔ وقت اور انسان دونوں ہی کبھی ناقابل بھروسا ہوجاتے ہیں۔ اس نے ایک نظر موبائل کو دیکھا۔ اٹھایا کچھ دیر سوچتا رہا پھر رکھ دیا۔ بیلا سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اس سے کہا بھی تھا کہ رات میں فون کرکے خوش خبری سنائے گا مگر یہاں تو ساری مٹھاس جیسے کھٹاس میں بدل گئی تھی۔

اب بیلا کو کال کرلیتا تو کیا بتاتا اسے؟ جھوٹ بول نہیں سکتا تھا۔ سچ بتاتا تو یقیناً والدین کے حقوق اور فرماں برداری پر لیکچر مل جاتا۔ اور وہ خود کوئی اتنا خودغرض اور بدتمیز نہیں تھا کہ والدین کا دل دکھا کر اپنے دل کی خوشی کا سامان کرتا۔ مگر اس دہائیاں دیتے دل کا کیا کرے؟ یہ بھی تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

''تو دانیال مرزا اب سے چند ماہ پہلے تک تم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ محبت کے سارے مرحلوں سے یوں باری باری گزروگے؟ پہلے خوشی پھر بے بسی، اور یہ محبت کے مرحلے ہی نہیں بلکہ اس جذبے کی شاید تعریف بھی یہی ہے۔ الٹا سیدھا سوچتے سوچتے اور لیٹے لیٹے تھک گیا تو اٹھ کر بالکونی میں آگیا۔

سیاہ رات کا دریا، کہیں کہیں جھلملاتے تاروں کے ساتھ رواں دواں تھا۔ رات کے سناٹے اور تاریکی میں انسان کو اپنا آپ بہت واضح اور کھل کر دکھائی دیتا ہے۔ اندر کی ہر آواز بہت صاف طور پر سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ شاعری کا ذوق نہیں رکھتا تھا مگر پرانی موسیقی اور نغموں سے دلچسپی تھی۔ اسے نہ جانے کیا کیا کچھ یاد آرہا تھا۔

یہ رات یہ خموشی، یہ خواب سے نظارے
جگنو ہیں یا زمین پر اترے ہوئے تارے
بے خواب میری آنکھیں مدہوش ہے زمانہ

واہ دانیال مرزا، تم پر بھی یہ وقت آنا تھا۔ یاسیت اور مایوسی میں لپٹی ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی۔

اگلے روز آفس سے واپسی پر لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اس نے اپنا رخ فلاور شاپ کی طرف نہیں کیا۔ سیدھے آگے نکلتے ہوئے دل نے بے نقط سنائی تھیں مگر وہ بھی کیا کرتا۔ ایک شرمندگی سی شرمندگی تھی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ کتنے وثوق اور کتنے آرام سے وعدہ کر کے آیا تھا اس سے رات میں فون کر کے خوش خبری سنانے کا اور اب اگلی رات آرہی تھی۔ جو خوش نصیبی ایسے اتنی قریب لگی تھی کہ بس ہاتھ بڑھا کر چھونے کی دیر تھی۔ وہ یکا یک ہی اتنی دور چلی گئی تھی کہ ہاتھ آتا تو دور کی بات اسے نظر آنے میں بھی دشواری تھی۔

گھر آ کر امی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''مما! کچھ کریں پلیز کچھ بھی کریں مگر پاپا کو روکیں، وہ کیا کر رہے ہیں؟'' دانیال بچی لہجے میں ماں سے کہہ رہا تھا۔

''دانیال بیٹا! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' وہ حیرت سے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

''پتا نہیں مما، مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں اتنا انوالو ہو گیا ہوں۔'' دانیال نے ایک مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ مما کو دیکھا۔

''تم بھی بس بے وقوف ہو۔ پہلے بتا دیتے میں ہینڈل کر لیتی۔ اب کیسے قائل کروں تمہارے پاپا کو، جانتے تو ہو تم انہیں، زبان کی پاس داری وعدے کا نبھانا کتنا اہم ہے ان کے لیے۔ زندگی سے زیادہ زبان کو اہمیت دیتے ہیں۔ جو کرنے کا کہتے ہیں اسے پھر کر کے دکھاتے ہیں یوٹرن نہیں لیتے۔ تم خود ہی بتاؤ، اتنے مشکل انسان کو کیسے اور کیونکر مناؤں؟'' امی نے ایک چھوٹی سی تقریر جھاڑ دی۔

بیٹے کا اُترا ہوا چہرہ انہیں اداس کر رہا تھا۔ وہ جو ہر وقت ہنستا، کھلکھلاتا سب سے شوخیاں کرتا رہتا تھا۔ اس کی خاموشی، انہیں تکلیف دے رہی تھی، مگر وہ بھی کیا کرتیں۔ شوہر کی عادت و مزاج کے سب ہی رنگوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔ انہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر آمادہ کرنا بس خیال خام تھا۔ مگر بیٹے کو دیکھ کر ان کا دل پگھل رہا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے اتنے شوخ، کھلنڈرے بیٹے کے اندر اتنا حساس دل چھپا ہوا ہے۔ کیا واقعی بہت پسند کرنے لگے ہو اس لڑکی کو؟''

''مما! آپ اس سے ملیں گی نا تو آپ کو بھی وہ اتنی ہی اچھی لگے گی، جتنی مجھے لگتی ہے۔'' دانیال نے دعوا کیا۔

''مجھے کیا پتا تم ملواتے تو علم ہوتا کہ کتنی اچھی ہے اور کتنی نہیں۔''

''اب ملوا دوں گا۔ بلکہ ساری عمر ملتی رہے گا بس پاپا کو کسی طرح منا لیں۔'' دانیال کے بس میں اور تو کچھ تھا نہیں ماں کی منتیں کر رہا تھا۔

''دیکھو دانیال! تم ابھی فی الحال تو پاپا کی بات مان کر ان کے گھر چلو سنڈے کو پھر آگے دیکھتے ہیں۔ میں مسز فرمان سے بات کر لوں گی بعد میں کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔ آئی پرامس، تمہاری مدد کروں گی ضرور۔'' مما نے پورے یقین سے کہا تھا۔

☆☆☆

منیب مخلص دوست تھا اس کا۔ محض اچھے وقتوں کا ہی نہیں برے وقت کا ساتھی بھی تھا۔ روزانہ فون پر بات کر کے اسے نت نئے مشورے دیے رہا تھا۔ آج بھی دانیال نے اسے پوری بات بتائی تھی۔ مما کی تجویز بھی بتائی۔

''یار بات سن، میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ تو چلا جا اپنے ہونے والی سسرال۔'' منیب نے مشورہ دیا۔

''گھاس کھا گیا ہے کیا۔ جب مجھے وہاں کرنی ہی نہیں شادی تو وہاں کیوں جاؤں؟ ایسے ہی آنیاں جانیاں کر کے بات بڑھتی چلی جائے گی اور میری بارات کا دن آجائے گا۔'' دانیال تقریباً بھڑک ہی اٹھا تھا۔

''میری بات غور سے سن شہزادے، کوئی بھی والدین اس بات کو برداشت نہیں کرتے کہ جس لڑکے کو وہ اپنا داماد بنا رہے ہیں وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہے۔ تو وہاں جا اور مناسب موقع دیکھ کر انکل یا آنٹی کو ذرا شریفانہ انداز میں ادب اور تمیز کے ساتھ بتا دے کہ تو کہیں اور انوالو

ہے اور یہ رشتہ تیری مرضی ومنشاء کے خلاف ہے۔ پھر دیکھ تیری محبت کا رن وے پہ کھڑا طیارہ یوں پرواز کرے گا کہ منٹوں سیکنڈوں میں آسمان پر پہنچ جائے گا اور انکار ان کی طرف سے ہوگا۔ تیرے ابا کی زبان، آن بان شان کسی کو بھی خراش تک نہیں آئے گی۔''

''منیب! میرے دوست! زندگی میں آج پہلی بار تجھ پہ پیار آرہا ہے۔'' دانیال نے اپنے مخصوص انداز میں اسے خراج تحسین پیش کیا تھا۔

☆☆☆

سہ پہر سے ہی والد محترم نے شور مچایا ہوا تھا۔ ارمان صاحب کی وقت کی پابندی کی عادت پر تقریر سنا سنا کر وہ خود سب سے پہلے تیار ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

''تیار تو ایسے ہوئے ہیں جیسے میرے بجائے ان کا بر دکھوا ہے؟'' دانیال نے بے حد جل کر سوٹ میں ملبوس والد محترم کو دیکھا تھا جنہوں نے حفظ ماتقدم کے تحت اسے اچھی طرح ڈریس اپ ہونے کی تلقین کی تھی۔

''ہونے والی سسرال ہے، کرکٹ کا میچ کھیلنے نہیں جارہے ہیں۔ ڈریسنگ اچھی ہونی چاہیے فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن۔''

دانیال تیار ہو کر نیچے آیا تو سب کی ستائشی نظریں اس پر تھیں۔

''بڑی مما، آپ نے دانیال کو بتایا نہیں کہ آج صرف بر دکھوا ہے۔ بارات نہیں۔''

مناہل نے اپنے موبائل سے نظریں اٹھا کر حسب عادت چھیڑ خانی کی پھر سب کی پسس لیں، اور جب یہ چھوٹا سا قافلہ روانگی کے بعد فرمان صاحب کے خوب صورت بنگلے کے عالیشان ڈرائنگ روم میں بیٹھا تو گھڑی میں وہی وقت ہو رہا تھا جو انہوں نے مہمانوں کو دیا تھا۔

چہرے پر بے زاری سجائے صوفے پر بیٹھا وہ اپنے جوتوں کی نوک گھور رہا تھا انکل آنٹی کو سلام کرنے کے بعد بس رسمی سی ایک دو باتیں ہوئی تھیں پھر تھوڑی دیر بعد انواع واقسام کے مشروبات سے میز سجنے لگی تھی۔

''ارے بیٹے یہ پیجئے نا آپ، تکلف سے کام نہ لیں۔ بس اپنا ہی گھر سمجھیں۔'' انکل آنٹی بار بار کچھ اسی قسم کے فقرے بول کر دانیال کی خاطر داری کر رہے تھے جو ان کے بے حد اصرار پر ایک بسکٹ اٹھا کر اس کا کونا کتر رہا تھا۔

''اچھے خاصے اسمارٹ تو ہو بیٹا، کیا آج کل ڈائٹنگ پر ہو؟''

آنٹی نے بڑے پیار سے پوچھا تھا۔ اور ساتھ ہی لوازمات سے بھری پلیٹ اس کی طرف بڑھائی تھی۔ دانیال کو چوں چرا کیے بغیر پلیٹ تھامنی پڑی، پاپا جان اسے جن نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں گھورنا کہتے ہیں۔

نہ جانے اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں، یا پھر فون پر بات کرنی پڑے گی۔'' ڈونٹس کا بائٹ لیتے ہوئے دانیال انتہائی کوفت سے سوچ رہا تھا۔

خوشبو کا جھونکا اندر آیا تھا۔ ساتھ ہی رنگین آنچل لہرایا۔

''السلام علیکم!''

آواز سن کر دانیال محاورتاً نہیں حقیقتاً اچھل پڑا تھا۔ ہاتھ سے پلیٹ گرتے گرتے بچی تھی نگاہیں۔ جوتوں کی ٹو سے ذرا اوپر ہو کر پلیٹ پر آئی تھیں اب حیران ہو کر اٹھی تھیں۔ سنہری چہرے کی سیاہ آنکھوں سے الجھیں اور۔

''تم!'' دانیال کا چہرہ کچھ اس طرح ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

''ہیلو!'' رابیل اسے دیکھ بہت شائستگی سے مسکرائی تھی۔

''کیسی ہو بیٹا، آؤ ادھر بیٹھو ہمارے پاس۔''

بیٹے کے ہونق چہرے سے بے نیاز مما اور پاپا اپنی ہونے والی بہو کے لاڈ پیار کرنے میں مصروف تھے۔ دانیال گنگ بیٹھا سب کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ جواب ایک ایک کر کے کھڑے ہو رہے تھے۔

''اچھا بھئی بچو! تم لوگ ایک دوسرے سے بات کرو، ہم آتے ہیں ابھی۔ پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس۔'' پاپا نے جاتے جاتے بیٹے کو وقت اور وارننگ

دونوں دے دیے۔

''کیا ڈراما ہے یہ؟ دانیال کی زبان اب کھلی تھی۔ جو ایک دم گونگی ہوگئی تھی۔ اب بھی وہ بے یقینی کے عالم میں رابیل کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھ کھلی اور سپنا غائب۔

''کوئی ڈراما نہیں۔ نہ ہی فلم، بس انکل اور پاپا کی بہت اچھی دوستی تھی۔ انکل نے مجھ سے کہا کہ میرا بیٹا کچھ انوکھا ہے اور کچھ بگڑا ہوا لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم اسے سدھار لوگی تو کیا میری بہو بنو گی؟''

''اور تم نے ہاں کر دی؟''

''جی نہیں، میں بھی کوئی اتنی نیک پروین نہیں ہوں۔ میں نے بس ایک شرط رکھی تھی۔'' سیاہ آنکھوں میں ستارے جگمگانے لگے۔

''کیا شرط؟''

''یہی کہ میں موصوف کا فقط فوٹو دیکھ کر ہاں نہیں کروں گی، بلکہ بالشمافہ ملاقات کے بعد چند ملاقاتیں کر کے پھر فیصلہ کروں گی۔'' رابیل بڑے مزے سے پیر ہلاتے ہوئے انکشاف کر رہی تھی۔

''اور یہ ملاقاتیں؟'' دانیال نے یقین نہ کرنے والے انداز میں سر ہلایا۔

''جی، پہلی بار مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ آپ منیب کے ساتھ مارٹ میں ہیں۔ میں با آسانی پہنچ گئی تھی آپ دونوں تک اور ریسٹ از دی ہسٹری (باقی سب تاریخ ہے)

''اور ولیمہ کا بھی فون آیا تھا تمہیں؟''

''آف کورس،'' رابیل نے سر ہلایا۔

''اور وہ فلاور شاپ؟''

''وہ میرے ایک انکل کی ہے۔ یہ آئیڈیا میرا تھا۔ تمہارے آفس سے قریب تھی وہ شاپ۔''

''اور تمہیں یہ خوش فہمی ہوئی کہ میں تمہیں وہاں دیکھ کر ضرور آؤں گا۔''

''اونہوں! خوش فہمی نہیں، الہام، مجھے الہام ہوا تھا کہ تم ضرور آؤ گے؟''

''اور اگر نہ آتا تو؟''

''تو انکل نے اپنے آفس میں میرے لیے عارضی طور پر ایک جاب کا بندوبست کر رکھا تھا۔''

''اوہ..... تو سارے ہی لوگ شریک تھے اس سازش میں۔'' دانیال نے ایک گہری سانس لی۔

''نہیں، نہیں، کسی کا کوئی قصور نہیں، وہ میری شرط تھی، اس لیے۔'' رابیل نے سب کا دفاع کرتے ہوئے الزام اپنے سر لیا۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے، میری کیا حالت ہے دو دن سے، ہر ہر لمحے مر رہا تھا میں، دل چاہ رہا ہے مرڈر کر دوں تمہارا۔'' دانیال کی حالت بس کچھ ایسی ہی تھی جیسے کسی نے پھانسی کا پھندا اس کے گلے سے نکال لیا ہو۔

''آپ مجھے پہلے ٹھیک ٹھاک لگے۔ پھر اچھے اور اس دن سب سے زیادہ اچھے لگے، جس دن مجھے پرپوز کیا تھا۔'' رابیل کی آواز کی کھنک اور چہرے پر جو چمک تھی دانیال آج پہلی دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا یہ اعتراف بھی میرے اس ارادے کو بدل نہیں سکتا جو تمہاری جان لینے کے بارے میں، میں نے طے کر لیا ہے۔''

''واقعی!'' رابیل آج واقعی بہت حسین لگ رہی تھی، دانیال گڑبڑا گیا۔

''ہاں ہاں، بالکل واقعی۔'' دانیال نے منہ پھلا لیا۔

''پندرہ منٹ پورے ہونے والے ہیں۔'' رابیل نے اعلان کیا۔

''کیا؟'' وہ بوکھلا گیا۔

''بات سنو، میں.....''

''صاحبزادے، ٹائم پورا ہوگیا تمہارا۔'' پاپا اندر داخل ہوئے تھے اور ان کے پیچھے باقی سب۔

''اب نیا وقت شروع ہونے والا ہے۔ اظہار الفت بعد میں ہی سہی۔''

دانیال کے چہرے پر وہی خوب صورت مسکان ٹھہر گئی جو رابیل کے لبوں پر تھی۔

☆

سعدیہ رئیس

"سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر ایسی کون سی حور پری آسمان سے اتر کر آئے گی۔ شہزادے کے لیے کہ ہر تصویر کو رد کر رہا ہے۔ یہ لڑکا۔ جانے اس روئے زمین کے کون سے کونے پر بستی ہے ان کی من پسند، دل پسند لڑکی۔" آج تو سندس کا غصہ عروج پر تھا۔

سال بھر ہو گیا تھا زیام کو انہیں یونہی ٹالتے ٹالتے آخر کب تک وہ اپنی جوتیاں گھساتی رہتی اور آج اس کا مزاج ویسے بھی بہت گرم ہو رہا تھا۔ ایک تو آگ برساتی گرمی اس پر بار بار کی لوڈ شیڈنگ، کھڑکی کھولو تو لو کے تھپیڑے پردے ڈال کر بند کرو تو حبس اور گھٹن بڑھ جاتی کیونکہ بجلی کی عدم موجودگی کی وجہ سے پنکھے بھی جیسے منہ چڑا رہے تھے اسپلیٹ کی ٹھنڈک بھی آہستہ آہستہ کم ہوتے ختم ہی ہو گئی تھی مرے پر سو درے کے مصداق آج کام والی نے بھی بغیر بتائے چھٹی کر لی تھی۔ سارا گھر اوندھا پڑا تھا اس لیے سورج کے ساتھ ساتھ اس کا غصہ بھی سوا نیزے پر تھا۔

"آجائے اب یہ نواب صاحبہ، ہر دو دن بعد چھٹی کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ تنخواہ لیتے وقت کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔ ٹھیک کرتی ہوں اب میں اس مراداں کے مزاج۔" وہ زور زور سے بڑبڑاتی، چیزوں کو اٹھا پٹخ کر رہی تھی۔

لاؤنج میں کرسی پر بیٹھے زیام پر جیسے کوئی اثر ہی نہ ہو رہا تھا وہ مزے سے موبائل پر گیم کھیلنے میں مگن تھا۔

"افوہ کیا ہو گیا سندس، کیوں اتنی چڑچڑی ہو رہی ہو۔ ہو گی کوئی وجہ کل آئے گی تو پوچھ لینا اس سے اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کر لینا۔ اب اپنا موڈ خراب نہ کرو مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے۔" اس کی بڑبڑاہٹیں اور کھٹر پٹر سن کر ناہید وہیں چلی آئیں۔

"ارے نہیں امی..... میں کر لوں گی سب....."

ماں کو دیکھ کر سندس نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"کام وام تو ہو جائے گا مجھے تو اصل میں زیام پر غصہ آرہا ہے۔ جو کانوں میں روئی ٹھونسے بیٹھا ہوا ہے اور ہم لڑکی ڈھونڈنے کے لیے چکر پر چکر لگا کر خوار ہو رہے ہیں کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آرہی موصوف کو۔" کچن سے باہر نکلتے ہوئے اس نے سامنے بیٹھے زیام کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک ہی تو بھائی تھا اس کا۔ اس کے دل میں اس کی شادی کے بڑے ارمان تھے مگر زیام ہر بار منع کر کے اس کی ساری خوشی پر پانی پھیر دیتا۔ ساری بھاگ دوڑ اور محنت برباد ہو جاتی۔

پہلے تو اس کا یہ عذر قابل قبول تھا کہ کیریئر نہیں بنا ہوا مگر اب تو وہ بالکل سیٹ ہو گیا تھا۔ بہترین جاب مل گئی تھی اسے لیکن اب بھی وہ سندس کی لائی ہر تصویر کو رد کر دیتا۔

''آخر کیا خرابی ہے اس میں؟'' وہ اس کے کان کے پاس جا کر چیخی۔

''کچھ نہیں، ٹھیک ٹھاک معقول لڑکی ہے۔ میں نے کب کہا کہ خرابی ہے۔'' اس کی بات سن کر اس کا دماغ گھوم گیا۔

''تو پھر انکار کی کوئی خاص وجہ؟'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں پوچھنے لگی۔

''کچھ خاص نہیں بس یہ ہے کہ میں اس سے شادی سے پہلے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کے خیالات جاننا چاہتا ہوں آئی مین..... میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے مزاج سے میری شخصیت سے میچ کرے..... جب میرے ساتھ چلے تو زندگی کے ہر میدان میں میری ہم قدم ہم مزاج ہو۔'' بالآخر اس نے اصل بات بتا ہی دی۔

''کیا!!! دماغ ٹھیک ہے تمہارا..... مشرقی معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے اس کو اور خاندان میں بھی کہیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ معاف کرنا زیام ارینج میرج میں یہ سب نہیں چلتا، تصویر دیکھنے کو مل جاتی ہے وہی بڑی بات ہے۔ ہاں ایک نظر دیکھنے کا چانس دلوا سکتی ہوں یہ میرا وعدہ ہے۔'' اس کے نادر خیالات سن کر سندس نے آنکھیں پھاڑ کر اسے حیرت اور غصے سے دیکھا اس کے ساتھ ہی اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی۔

''کون سے دور میں جی رہی ہیں آپ؟ یہ میڈیا کا دور ہے فاسٹ دور، اب لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو موبائل میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ آپس میں بات بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے جیسے ہی اڑائی۔

''تو پھر مجھے معاف رکھو۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''بلکہ ایسا کرو کہ لو میرج کر لو، مجھے تو تمہارے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ جن لڑکے لڑکیوں کی تم بات کر رہے ہو وہ اعلیٰ خاندان کے نہیں ہوتے نہ ہی ان کی کوئی تربیت ہوتی ہے۔ وہ بگڑے ہوئے آزاد ماحول کے پروردہ ہوتے ہیں۔'' جذبات میں آ کر اس نے اسے کھری کھری سنا دیں۔ سچ تو یہ تھا کہ زیام کی باتوں نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔ وہ تو خود بھابھی پسند کر کے لانا چاہتی تھی مگر زیام کے مطالبات سے ایسا ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔

''سچ سچ میرا یہ مطلب تھوڑی تھا بس دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ شادی سے پہلے ہم ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔ ہماری انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے تھوڑی بہت اور آپ میری بات کو کوئی اور رنگ دے رہی ہیں میں اس لڑکی کے ساتھ ڈیٹس پر نہیں جانا چاہتا نہ ہی لو میرج کرنا چاہتا ہوں، بس چاہتا ہوں کہ بڑوں کی سرپرستی میں کوئی مناسب راستہ نکل آئے۔'' اس نے وضاحت دی۔

''مشکل ہے، بہت مشکل.....'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''یا پھر تمہیں اگر کوئی پسند ہے تو بتا دو۔'' اسے ایک دم ہی دوسرا خیال آیا۔ زیام نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ زچ آ گئی عجیب مشکل میں ڈال دیا تھا اس نے اسے۔

☆☆☆

اس کی شادی کو تین سال گزر گئے تھے اور تب سے اس کی ماں ناہید گھر میں اکیلی رہ گئی تھیں۔ وہ جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہتی تھی، اسی لیے آج حتمی بات کرنے کے لیے اسے بلایا تھا مگر اس کی باتیں سن کر اس کا سر چکرا کر رہ گیا۔ اس کی فرمائش پوری کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ کتنی ہی لڑکیاں اس نے رد کر دی تھیں۔ شروع میں تو وہ بہت پرجوش تھی ہر لڑکی کو بڑی باریک بینی سے آنکھ، ناک، کان، چال ڈھال سب حدود اربعہ کا گہری نظروں سے جائزہ لیتی۔ لڑکی کے علاوہ وہ اس بات کا بھی خیال رکھتی کہ لڑکی والے ان سے زیادہ امیر نہیں تو ہم پلہ ضرور ہوں

بہت دیکھ بھال چھان پھٹک کے بعد وہ جس لڑکی کو پسند کرتی زیام اسے ایک شان بے نیازی سے مسترد کر دیتا لیکن اب اس کی انوکھی فرمائش سننے کے بعد وہ نئے سرے سے ذہن کے گھوڑے دوڑانے لگی تاکہ کوئی راستہ نکلے اور زیام کی خواہش پوری ہو جائے۔

دو دن کی خواری کے بعد تیسرے دن مراداں کی شکل دیکھ کر سندس کے چہرے کی رونق بحال ہوگئی۔ دو دن کی تگ خواری کے بعد غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا اس لیے مراداں کو سخت باتیں نہ سنا سکی۔

''بغیر بتائے چھٹی کر جاتی ہو جانتی بھی ہو اکیلا ہاتھ ہے میرا..... آئندہ سے چھٹی کے پیسے کاٹوں گی۔'' اس نے وہ دھمکی دی جس پر آج تک کبھی عمل نہ کیا تھا نہ ہی مراداں پر کبھی اس دھمکی کا اثر ہوا تھا۔

''اوجی..... بی بی جی..... بس جی کیا بتاؤں..... مینوں نے.....'' پھر جو اس کی داستان امیر حمزہ شروع ہوئی تو سندس کو مزید کچھ بولنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ ہمیشہ ہی اس کی اپنی مجبوریوں کی لمبی کہانی ہوتی تھی کہ وہ سیج جاتی اور اسے باتیں سنانے کے بجائے، اس کے مسئلے مسائل سن کر پریشان ہو جاتی۔ اس بار وہ اپنی بیماری کا نیا قصہ لے کر آئی تھی۔ علاج کے پیسے بھی اس نے ادھر ادھر سے ادھار لیے تھے اور اب بڑی آس سے سندس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ اس روز اس نے ہائے وائے کر کے تھوڑا بہت کام ہی کیا مگر سندس کے لیے یہ بھی بہت بڑا آسرا تھا کہ دو روز سے خود کام کر کے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ چلتے وقت اسے نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ رقم تھمانی پڑی لیکن اگلے دن آنے کا وعدہ بھی لے لیا۔

اگلے دن نئی امیدوں کا سورج طلوع ہوا۔ اس نے زیام کی خواہش پوری کرنے کے لیے طے شدہ منصوبے کے مطابق چاچی مسرت کو بڑی محبت اور اصرار سے اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا تھا اور اپنی مدد کرانے کے بہانے ان کی بیٹی حیا اور بھانجی اریبہ کو دوپہر سے ہی اپنے ہاں آنے کی تاکید کر دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں فیشن کی چلتی پھرتی دکان ہونے کے باوجود دونوں لڑکیاں شرم و حیا کا پیکر بننے کی پوری پوری اداکاری کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر تو کبھی پلکیں گرا کر مسکرا رہی تھیں۔ کچن میں اس کے ساتھ چھوٹے موٹے کام نمٹاتے اور باتیں کرتے وقت تیزی سے گزر گیا کچھ ہی دیر میں مراداں بھی آ گئی، جسے دیکھ کر سندس کی جان میں جان آئی کیونکہ جھوٹے برتنوں کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا اور صفائی بھی کرنی تھی۔ مراداں اکیلی نہیں آئی تھی اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ سولہ سترہ سال کی نوراں معمولی کپڑوں اور کچھ میلے میلے سے حلیے میں ماں کے پہلو سے جڑ کر کھڑی تھی۔

''میری بیٹی ہے جی..... نوراں.....'' مراداں نے دانت نکال کر تعارف کرایا۔

''نوراں نہیں نور ہے میرا نام۔'' اس نے جھٹ ماں کو ٹوکا۔

''ائے وہی..... میٹرک پاس ہے جی، محنت مزدوری کر کے پڑھایا لکھایا ہے لاڈو ہے میری..... بس آج ذرا جی مندا تھا تو ساتھ لے آئی ہاتھ بٹانے کو۔'' مراداں تفصیل سے اور بھی بہت کچھ بتانے کے موڈ میں تھی مگر اس کے پاس اس کی کن ترانیاں سننے کا وقت نہ تھا۔ اس نے جلدی سے اسے کام سے لگا دیا۔ اسے شدت سے زیام کا انتظار تھا کیونکہ آج کے مہمان صرف اسی کی وجہ سے یہاں موجود تھے۔

تھوڑی دیر بعد زیام اس کے مطلوبہ سامان کے بہت سے شاپرز ہاتھ میں پکڑے چلا آیا، وہ زیام کو جلدی سے اپنے بیڈ روم میں لے آئی اور اسے ساری صورت حال سمجھا دی تاکہ وہ شادی سے پہلے بات کرنے کا شوق پورا کر لے۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے حیا اور اریبہ دونوں ہی پسند آ رہی تھیں۔ دونوں نئے زمانے کے ساتھ چلنے والی اور خود اعتماد تھیں۔ وہ بیڈ روم سے باہر آئی تو نوراں روش کی جھاڑو دے رہی تھی۔ وہ مراداں کے پاس جا کر اسے مزید کام کی ہدایات دینے لگی۔ کافی دیر تک جب زیام وہاں نہیں آیا تو اسے الجھن ہونے لگی وہ اسے بلانے بیڈ روم میں

جارہی تھی تو اسے نوراں ستون ٹیک لگائے کھڑی نظر آئی وہ اس وقت کھل کر مسکرا رہی تھی۔ وہ اپنے بیڈروم روم میں گئی تو زیام موبائل پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ اسے جھاڑ پلا کر وہ زبردستی باہر لے کر آئی جہاں مہمان اسی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ چاچی مسرت سمجھدار خاتون تھیں، سندس نے ان کو صرف اشارتاً اپنا مقصد بتایا تھا اور وہ سب کچھ سمجھ گئی تھیں۔ حیا اور اریبہ کے پاس نہ باتوں کی کمی تھی نہ موضوعات کی ایک بہت اچھی فضا بن گئی، سندس کو لگا امید بر آئے گی مگر زیام نے دونوں کو رد کر دیا۔

''اب ملوا بھی دیا..... دیکھ بھی لیا تو اب کیا مسئلہ ہے آخر۔'' وہ چڑ گئی۔

''دو گھڑی کا ملنا بھی کیا ملنا......ایک ملاقات میں انسان کو پہچاننا بہت مشکل ہے۔'' اس کے انداز میں خود پرستی جھلک رہی تھی، بس میں اور صرف میں......

''اب تمہاری یہ بکواس میں مزید نہیں سن سکتی۔ تمہارا کیا خیال ہے میں ڈیٹس بھی کرواؤں گی...... امپاسبل..... اسے سنبھالیں امی۔'' وہ سخت ناراض ہوگئی۔

اسی وقت نوراں ٹرے میں چائے لیے چلی آئی۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ بھری دھند تھی۔ پسینے کے باعث رنگت سنولائی گئی تھی۔ ملگجے کپڑوں میں وہ کچھ اور بھی میلی لگ رہی تھی۔

''یہ کون ہے؟'' اس کے جانے کے بعد زیام نے ناگواری سے پوچھا۔ اصل بات یہ تھی کہ جہاں اس کے خیالات اونچے وہاں اس کا ذوق بھی اعلیٰ تھا۔ مہنگی چیزیں خریدنا اس کی فطرت تھی۔ بے نتہا نفیس مزاج تھا اسی لیے اسے نوراں کا ظاہری حلیہ بہت برا لگا۔

''سندس کی کام والی مراداں کی بیٹی ہے یہ آج ساتھ لے کر آئی ہے اسے'' اس کے بجائے امی نے جواب دیا کیونکہ وہ تو..... منہ پھلا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیسی گندی کام والی رکھی ہے کچھ تو اپنا اسٹینڈرڈ بنا کر رکھیں۔'' اس نے خفا بیٹھی سندس کو چھیڑا۔

''ناراض ہوگئی ہے وہ، تم اس کو بہت ستا رہے ہو۔'' امی نے احساس دلایا۔

''بس، مجھے اب کچھ نہیں کرنا اور نہ مجھ سے کوئی کچھ کہے۔ عفان آنے والے ہیں میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں۔'' پہلی بار وہ سخت خفا ہوگئی تھی لیکن زیام نے اسے سنجیدگی سے نہ لیا۔

☆☆☆

وہ تقریباً روز ہی اس کے گھر ایک چکر ضرور لگاتا تھا کیونکہ ایک اسٹاپ کا فاصلہ تھا دونوں گھروں میں اگلے دن وہ آیا تو سندس بے رخی برتتی رہی، وہ خود ہی ڈھیٹ بنا بلاوجہ باتیں کرتا رہا۔ اسی دوران مراداں آگئی آج بھی نوراں اس کے ساتھ تھی۔ وہ گھر کے کام نمٹوانے میں لگ گئی۔ کافی دیر بعد وہ کمرے میں گئی تو وہ اس کے بیڈ پر لیٹا کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا، اسے دیکھا تو فون بند کر دیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لاؤنج میں گئی تو وہاں بیٹھا موبائل پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ وہ نولفٹ کرائی رہی اور اس سے کوئی بات نہ کی۔ اس دیکھا مراداں صحن صاف کر رہی تھی اور نوراں کام کاج سے فراغت کے بعد ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ اس کی چمپئی رنگت میں تھکاوٹ بھری سیاہی گھلی ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر ایک کھلتی ہوئی اچھوتی سی مسکراہٹ تھی۔ اسے غور سے دیکھتا پا کر اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور اس نے ہاتھ میں تھمی کوئی چیز اپنے دوپٹے میں چھپا لی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ اس نے گھر سے کچھ چرایا ہے، وہ فوراً اس کے سر پر پہنچی۔

''کیا ہے یہ دکھاؤ...... کیا چھپا رہی ہو؟'' اس نے کڑک دار انداز میں پوچھا۔

''جی وہ...... یہ...... یہ اماں کا فون ہے......ابا کا فون آنے والا ہے، اس لیے اماں نے مجھے سنبھالنے کے لیے دیا ہے'' ڈر کے مارے اس کا رنگ اڑ گیا اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

اسے اپنی جلد بازی اور شک پر بے حد افسوس ہوا۔ شور کی آواز کر زیام کمرے سے باہر آ گیا۔

''یہ کیسا شور ہے؟'' زیام نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا پھر اس کی اڑی رنگت اور آنکھوں میں آنسو دیکھ کر خود ہی کچھ کچھ سمجھ گیا۔

''اے لڑکی! پانی پلاؤ۔'' اس نے اسے منظر سے ہٹایا کیونکہ شرمندگی سے وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

وہ جھٹ، لپک جھپک کر پانی لے کر آ گئی اسے گلاس دیا تو اس نے ناگواری سے گلاس کو منہ سے دور کر دیا۔

''یہ کیسی اسمیل آ رہی تھی اس لڑکی میں سے گلاس تک میں بو آ گئی۔'' اس کے جانے کے بعد اس نے ناگواری سے کہا۔

''ہاں تم سا انوکھا کوئی نہ ہوگا دنیا میں۔'' وہ طنزیہ بولی۔

پھر اگلے دن وہ نہ نہیں آیا اور اس سے اگلی شام تک بھی وہ اس کی راہ دیکھتی رہی پھر رہ نہ سکی اور اماں کے گھر چلی آئی۔ کام بھی تقریباً نمٹ گئے تھے کیونکہ اس روز صرف نوراں کام پر آئی تھی اور سب کام جلدی سے نمٹا کر آدھے گھنٹے چکنے ٹائلز پر بیٹھ کر ستاتی رہی اور مسکراتی رہی۔

''عجیب لڑکی ہے اکیلے اکیلے مسکراتی ہے۔'' اسے الجھن ہونے لگتی۔ ماں کے گھر آئی تو بھائیں بھائیں کرتے خالی گھر نے استقبال کیا اسے بہت برا لگا۔ ناہید اپنے کمرے میں تھیں اور زیام بھی کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ لیکن اندھیرے ڈرائنگ روم میں کارپٹ پر اندوھا لیٹا زیام موبائل پر کسی سے باتوں میں مصروف نظر آ ہی گیا وہ اتنا مصروف تھا کہ اسے سندس کی آمد کا احساس بھی نہ ہوا۔

''تو دال میں کچھ کالا ہے۔'' اسے فوراً اندازہ ہو گیا۔

اس کا ہر وقت موبائل پر کسی کے ساتھ لگے رہنا اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ وہ اس نادر ہیرے کو ڈھونڈ چکا ہے۔ جس کی اسے تلاش تھی پھر اس نے بھی اس سے اگلوا کر دم لیا چونکہ وہ اس سلسلے میں ماں بہن کو بہت تنگ کر چکا تھا۔ اس لیے تھوڑی بہت پس وپیش کے بعد امی بھی راضی ہو گئیں، ان دونوں کی دوستی نیٹ پر ہوئی تھی اور آپس میں بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ بھی ہو گئی تھی۔ ملاقات البتہ نہ ہوئی تھی بس تصویر پر گزارا ہو رہا تھا۔

''ہمارے آئیڈیاز..... آئیڈیلز..... پسند ناپسند اور خیالات بہت ملتے ہیں ایک دوسرے سے۔'' اس نے جوش سے سندس کو بتایا تو سندس نے رشک آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''بہت خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں من دل پسند زندگی اپنے ہم سفر کے ساتھ گزارنے کا موقع ملے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔ اگلے روز وہ پہلے کی طرح سندس کے گھر چلا آیا۔ وہ بہت خوش خوش اسے یہ بتانے گیا تھا کہ اس نے لڑکی سے اس کے گھر آنے کا وقت لے لیا ہے مگر اندر داخل ہوتے ہی اس کا نوراں سے ٹکراؤ ہو گیا اور اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ نوراں اپنے بدرنگ اور ملگجے کے کپڑوں میں ملبوس فرش کا پوچھا لگا رہی تھی۔ اس کے میلے سر کی الجھی لٹیں اس کے پسینے کی نمی سے سنولائے ہوئے چہرے پر جھول رہی تھیں۔ آنکھوں میں سیاہ کاجل لگانے کے باعث چیپڑ بہہ رہا تھا کھردرے جلد والے ہاتھوں سے وہ جلدی جلدی کام نمٹانے میں لگی ہوئی تھی اور ساتھ ساتھ مگن سے انداز میں کچھ گنگناتی بھی جا رہی تھی۔ زیام کو دیکھتے ہی اس کی زبان کو بریک لگ گئے، زیام کو شدید قسم کی کراہت محسوس ہوئی۔

''خدا کے لیے اپنی کام والی بدلو یا پھر اسے صاف ستھرا رہنا سکھا دو۔'' اندر جاتے ہی اس نے سب سے پہلی بات یہی کی بعد میں اپنے آنے کا اصل مقصد بتایا۔ کچھ دیر تک سندس کے ساتھ لڑکی کے گھر جانے کے تمام معاملات طے کیے، جب وہ کمرے سے باہر آیا تو نوراں بیرونی فرش کو پانی سے دھو رہی تھی۔ اس نے شلوار کے پائنچے نیفے میں اڑس رکھے

تھے،اس کے کالے بدنما سے پاؤں شفاف پانی میں کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہے تھے وہ پانی کے متوقع چھینٹوں سے بچتا ہوا جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

مقررہ دن ناہید اور سندس زیام کی سنگت میں لڑکی کے گھر جانے کے لیے نکلیں ساتھ میں کیک اور پکے بھی لے لیا کیونکہ پہلی بار اس کے گھر جا رہے تھے۔ ''گاؤں میں اپنی زمینیں ہیں ان کی، کھاتے پیتے زمیندار لوگ ہیں، شہر میں ابھی عارضی طور پر گھر لیا ہوا ہے اپنا گھر ابھی بن رہا ہے ان کا۔'' راستے میں وہ انہیں معلومات فراہم کرتا رہا۔

ایک اوسط درجے کے علاقے میں چھوٹے سے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو سندس اور ناہید کو دھچکا لگا مگر کچھ نہ بولیں خاموشی اختیار کی کیونکہ اب وہ عین اس کے گھر کے دروازے پر موجود تھیں۔ ایک دس بارہ سال کے بچے نے دروازہ کھولا اور احترام سے ڈرائنگ روم میں لے جا کر بیٹھا دیا۔ ایک اوسط درجے کا معمولی سا، نام کا ڈرائنگ روم دیکھ کر سندس اور ناہید نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پرانا سا فرنیچر اور دیواروں پر سرسری سا رنگ ہوا تھا۔

''یہ لوگ جلد ہی نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے امی، بہادر آباد میں لیا ہے انہوں نے گھر۔'' ان کی تنقیدی نظریں سمجھ کر زیام نے وضاحت دی۔

وہ خود بھی کافی کنفیوز ہو رہا تھا کیونکہ وہ بھی پہلی بار اس لڑکی کو دیکھنے والا تھا۔ اس کے چہرے پر جذبات کا تناؤ صاف نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر پڑا پردہ ہلا اور ایک بھاری بھرکم جسامت کی عورت کے نمودار ہونے کے آثار ہوئے اس کے ساتھ ہی مراداں کی شکل بھی نمایاں ہوگئی۔ جس طرح ناہید اور سندس کو اسے دیکھ کر کرنٹ لگا اسی طرح مراداں بھی انہیں سامنے دیکھ کر اچھل پڑی۔

''مراداں......'' دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''باجی......آپ......'' مراداں کی حیران آواز ابھری۔

اسی وقت ہنستی شرماتی اور اٹھلاتی نوراں بادِ صبا کے مست جھونکے کی طرح نک سے سک تک تیار میک اپ سے اٹے چہرے کے ساتھ وہاں آ گئی لیکن پھر سامنے ان سب کو دیکھ کر اس کی مست بے خودسی چال یکدم تھم گئی۔

''نوراں بتا رہی تھی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، ساتھ والوں سے تمہارے گھر کا پتا معلوم کر کے سوچا تمہیں دیکھتی چلوں۔'' سندس نے خود کو سنبھال کر جلدی سے بات بنائی اور کاٹ دار نظروں سے زیام کو دیکھا۔

''خیر نال آ وی، باجی جی......! تے میں سمجھی کہ نوراں دے رشتے والے لوگ آ گئے ہیں۔ خیر سے نوراں دا رشتہ لگ رہا ہے نا جی......'' وہ عاجزی سے انہیں تفصیل بتانے لگی۔

زیام گہرے صدمے کے زیر اثر ساکت کھڑا بے یقینی سے سامنے کھڑی اپنی ہم خیال کو نوراں کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ موبائل ایپ کے کیمرہ فلٹر کے جادو نے نوراں پر جادو کر دیا تھا اپنی جو تصویر اس نے اسے دکھائی تھی، اس میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی کہ اس پر کسی ہیروئن کا گمان ہو رہا تھا۔ تصویر اس کالی کلوٹی نوراں سے بالکل مختلف تھی۔ جسے وہ روز سندس کے گھر میں دیکھتا تھا اس لیے وہ پہچان ہی نہ پایا۔

جب وہ سب واپس پلٹ رہے تھے تو نوراں کا میک اپ زدہ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اس کا محبوب آج اس کی پسند کے بتائے ہوئے رنگ میں ملبوس، اس سے مکمل اجنبی بن کر رخصت ہو گیا تھا۔ چلتے وقت اس پر ایک سرسری سی، عام سی نظر ڈال کر زیام نے اس سے نظر چرا لی اس کے دل پر منوں بوجھ آ گرا ایسا بوجھ کہ وہ نظر اٹھانے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

انتباہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے تنبیہہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر ''آفیشل پیج'' کی اصطلاح استعمال کررہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اورکہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اَپ لوڈ کرکے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کررہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کردیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

Prevention of Electronic Crimes Act 2016

اور

Copyright Ordinance 1962 / 2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

خواتین ڈائجسٹ　　ماہنامہ شعاع

ماہنامہ کرن　　عمران ڈائجسٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

شبانہ شوکت

خلش

پالک آلو کی سبزی پک چکی تھی۔ چائنیز رائس دم پر رکھے تھے اور چھلکی فرائی ہو رہی تھی اور یہ سب کرنے والی شمائم پسینہ سے شرابور تھی۔ اس نے بازو سے پیشانی پر بہتا پسینہ صاف کیا تھا۔ ابھی یہ ڈھیر ساری سبزیاں، پیاز، لہسن، ٹماٹر سب امی نے کاٹ کر دیے تھے لیکن انہیں پکانا بھی معرکہ سر کرنے جیسا تھا۔

اتنے میں امی کی آواز آئی۔

''کتنی دیر ہے؟''

''بس امی فش فرائی کر رہی ہوں۔''

''روٹیاں میں ڈال لوں گی، تم اب بس کر دو۔''

غالباً اسے پسینے میں بھیگے دیکھ کر ممتا جاگی تھی۔

''نہیں امی میں ڈال لیتی ہوں۔'' اس نے مرے مرے لہجے میں منع کیا تھا۔ وہ ہنسی تھیں۔

''تم جاؤ اب، میں روٹی بنا کر کچن سمیٹ دوں گی۔''

شمائم لاؤنج میں آ کر پنکھے کے نیچے پسینہ خشک کرنے لگی۔

''او، بھوتنی، کتنی دیر ہے کھانے میں؟''

رومیل ایک دم لاؤنج میں آیا تھا اور طرز تخاطب ایسا کہ اس کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

''تھوڑی سی تمیز سیکھ لو بات کرنے سے پہلے بڑے آئے کہیں کے پری زاد۔'' اس کے جل کر کہنے پر وہ کھلکھلایا۔

''سچ آ گیا نا زبان پہ۔''

''بس اب اتنے بھی حسین نہیں ہو۔''

''اتنا نہ سہی، اتنا ہی سہی، پر ہوں تو نا۔ تم تو وہ بھی نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

''جیسی بھی ہوں، اللہ کا شکر ہے بہت سوں سے اچھی ہوں۔''

''میں تو جب جب تمہارے بارے میں سوچتا ہوں، رونا آ جاتا ہے۔ نہ منہ نہ متھا، چن، پہاڑوں لتھا۔''

شمائم کے تو ایڑی پر لگی، سر پہ بجھی۔

''تم کیوں ٹینشن لے رہے ہو۔ جاؤ یہاں سے، ابھی میرے پیرینٹس زندہ ہے۔''

ناولٹ

"میں نے کہا 'کبھی' تمہارے بارے میں سوچوں تو، وہ بھی، کبھی کبھار ہی آتا ہے۔ فی الحال ابھی نہیں آیا۔"

اس نے جلتی پر کچھ اور تیل چھڑکا تھا، شائم تلملا کر اٹھ گئی۔

"تمہارے ہوتے ہوئے سکون کی سانس لینا محال ہے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔"

وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی آئی تھی۔

☆☆☆

کچھ دیر آرام کے بعد وہ سلائی مشین لے کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی قمیص کے گلے پر پائپنگ لگا رہی تھی لیکن پائپنگ تھی کہ صفائی سے لگنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بار بار ادھیڑتی بار بار سلائی لگاتی، انگلی اور انگوٹھے کی پوریں دکھنے لگیں۔ اس نے بے بسی سے دیکھا۔

"کیا ہوا مومی، کیا کر رہی ہو؟"

حبہ اس کے بچپن کی دوست اور پڑوسی، ہاتھ میں دوپٹہ لیے چلی آئی تھی۔ نانا، اپنا دوپٹہ اس نے اوڑھا ہوا تھا۔ یہ جو ہاتھوں میں لائی تھی۔ یہ ایکسٹرا تھا۔ جو اس نے شائم کے سامنے پھیلایا۔

"یہ دیکھو میں نے کیسی پٹی لگائی ہے؟"

شائم نے اپنا کام روک کر اس کا دوپٹہ پکڑ کر دیکھا، چاروں طرف بہت خوب صورتی سے بنارسی پٹی لگائی تھی۔ اس نے تحسین بھری نظروں سے دوپٹے کو دیکھا۔ "یار تم نے کتنی خوب صورتی سے پٹی لگائی اور مجھ سے پائپنگ ہی نہیں لگائی جا رہی۔"

"ایسی ہی فنشنگ پٹی میں نے شرٹ کے دامن، چاک اور آستینوں پر بھی لگائی ہے۔ بہت زبردست سوٹ تیار ہو گیا ہے۔"

دونوں ایک ساتھ ایک سینٹر میں سلائی سیکھنے جا رہی تھیں۔ شائم نے مایوسی سے اپنی قمیص کو دیکھا۔

"تم ہٹو میں دیکھوں۔" حبہ اسے ہٹا کر خود مشین کے آگے جا بیٹھی۔ چند لمحوں میں وہ ایسی مہارت سے پائپنگ لگا رہی تھی کہ شائم کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تم کیسے اتنی اچھی پائپنگ، ڈوری پائپنگ اور فنشنگ پٹی لگا لیتی ہو، مجھ سے تو بالکل نہیں بنتی۔"

"میں ایک وقت میں ایک ہی چیز سیکھ رہی ہوں اس لیے۔ تمہاری طرح سب کچھ ایک ساتھ نہیں کر رہی کھانا بنانا بھی سیکھا جا رہا ہے۔ بیکنگ بھی سیکھی جا رہی ہے تو سلائی بھی اور سلائی میں بھی صرف کپڑے نہیں، ہر طرح کے کپڑے، تکیوں، کشنوں کے ڈیزائن والے غلاف، تخت پوش، پردے اور جانے کیا کیا، ایک ہی ننھا سا دماغ ہے۔ کیا کیا سمجھے اور یاد رکھے۔"

حبہ تو برس پڑی تھی، وہ جھلا گئی۔

"تو؟ تمہاری شادی نہیں ہو رہی نا، میری ہو رہی ہے" "شکر ہے نہیں ہو رہی۔" حبہ نے باقاعدہ دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے، شائم کی آنکھیں باہر آ گئیں۔

"شادی نہ ہونے پر شکر؟"

"ہاں بالکل، ایسی شادی جو ہونے لگے تو متاثرہ بندہ کالے پانی کی سزا میں گرفتار ہو جائے۔ اس سے بہتر ہے نہ ہو۔"

"یہ تو صحیح کہہ رہی ہو۔" شائم نے منہ لٹکایا۔

"تین، تین، چار، چار کھانے ایک ہی وقت میں بنانے پڑ رہے ہیں۔ حالت پتلی ہو جاتی ہے۔"

"تم تو یہ شکر کرو تمہاری ساس زندہ نہیں ہیں ورنہ سوچو تو سہی جب ماں اتنی ظالم ہیں تو ساس کیسی ہوتیں۔" حبہ نے اسے مزید دہلا دیا۔ وہ لرز گئی۔

"افففف، توبہ توبہ، اللہ تیرا شکر ہے۔"

"کس بات کا شکر، یہ کہ میری ماں زندہ نہیں، تو تم اس پر شکر منا رہی ہو؟" رومی ہمیشہ کی طرح اچانک ٹپکا تھا۔ گھنا میسنا ایسے دبے پاؤں آتا تھا کہ کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی، ابھی بھی اس کی اچانک آمد نے دونوں کے حواس گم کر دیے۔ حبہ نے البتہ جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

"بری بات رومیل بھائی، آپ چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے۔"

"چھپ کر کیوں، یہ سامنے سے آتے ہوئے سنی ہیں۔" رومیل تڑپ ہی تو گیا بے جا الزام پر حبہ نے وہاں سے کھسکنا ہی بہتر سمجھا۔

"خالہ، یہ دونوں "سہیلیاں" آپ کو ہٹلر، چنگیز خان اور ہلاکو وغیرہ وغیرہ سے ملا رہی تھیں۔" رومیل نے ڈائننگ ٹیبل پر لگائی بجھائی کا "فریضہ" ادا کیا۔

"تو اور کیا اچھائی کریں گی یہ۔" امی کا موڈ آف ہو گیا۔ پہلے ہی کون سا اچھا تھا۔ روٹیاں بنا کر کچن صاف کر کے ٹیبل لگائی۔ کھانا نکالا گیا تو خوش رنگ سبز پالک کے بجائے سیاہی مائل سبز پالک بالکل گھوٹ دی گئی تھی۔ آلو زیادہ پک جانے سے ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے پیس بن گئے تھے۔ زیادہ برا حال تو ویجیٹیبل رائس کا ہوا۔ جو کہ آپس میں "گھل مل" گئے تھے۔ سبزیاں بھی ان میں باہم ایسے "شیر و شکر" کی عملی مثال بنی اپنی الگ شناخت کھو بیٹھی تھیں۔ وہ اس کی کھنچائی کا ارادہ حبہ کو وہیں پا کر موقوف کر چکی تھیں لیکن سب ان کی طرح خاموش رہنے والے نہیں تھے۔ جودت نے تو دیکھتے ہی دانت کچکچائے تھے۔

"اس سے بہتر تھا ان سب کو "گھوٹا" لگا کر نئی قسم کا حلیم بنا دیتیں۔ جیسے تیسے "نگل" لیتے۔"

"تھوڑے سے چاول کیا نرم ہو گئے۔ آپ نے مذاق ہی بنا لیا۔" شائم نے احتجاج کیا۔

"اچھا یہ تھوڑے سے "نرم" ہوئے ہیں تو چاول نرم ہوئے ہیں۔ سبزیاں کس خوشی میں ان کے ساتھ "مدغم" ہو گئی ہیں؟" رومیل اس موقع پر چپ رہے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

"میں تو کم از کم یہ "بھات" نہیں کھانے والا۔" جودت نے ٹرے پیچھے کھسکائی۔

"نہ کھائیں میں خود کھا لوں گی۔" اس نے بھر بھر چمچے اپنی پلیٹ میں ڈالے، یہ اور بات کہ اس ملغوبے کو منہ تک لے جانا خود اس کے لیے بھی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

"یہ سبزی بھی اسی نے بنائی ہے؟"

ماہنامہ حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور

نومبر 2020 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

نومبر 2020 کے شمارے کی ایک جھلک

ہر گھر کے لیے ماہنامہ حنا

☆ "محبت کم نہیں ہوگی" علینہ قریشی کا مکمل ناول،
☆ "اے دل تو ہی بتا" فوزیہ سرور کا مکمل ناول،
☆ "محبت مار دیتی ہے" تحسین اختر کا مکمل ناول،
☆ "قربت ہجر میں محبت" ندا حسنین کا ناولٹ،
☆ "احساس" نائلہ بھٹی کا ناولٹ،
☆ زارا مجزا، اقراء الیاس، حنا بشریٰ، رمشا احمد اور عنبرین ابدال کے افسانے،
☆ "اسیر عشق" سدرۃ المنتہیٰ کا سلسلے وار ناول،
☆ "امید صبح جمال" ام مریم کا سلسلے وار ناول،

اس کے علاوہ

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں، انشاء نامہ، عید کے پکوان، مہندی کے رنگ اور وہ تمام مستقل سلسلے جو آپ پڑھنا چاھتے ھیں

نومبر 2020 کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

جودت اب ڈونگے کا بغور معائنہ کررہا تھا۔

''سب اسی نے بنایا ہے اور اچھا ذائقہ دار بنایا ہے۔ بس چاول میں پانی غالباً زیادہ ڈال دیا۔''

''امی نے نرمی سے ان دونوں کو ٹوکا، مبادا شمائم رونے لگے۔

''آپ نے بھی خالہ کیا کنٹرانسٹ کھانا بنوایا ہے آج۔ سالن میں بھی سبزی، تو چاولوں میں بھی سبزی، ساتھ میں یہ فش، کمبینشن ہی کوئی نہیں۔''

رومیل کا دکھ ہی کم نہیں ہورہا تھا وہ چاولوں کا جنون کی حد تک شوقین تھا۔ ہر طرح اور ہر ذائقے کے چاول اسے پسند تھے۔ بریانی، پلاؤ، فرائیڈ رائس، دال چاول، کڑھی چاول، اسے بہت زیادہ پسند تھے اور رغبت سے کھاتا بھی تھا لیکن چاول خوش رنگ اور کھلے کھلے جو نظر کو بھی اچھے لگیں۔ اب ڈش میں رکھے، ویجیٹیبل رائس جو مرضی، کہلواتے، چاول نہیں، اس نے ٹھنڈی سانس لے کر مچھلی کی ڈش اپنے سامنے کی تھی۔

''چاول کھانے ہیں نا، ایسے ہی کھالو، پیٹ میں جا کر بھی تو مکس ہی ہوجانے ہیں۔'' شمائم نے دل کڑا کر کے مشورہ دیا۔ جواباً خون خوار نگاہوں سے دیکھا تھا رومیل نے اسے۔

''تو پھر اپنے آپ کو اتنا صاف ستھرا رکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قبر میں جا کر بھی تو مٹی ہوجانا ہے نا۔''

''اللہ رحم فرمائے۔ رومیل خیر کی بات کرو۔'' امی دہل گئیں۔

''الٹی مثال دے رہی ہے یہ۔ جس چیز کی شکل ہی اچھی نہ ہو۔ اس کی کوالٹی کیا دیکھی۔''

وہ فش روٹی کے ساتھ کھانے لگا تھا۔

''امی پلیز اسے سکھانا ہی ہے تو ایک ایک کر کے ڈش بنوائیں۔ ایک دم ہی شیف راحت بنانے سے گریز کریں۔ یہ جو اس کا ننھا سا دماغ کھوپڑی میں بند ہے۔ یہ اتنا وزن برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی ہم روز روز اپنے معدے کو مشق ستم بنوائیں گے۔'' جودت نے ہاتھ جوڑے تھے۔

''مجھے تو پہلے سے بتا دیا کریں کہ یہ چاولوں کے ساتھ کوئی نئی ''ایجاد'' کرنے جارہی ہے۔ میں باہر سے ہی کھالیا کروں گا۔ بڑی مہربانی ہوگی۔'' رومیل بھی بگڑا ہوا تھا۔

شمائم کی بس ہوگئی تھی۔ وہ چمچ پلیٹ میں پٹخ کر اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی نے ملامت بھری نظر ان دونوں پر ڈالی تھی۔

''آپ ٹینشن نہ لیں خالہ، مارے جذبات کے محترمہ نے پلیٹ تو بھر لی تھی لیکن کھاتی کیسے تو بہانے سے اٹھ کر چلی گئی۔'' رومیل کی تسلی پر انہیں ہنسی آگئی۔

☆☆☆

رومیل کی امی اس کے بچپن میں وفات پا چکی تھیں۔ اس کے ابو نے دوسری شادی کرلی۔ وہ پہلے ہی کویت میں رہتے تھے پھر تو مستقل وہیں کے ہوگئے۔ تین بچے تھے ان کے، رومیل تو شاید ہی انہیں کبھی یاد آتا ہوگا۔ بہن کے انتقال کے بعد رومانہ (امی) رومیل کو اپنے پاس لے آئی تھیں۔ جودت اور رومیل ہم عمر تھے۔ ان کے ساتھ وہ آرام سے سیٹ ہوگیا تھا۔ پھر ان کے نانا نے ہی رومانہ سے شمائم کا رشتہ رومیل کے لیے طلب کیا تھا۔ صولت (شمائم کے ابو) اور رومانہ کو کیا اعتراض ہوتا انہوں نے رومیل سے پوچھا اور دونوں کی باقاعدہ رسم کر کے منگنی کردی تھی، اب جودت کے لیے رشتہ دیکھا جارہا تھا کہ دونوں بہن بھائی کی ساتھ شادی کردی جائے۔ رومانہ کی نند یعنی شمائم کی پھپھو نے اپنی نند کی بیٹی بتائی تھی۔ اس کی تصویر بھی دے کر گئی تھیں۔ تصویر دیکھ کر تو سب ساکت رہ گئے تھے۔ اتنی خوب صورت لڑکی۔ پریوں کی جو تعریف کی جاتی رہی قصے کہانیوں میں وہ لڑکی ہر اس تعریف پر پوری اترتی تھی۔ اتنی حسین، ہر نقش قدرت کی صناعی کی داد دیتا ہوا۔

''یار جودت تجھے تو لگتا ہے کسی کی دعا لگ گئی ہے۔'' رومیل نے بے اختیار کہا تھا۔ جودت کے ہونٹوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ اس کی خوشی کا پتا دے

رہی تھی۔

''لگتا ہے بات بن ہی گئی۔'' شائم نے اس کی مسکراہٹ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے آنکھیں گھمائیں۔

''کیسے نہیں بنے گی بات، ایسی حسین صورت تو اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔'' رومیل نے چھیڑا جودت نے جواباً گھورا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں۔''

اور جب روبرو اسے دیکھا تو جودت کچھ پل کے لیے سانس لینا بھی بھول گیا تھا۔ لمبا قد، انتہائی متناسب جسامت، گلابی رنگت، تیکھے نقوش، بادامی آنکھیں اور مسکراتے ہوئے گالوں میں پڑنے والے ڈمپلز۔

''یا اللہ یہ تیری قدرت۔'' رومیل، جودت کے کان میں کراہا تھا۔ جودت نے ہلکی سی کہنی مار کر آنکھ سے منع کیا۔ رومیل مسکراتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

''اللہ کی شان'' اس نے جودت اور شاہین کا موازنہ کیا۔ بلکہ جودت کیا اپنا اور شائم کا بھی۔ جودت اور شائم گندمی سے کچھ صاف رنگت، متناسب نقوش اور سیاہ گھور آنکھوں اور بالوں کے ساتھ بلاشبہ خوب صورت کہلائے جاتے تھے۔ ان کے مقابلے میں رومیل سرخ وسفید رنگت کے ساتھ بڑی بڑی براؤن آنکھوں کے ساتھ ایک وجیہہ نوجوان تھا اور شاہین اس سے تو کسی کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ وہ لوگ واپس آگئے۔

ہر زبان پر شاہین کی تعریف تھی اور جودت کے ہونٹوں پر بجی مستقل مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے دل وجان سے شاہین پسند آئی ہے۔ بس پھر کیا دیر تھی۔ امی نے فون کر کے شاہین کے گھر والوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے دی وہ لوگ اگلے ہفتے چلے آئے۔ لڑکا تو دیکھ چکے تھے گھر اور فیملی سب انہیں پسند آیا اور وہ مثبت جواب دیتے ہوئے واپس گئے تھے۔ سب خوش تھے۔ اگلے چند دنوں میں رسم بھی کردی گئی۔ تمام قریبی عزیزوں کو شامل کیا گیا تھا۔ سارے کزنز شاہین کے گھر کی چھت جہاں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے تھے جب رومیل نے کہا۔

''آؤٹ آف فیملی انگیجمنٹ میں کتنی ایکسائٹمنٹ ہوتی ہے نا، یہ جو گھر کے گھر میں رشتے طے کردیے جاتے ہیں نا، ان میں کوئی ایکسائٹمنٹ ہوتی ہے نہ دلکشی، بس جو ہے، جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کرنے پڑتے ہیں اور جو تیاں چٹخا کر ڈھونڈے جانے والے رشتے تو ''وصولی'' ہوتے ہیں۔ اس محنت کی جوان کی تلاش میں کی گئی ہوتی ہے۔ دل ودماغ کو اسیر کرنے والے خوابوں میں بسیرا کر لینے والے۔''

ابتسام، عرشمان، فرزین اور جودت نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

''یہ کس کی ''وصولی'' دیکھ لی جس نے تمہیں ''اسیر'' کرلیا۔'' ابتسام نے انتہائی معنی خیز لہجے میں پوچھا تھا۔ جودت البتہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رومیل چونک کر سنبھلا۔

''میں نے تو یونہی ایک بات کی تھی۔''

''یونہی تو نہیں لگ رہی تھی مگر خیر.....'' فرزین نے مسکرا کر جتایا، پھر وہ لوگ دوسری باتوں میں مصروف ہوگئے لیکن رومیل کو یہی لگتا رہا کہ جودت کی نگاہوں میں کھوج سی ہے۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوگئیں۔ امی کی مدد کے لیے چچی اور پھپھو آجاتی تھیں۔ عورتوں کی مخصوص نفسیات کے تحت ہر چیز دونوں لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک جیسی لائی جارہی تھی۔

صولت صاحب نے انہیں ہدایت کی کہ بچوں کو خود شاپنگ کے لیے بھجوا دیا جائے تو بہتر ہے۔ ''پہننا اوڑھنا انہوں نے ہے تو انہیں ہی خود خریداری کرنے دو۔''

''جی یہی کر رہی ہوں۔ لڑکیوں کو تو ساتھ لے گئی تھی۔ لڑکوں کو کہہ دیا ہے۔ جس دن فرصت ہوئی

چلے جائیں گے۔''

شادی کی رسوم بھی بخوبی ادا ہوئیں۔ سب خیر خیریت سے ہوگیا۔ ولیمے کے فنکشن میں جب رومانہ ایک ٹیبل پر جا کر مہمانوں سے کھانے کے متعلق پوچھ رہی تھیں کہ کسی چیز کی کمی تو نہیں کہ ان کے کانوں میں کسی کی ہلکی سے آواز پڑی۔

''داماد اور بہو تو صولت میاں نے بہت خوب صورت تلاش کیے۔ اپنے بچے تو دبی دبی سی صورت ہیں۔''

''اللہ لگتی کہوں جوڑی تو ان کے داماد اور بہو کی آپس میں جچتی۔'' دوسری نے تو حد ہی کردی۔ رومانہ کے کانوں سے دھواں سا اٹھنے لگا تھا۔

نظر بے اختیار اسٹیج پر گئی۔ جہاں جودت وشامین اور رومیل وشائم بیٹھے تھے ان کی نظر میں دو خوب صورت ترین کپلز اور لوگوں کے لیے؟ کیا انہوں نے خوب صورت بہو لا کر غلطی کردی تھی؟ کیا ایک لڑکی کو محض اس کی بے حد خوب صورتی کی وجہ سے رد کردینا مستحسن اقدام کہلاتا؟ ان کے سینے میں تیر سا گڑ گیا تھا۔ اتنی زہریلی بات نے ان کی خوشیوں پر جیسے سیاہی پھیر دی تھی، باقی کا فنکشن انہوں نے بے دلی سے نمٹایا تھا۔

☆☆☆

اس شام ننھیال میں ان کی دعوت تھی۔ جودت نے اسکن کلر کا کرتا شلوار اور براؤن واسکٹ پہن رکھی تھی۔ رومیل نے گرے شرٹ کے ساتھ ڈارک گرے پینٹ زیب تن کی ہوئی تھی۔ شائم اور شامین نے ایک جیسے اسکن اور میرون کنٹراسٹ کے ایمبرائیڈڈ شیفون کے سوٹ پہنے تھے۔

ماریہ چاچی نے ان دونوں کو تیار کیا تھا کیونکہ وہ بیوٹیشن تھیں۔ شائم بہت پیاری لگ رہی تھی اور شامین اس کے لیے تو ہر استعارہ کم لگ رہا تھا۔ سفید رنگت پر اسکن اور میرون کلر ایسا اٹھا تھا کہ دیکھنے والی آنکھ مبہوت رہ جائے۔ ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں پر میرون نیل کلر نے ان کی سفیدی کو مزید اجاگر کیا تھا۔ لمبی مخروطی انگلیوں میں انگوٹھیاں، کلائیوں میں ہم رنگ چوڑیاں اور کنگن۔

''اف'' رومیل بے اختیار کراہا۔

''ایک جیسے لباس بنوانے کی بھلا کیا تک تھی؟''

''آپا آپ کی بہو تو سچ مچ چاند کا ٹکڑا ہے۔'' نازیہ بھابھی نے رومانہ سے کہا تھا۔

''پھپھو، ہمیں بھی باذل کے لیے شامین بھابھی جیسی لڑکی دکھائیں نا۔'' ان کی بھتیجی مرحا نے کہا۔

''بلکہ بھابھی آپ کی کوئی بہن ہے تو بتائیں۔'' وہ براہ راست شامین سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ مسکرادی، دونوں گالوں میں ڈمپلز، اف کیا خوب صورتی تھی۔ بریرہ تو مرحا سے زیادہ فدا ہوگئی۔

''یہ ڈریس تو لگتا ہے۔ بنا ہی آپ کے لیے ہے۔ اتنا سوٹ کررہا ہے آپ پر۔''

شائم کچن میں مامی کے پاس پہنچی ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے یہ نہیں سنا اور اگر سن بھی لیتی تو اس کی لاابالی فطرت اسے کچھ محسوس نہ ہونے دیتی۔

☆☆☆

ان کا پروگرام سی سائیڈ جانے کا تھا۔ سو ہلکی پھلکی تیاری کی جارہی تھی۔ شائم نے اسپاگھیٹی، کباب اور چکن بریڈ رول بنائے تھے۔ شامین نے گرلڈ فش اور رشین سلاد بنائی، اس کے علاوہ فروٹس، کولڈ ڈرنکس اور جوس بھی تھے۔

سمندر کا شور، تیز ہوا اور سب کی گیدرنگ، شائم نے ریڈ اور بلو کنٹراسٹ کا سوٹ پہنا تھا اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ جبکہ شامین نے اورنج، پنک اور میرون کنٹراسٹ کا، وہ اتنی خوب صورت دکھ رہی تھی کہ باقی سب پس منظر میں چلے گئے تھے۔

انہوں نے منوڑہ کے لیے لانچ ہائر کی تھی۔ وہ سب بیٹھے اور لانچ کھلے پانیوں میں فراٹے بھرنے لگی، سمندر کا دور دور تک حد نگاہ پھیلا ہوا پانی، تیز ہوا اور بہت اسپیڈ سے چلتی لانچ اس پر اس کے ہچکولے۔ رومیل موبائل پر ویڈیو بنا رہا تھا۔ شائم اور شامین ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔ تیز ہوا سے اڑتے دوپٹے اور بال

پکڑ پکڑ کر باتوں میں مگن، جودت اچکتا ہوا کبھی اوپر چڑھ جاتا اور کبھی دائیں، بائیں، ہنستے مسکراتے وہ لوگ منوڑہ آئے تھے۔ ریسٹورنٹ سے چائے پی کر تصویریں کھنچوا کر واپس آئے تو اتنی دیر میں بھوک لگنے لگی۔

جودت اور رومیل نے چادر بچھائی، دونوں لڑکیوں نے برتن سیٹ کیے اور ہلکے پھلکے اور شرارتوں میں کھانا کھایا گیا۔ جودت سے زیادہ رومیل شامین کی خدمت میں پیش تھا۔ ہر چیز پہلے اس کے آگے کرتا پھر اپنے اور شائم کے، پھر گھوڑے کو دیکھ کر شائم کو اس کی سواری یاد آئی۔ ''اف شائم تمہیں ڈر نہیں لگتا؟'' شامین کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''نہیں یار، اس میں ڈر کی کیا بات، آؤ رائڈ کریں۔'' اس نے شامین کو بھی آفر کی تھی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہوئی۔

''نہیں، نہیں میں نہیں بیٹھوں گی۔''

''اچھا تم اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔'' شائم نے مفت مشورہ دیا۔

''نہیں میں یہیں کھڑی دیکھ رہی ہوں۔''

''تم تو آؤ رومیل'' شائم نے بلایا۔

''یار پلیز!'' اس نے سگریٹ دکھا کر معذرت کی تھی۔ جودت بھی ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ دونوں بہن بھائی تیز گھوڑے دوڑاتے دور نکل گئے۔ رومیل شامین کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''کیسا فیل کر رہی ہیں آپ ہمارے گھر آ کر۔'' وہ مسکرائی۔ ''بہت اچھا۔''

''واقعی؟'' رومیل بھی مسکرایا۔ ''جودت کیسا لگا؟''

''بہت اچھے ہیں۔'' وہ دور گھوڑا دوڑاتے جودت کو دیکھنے لگی۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ سمندر اپنے جوبن پر تھا۔ بڑی بڑی لہروں کے ساتھ جو تیزی سے تہہ در تہہ آتیں اور پلٹ جاتیں۔ سورج نارنجی گولہ بنا سمندر کے دوسری طرف اتر رہا تھا۔ اس کا نارنجی عکس شامین کے چہرے پر پڑتا اسے الوہی روپ عطا کر رہا تھا۔ وہ ساحرہ بغیر کسی کوشش کے مقابل کو اپنے سحر میں جکڑتی جاتی تھی۔

رومیل بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے نیازی سی اڑتے ہوئے بال سمیٹ رہی تھی۔

''اے بابو اللہ کے نام پر''

ایک فقیرنی وہاں آئی تھی۔ رومیل چونک کر مڑا، وہ انگلی کھڑی کر کے لجاحت سے بولی۔ ''بابو دے دے کچھ۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ کتنے اچھے لگ رہے ہو آپ دونوں۔''

رومیل نے سٹپٹا کر شامین کو دیکھا۔ وہ جھینپ کر کچھ فاصلے پر ہو گئی۔

''دو بابو اللہ کے نام پر کچھ تو دے دو۔''

رومیل نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جو دو تین سو ہاتھ میں آئے فقیرنی کو پکڑا دیے۔ وہ دعائیں دیتی خوشی خوشی پلٹ گئی۔ اتنے میں آئس والا میوزک بجاتا آیا۔ رومیل نے اپنی اور شامین کی جھینپ مٹانے کے لیے اس سے دو کون لے لیں۔

''یہ لیجیے۔'' وہ اسے بھابھی نہیں کہتا تھا، مخاطب ہی اس طرح ہوتا کہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی نا ہی کسی نے نوٹس کیا تھا۔ شامین نے تھینکس کہہ کر آئس کریم لے لی۔ اتنے میں جودت اور شائم بھی آ گئے۔

''واہ بھئی مزے'' جودت نے کہتے کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر اپنے اور شائم کے لیے بھی آئس کریم لی۔ یونہی ہلا گلا کرتے وہ واپس لوٹ آئے تھے۔

☆☆☆

سنا ہے مور جب خوش اور اپنی خوب صورتی پر نازاں ہوتا ہے تو اپنے خوش رنگ پروں کا گول چھاتا سا بنا کر ناچتا ہے۔ لیکن جب اپنے پیروں پر نظر پڑتی ہے تو ان کی بدصورتی پر اس قدر رنجیدہ دل گرفتہ ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ وہ مور نہیں تھی، نہ ہی اس کے پاؤں بدصورت تھے وہ تو سر سے پاؤں تک مکمل حسن تھی۔ اس حسن کی تابانی میں مزید اضافہ وہ سرشام تیار ہو کر کرتی تھی۔ جب

مردوں کے گھر لوٹ آنے کا وقت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ پنک برانڈڈ سوٹ میں ہلکے سے میک اپ میں تیار ہو کر باہر آئی تو رومانہ لاؤنج میں کبابوں کی ٹکیاں بنا رہی تھیں۔

''اوہ امی، یہ مجھے دیں۔ میں بنا دیتی ہوں۔''

اس نے ان کے روکنے کے باوجود ٹرے اور مسالے والا برتن لے لیا۔ تیزی سے ٹکیاں بنا کر اس نے فریزر میں رکھیں اور تقریباً بارہ کے قریب کباب کچن میں لے آئی۔ جہاں شائم بیک وقت چولہے اور اوون سے نبرد آزما تھی۔

''کیا بنا رہی ہو لڑکی۔'' وہ پاس آ کر شرارت سے بولی۔ شائم مسکرائی۔

''براؤنیز بیک ہونے کے لیے رکھی ہیں۔ یہ بریانی کا مسالا تیار کیا ہے۔ اب بس کباب فرائی کروں گی اور چائے بناؤں گی۔

''مجھے دو، یہ کام میں کر لیتی ہوں۔''

''نہیں نہیں، آپ اتنی پیاری تیار ہوئی ہیں۔ آپ ہٹ جائیں۔ میں بس چائے دم پر رکھ کر ابھی آئی۔''

''میں دیکھ لیتی ہوں شائم، تم تیار ہو جاؤ، سب آنے والے ہیں تو.....''

''بس پیاری بھابھی، ہو گیا نا سب۔'' وہ تیزی سے کباب فرائی کر رہی تھی۔ چائے کو دم لگا کر وہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی، جب سب آ چکے اور چائے لگا دی گئی تو شائم نہا کر کپڑے تبدیل کر کے لائٹ سی لپ اسٹک لگا کر وہاں آئی تھی۔ جہاں شامین سب کو چائے سرو کر رہی تھی، وہ بھی پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''واہ بھئی کباب اور براؤنیز بہت ٹیسٹی ہیں۔''

''میں نے جو بنائے ہیں ابو۔'' شائم چہکی۔

''کمال کر دیا میری بیٹی نے۔'' انہوں نے مسکرا کر اس کا سر تھپکا۔ وہ فخر سے مسکرائی تھی۔

''اس وقت میرا کہنا برا لگتا تھا کہ یہ سیکھ لو، وہ سیکھ لو۔'' امی کے کہنے پر جودت نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''اللہ توبہ، کیا کیا کھلایا ہمیں ان محترمہ نے سیکھنے کے ''خوفناک ڈپریشن'' میں۔'' سب ہنس پڑے تھے۔

''بھابھی آپ کو کیا کیا بنانا آتا ہے۔'' شائم نے پوچھا۔

''ان کو کچھ بنانے کی کیا ضرورت؟ یہ تو خود بنی بنائی ہیں۔'' رومیل نے بے اختیار کہا تھا اور رومانہ کو اس کا یہ جملہ عجیب لگا تھا۔

وہ بار بار شامین کو دیکھ رہا تھا یہ خیال کیے بغیر کہ وہ بھری محفل میں سب کے درمیان بیٹھا ہے۔

☆☆☆

برمودت ہاسٹل سے گھر آیا ہوا تھا۔ خوب خدمت ہو رہی تھی اس کی، پھر بھی ابو کو اسے دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

''برمودت کمزور ہو رہا ہے۔ اسے صبح شام دودھ دیا کرو۔''

''دیتی تو ہوں، صبح شیک بنا کر دیتی ہوں، رات کو اوولٹین ملا کر، دودھ ہی خالص نہیں رہا تو اس پر خاک اثر کرے گا۔'' امی ملول ہوئیں۔

''اس کا ایک ہی حل ہے کہ خود ہی گائے، بھینس پال لیں۔'' ابو نے ''پرخلوص'' مشورہ دیا۔ جودت تڑپ ہی گیا۔

''بھینس کی حد تک تو ٹھیک ہے ابو لیکن گائے۔'' اس نے سر کو دائیں بائیں گردش دی۔

''نریندر مودی صاحب۔ اس ''مقدس'' گائے کی پوجا ہی نہ شروع کر دیں۔''

ساتھ ہی آنکھ سے برمودت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بھنا کر چلایا تھا۔

''پھر بھائی نے مجھے اس منحوس سے ملایا۔ کتنی بار ریکویسٹ کر چکا ہوں مجھے اس نام سے نہ پکارا کیجیے۔ پلیز، پلیز میرا پورا نام پکارا جائے پلیز۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سب کے سامنے کیے۔

''جب میں تمہیں پیار سے مودی کہتی تھی بائیس سال قبل، تو میرے کیا کسی کے بھی فرشتوں کو معلوم نہ

تھا یہ موالیڈر پڑوس میں سے نکل آئے گا۔"

امی نے اتنی دل گرفتی سے کہا کہ شائم کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "دو بار منتخب ہوا ہے وہ ہوالیڈر۔"

"ہاں تو مسلمانوں کے خلاف بیان جو دیتا ہے۔"

بلاشبہ سیاست کے بارے میں امی کی معلومات ناقص تھیں۔

"امی ایسے بیانات سے ووٹ تو لیے جاسکتے ہیں لیکن حکومت کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے جو براہ راست عوام الناس کو فائدہ پہنچائیں۔ یقیناً وہ عوامی بہبود کے کچھ تو ایسے کام کر رہا ہے۔ جو اسے دوسری بار بھی منتخب کیا گیا ہے۔" جودت نے تفصیل سے بات کی۔

"وہ جیسا بھی ہے۔ مجھ سے کمپیئر نہ کیا جائے۔"

برمودت نے اعلان کیا۔

"تم فکر نہ کرو ایسی غلطی کوئی نہیں کرے گا۔ کہاں وہ اتنے بڑے ملک کا وزیراعظم اور کہاں تم ایک عام سے نوجوان۔" یہ آگ رومیل نے سلگائی تھی۔ اور برمودت پوری طرح سلگا بھی تھا۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں اس وزیراعظم پر۔"

"ہاں پاکستان میں بیٹھ کر تم اس پر جتنی چاہے لعنتیں بھیج سکتے ہو۔" رومیل نے اب جلتی پر تیل چھڑکا تھا، لیکن برمودت کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

رومانہ اخبار پڑھ رہی تھیں، صبح صبح ناشتے کا ایک طویل سلسلہ چلتا تھا تو وہ اخبار دیکھ بھی نہیں پاتی تھیں۔ اس وقت تک وہ سبزی بھی بنا کر بالکل فارغ ہوتیں تو تسلی سے اخبار پڑھتی تھیں۔ ماسی لاؤنج میں پوچا لگا رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھ کر اخبار کھول کر پڑھنے لگیں کہ شائمین تیزی سے آئی تھی۔

"امی، میری دادی کی طبیعت بہت خراب ہے ہاسپٹلائزڈ ہیں وہ۔" وہ رو بھی رہی تھی۔

"اللہ خیر کرے، تم جودت کو فون کرتیں نا بیٹا، اسے بلاؤ اور چلی جاؤ۔" رومانہ نے اخبار واپس تہہ کر کے ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا۔

"جی کہا تھا میں نے۔ انہوں نے کاٹ کر ٹیکسٹ کیا کہ وہ میٹنگ میں ہیں۔"

"ٹھہرو، میں ان کے ابو کو کال کر کے دیکھتی ہوں۔" وہ اپنا فون اٹھانے لگیں کہ دروازہ کھول کر رومیل اندر داخل ہوا تھا۔

"ہیلو گرلز، کیا ہو رہا ہے۔"

وہ مسکراتا ہوا تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

"بھلے وقت میں آئے ہو تم رومی۔"

"خیریت؟" وہ پلٹا۔

"شاہین کی دادی بیمار ہیں۔ ہاسپٹل میں ہیں اور اسے بھی ہاسپٹل ان کے پاس جانا ہے۔ تم آگئے ہو تو اسے چھوڑ آؤ وہاں۔" رومانہ کے کہنے پر اس نے سر ہلایا۔

"جی، میں بس اپنا لیپ ٹاپ لے آؤں۔ پھر لے جاتا ہوں۔" وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب بیگ لے کر آیا تو شائم بھی ہمراہ آئی تھی۔ رومانہ بھی اپنا پرس لیے آگئیں۔

"میں بھی چل کر ان کی عیادت کرلوں، پھر گھر سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔" رومیل نے سر ہلایا۔

"اوکے۔ واپس کس کے ساتھ آئیں گی؟"

"دیکھو، ان کی طبیعت کیسی ہے۔ یہ تو وہاں جا کر معلوم ہوگا۔ میں برمودت سے کہوں گی، یونیورسٹی سے واپسی پر مجھے بھی لے آئے۔"

"اوکے۔" وہ گاڑی تک آیا، دروازہ کھول کر انہیں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

☆☆☆

"مودی۔"

وہ اپنے بیڈ پر لیٹا ٹیبلٹ پر مووی دیکھ رہا تھا۔ خلل پڑنے پر بدمزہ ہو کر سامنے دیکھا۔

''امی کو ہاسپٹل سے لے آئے۔''

''امی، ہاسپٹل میں؟ اوہ کیا ہوا انہیں؟ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہوا تھا۔ شائم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''امی کو خدانخواستہ کچھ نہیں ہوا۔ شامین بھابھی کی دادی بیمار ہیں اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔ انہیں دیکھنے گئی ہیں۔''

''دیکھنے گئی ہیں؟'' اس نے تعجب سے دہرایا۔ ''کیا دیکھنے گئی ہیں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں تو کیوں ہیں؟''

''مودی'' شائم نے فہمائشی آنکھیں دکھائیں۔

''تین بجنے والے ہیں۔ انہوں نے لنچ بھی نہیں کیا ہوگا۔ ان کی شوگر لو ہو جائے گی۔''

''اوہ نو!'' اس نے جلدی سے جوتے پہنے، اپنی بائیک کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا، یہ تو ماں سے محبت تھی تو ان کی خاطر یونیورسٹی سے آتے ہی چلا گیا تھا۔ ورنہ وہ اور اس طرح مان جائے گا ناممکن، وہاں پہنچ کر حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ رومیل بھی موجود تھا اور جودت بھی۔

''آپی نے مجھے ایسے بھگایا کہ امی کو کوئی لانے والا نہیں اور یہاں ماشاء اللہ.....'' برمودت کا موڈ آف ہو گیا۔ امی نے نوٹس کیا۔

''مجھے یاد نہیں رہا کہ میں تمہیں منع کر دیتی، یہ دونوں بھی ابھی آئے ہیں۔''

''پھر اب چلیں گی یار کیں گی؟''

''چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔''

وہ اس کے ساتھ آ گئیں، ویسے وہ شکر کر رہی تھیں کہ وہ شامین کے ساتھ ہی ہاسپٹل آ گئیں، صورتحال بہت خراب تھی۔ کسی بھی وقت اطلاع آ سکتی تھی۔ وہ گھر آ کر شائم کو بتا رہی تھیں کہ برمودت بول پڑا۔

''بس کریں امی پلیز! اتنی بوڑھی بزرگ دادی ہیں بھابھی کی، اب اور کتنا جیئیں گی۔ آپ تو یوں پھیلا رہی ہیں جیسے کوئی ینگ گرل اللہ نہ کرے، دنیا سے جانے والی ہو۔''

''افسوس!'' امی نے ملامت سے اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں، ان دونوں کو دیکھیں، اپنے آفس چھوڑ چھاڑ حاضری لگواتے پہنچے ہوئے۔ اب ایسا بھی کیا صدمہ۔''

اس بات پر تو امی بھی چپ ہو گئی تھیں۔ لیکن برمودت چپ ہونے والا نہیں تھا۔ ''ابھی تو دادی اماں ہاسپٹل میں ہیں۔ اگر گزر ہی گئیں تو یہ لوگ بوریا بستر ہی ان کے گھر میں بچھا لیں گے۔''

''جودت بھائی کو تو جانا چاہیے تھا لیکن رومیل کس لیے وہاں موجود ہیں؟'' شائم نے بھی حلق میں چبھتا کانٹا باہر نکالا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، ہو سکتا ہے جودت لے کر گیا ہو۔'' امی نے خیال آرائی کی۔

''عجیب ہی لگ رہا ہے۔ دادی کی بیماری پر اتنا غم کہ سب تسلی، دلاسے کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ پھر میں اور ابو کیوں رہ گئے۔ ہم بھی چلے جائیں۔'' شائم کے کہنے پر برمودت ہنس پڑا تھا۔

''صحیح بات ہے آپی۔''

☆☆☆

شامین کی دادی کا انتقال ہو گیا تھا۔ امی اور شائم جب وہاں پہنچیں تو جنازہ تیار تھا۔ شامین کی رو رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں۔ شائم تو کچھ ہی دیر میں واپس آ گئی تھی۔ امی البتہ دیر سے لوٹی تھیں۔ دوسرے ہی دن سوئم تھا۔ شائم نے مسٹرڈ کلر کا سادہ سوٹ پہنا، وہاں گئی تو شامین نے بھی اتفاق سے ویسا ہی ڈریس پہنا ہوا تھا۔ واپس رومیل کے ساتھ آئی تو اس نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''مجھے یہ لاجک سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے اپنے اور شامین کے ڈریسز ایک جیسے کیوں لیے، کچھ تو اپنا اور اس کا کمپلیکشن دیکھ لیتیں۔''

شائم نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ ''تین یا چار ڈریسز ہی ایسے ہیں بس! یہ بھی امی نے اپنائیت کے

لیے بنوائے۔ کیوں میں بھابھی جیسے ڈریسز میں اچھی نہیں لگتی۔'' شائم کے لہجے میں تیکھا پن محسوس کر کے رومیل سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''ایسی بات نہیں لیکن الگ رنگ روپ پر الگ کمبینیشن سوٹ کرتا ہے۔''

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

''لگتا ہے شامین بھابھی کی خوب صورتی نے تمہیں بہت متاثر کیا ہے؟''

''خوب صورتی سب کو ہی متاثر کرتی ہے۔''

رومیل نے کندھے اچکا کر لاپرواہی آن کرلیا تھا۔ شائم چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ اس کے اندر کہیں خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔

☆☆☆

برمودت واپس جارہا تھا۔ یہاں یونیورسٹی سے کچھ ضروری ڈاکومنٹس لینے تھے۔ وہ دو چار بار جا کر لے آیا تھا۔ سو اب واپسی تھی۔ سب سے چھوٹا اور لاڈلا تھا۔ اس کے جانے سے اداسی پھیل جاتی تھی۔ ابھی بھی امی اور شائم اسے گیٹ تک سی آف کرنے آئی تھیں، مغموم و دلگرفتہ سی، اداس تو وہ بھی تھا لیکن بہ بظاہر مسکرایا۔

''لوگوں کی بیٹیاں رخصت ہوتی ہیں ہمارے گھر لڑکے رخصت ہورہے ہیں۔'' شائم نے دھپ لگائی۔

''اپنی مرضی سے رخصت ہورہے ہیں لڑکے۔''

''جیسے بھی سہی یار، مومی آپی رخصت ہونا تو آپ کا بنتا ہے۔ آپ شادی کے بعد بھی ہمارے گھر میں کیوں رہتی ہیں۔'' اس نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا۔ شائم نے جی بھر کر گھورا تھا۔

''امی سے پوچھو، انہوں نے کیوں ابھی تک ہمیں یہیں رکھا ہوا ہے۔ رومیل سے کہیں مجھے اپنے گھر لے جائے۔''

''نہ بچے، میں کبھی نہیں کہوں گی۔ جب چھوٹا سا تھا تب اتنے مان سے اپنے پاس رکھا اور اب منہ بھر کر جانے کو کیسے کہہ دوں۔''

''خیر، آپی کو خود ان سے کہنا چاہیے۔ جائیں آپی اپنے گھر میں راج کریں۔'' وہ شرارت میں گہری بات کہہ گیا تھا۔ وہ چلا گیا لیکن امی اور شائم کو یہ احساس دے گیا کہ وہ اتنا بھی چھوٹا نہیں کہ رومیل اور شامین کی عجیب سی اپنائیت محسوس نہ کرپائے۔

''رومیل چینج نہیں کرو پلیز، مجھے باہر جانا ہے۔'' رومیل کو ڈریسنگ کا رخ کرتے دیکھ کر شائم تیزی سے راستے میں آئی تھی۔ اس نے ابرو اٹھایا۔

''خیریت''

''مجھے پیزا اور آئس کریم کھانی ہے۔''

''نو وے یار'' وہ نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھا۔

''آرڈر کردو۔ یہیں بیٹھ کر کھالو، میں تھکا ہوا ہوں۔'' اسی پل دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''کون، آیئے۔'' دروازہ کھلا پہلے شامین اور اس کے پیچھے جودت اندر داخل ہوئے تھے۔

''ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

اب شامین ساتھ نہ ہوتی تو منہ پھٹ رومیل نے کہہ دینا تھا کہ پوچھنے کا تکلف رہنے دو بھائی تم نے بالکل ڈسٹرب کیا ہے۔ لیکن مروت میں محض انکار میں گردن ہلائی تھی۔

''یار یہ شامین باہر جانا چاہ رہی ہے۔ اسے کچھ لینا ہے۔ مجھے ضروری پریزینٹیشن تیار کرنی ہے تو میں اس وقت نہیں جاسکتا۔ تم اگر فری ہو تو پلیز۔''

رومیل نے بے اختیار شائم کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جودت سے کہا۔

''ہاں فری ہی ہوں، کہاں جانا ہے؟''

''کسی بھی شاپنگ مال۔''

''نہیں ڈپارٹمنٹل اسٹور'' شامین نے تصحیح کی۔

''اوکے۔'' اس کے اثبات میں جواب دینے پر جودت شکریہ ادا کر کے باہر نکل گیا۔ شامین بھی اس کے پیچھے تھی۔ ان کے جانے کے بعد رومیل نے شائم کو مسکرا کر دیکھا۔

''چلو تم بھی تیار ہو جاؤ۔ تمہاری خواہش بھی

پوری کر دوں، اب باہر جا ہی رہا ہوں۔"
"میرے لیے تو نہیں جا رہے۔" وہ خفگی سے بولی۔
"یار تم تو بیوی ہو نا، تمہیں یا جودت کو تو منع کر سکتا ہوں لیکن شاہین کے لیے تو کرٹسی دکھانی پڑتی ہے نا۔"
اس نے اپنی بے چارگی کا اظہار کیا۔ شائم بے دلی سے تیار ہونے چلی گئی۔
شاہین نے نمکو، جام، جیلی، چاکلیٹ، اسپریڈ، بسکٹ اور ڈرائی فروٹس لیے پھر اسی ٹرالی کو شائم کے حوالے کر کے میک اپ دیکھنے کاسمیٹکس کارنر پر چلی گئی۔
"میں بھی پرفیوم لے آؤں۔" رومیل شاہین کے پیچھے لپکا تھا۔ شائم سامان کیش کاؤنٹر پر بل بنوانے کے لیے دے کر خود بھی وہیں آ گئی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔ سیلز گرل مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "آپ کا کپل بہت اچھا ہے۔ ماشاء اللہ۔" اس کے مخاطب رومیل اور شاہین تھے۔ شائم کے تلووں لگی سر پر بجھی، لیکن بظاہر وہ مسکراتی ہوئی ان دونوں کے درمیان یوں آ کر کھڑی ہوئی کہ بے اختیار انہیں دو دو ہاتھ سرکنا پڑا تھا۔
"بائے دا وے مس، آپ کو ان کے بارے میں مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے۔ ان کی مسز میں ہوں۔ یہ نہیں۔" انگلی سے شاہین کی طرف اشارہ کیا اور رومیل کے ساتھ تقریباً جڑ کر کھڑی ہو گئی۔
"اب بتائیں کیسا کپل ہے ہم دونوں کا۔" سیلز گرل کا چہرہ دیکھنے والا ہو گیا تھا۔ وہاں سے وہ ریسٹورنٹ آ گئے جہاں سے پیزا اور برگر پیک کروا کر گھر آئے تھے۔ بظاہر خوش دلی کا مظاہرہ کرتی شائم جانتی تھی کہ اس کے اندر کیسی آگ جل رہی ہے۔

☆☆☆

"اگر اس سیلز گرل کو غلط فہمی ہو ہی گئی تھی تو دونوں نے درست کرنے کے بجائے مسکرانا بہتر سمجھا۔ یعنی یہی ظاہر کیا کہ وہ ٹھیک سمجھی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟" شائم نے صبح رومانہ کو تنہا دیکھ کر سب بتایا تھا۔ رومانہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ جب سے شاہین آئی تھی انہیں ہر موقع پر اس کی اور رومیل کی خوب صورتی کی تعریف سننی پڑتی تھی ورنہ اس سے پہلے کبھی کسی نے رومیل کی خوب صورتی کو یوں بیان نہیں کیا تھا۔
اس کا مطلب لوگ یہ تاثر لے رہے تھے کہ وہ خوب صورت لوگوں کو پسند کرتی تھیں اور ان ہی میں بچے بیاہے تھے۔ اور رومیل جس نے انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اب اس کی شاہین سے بے تکلفی، دوڑ دوڑ کر اس کے کام کرنا۔ نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہ تھا۔ اب جبکہ شائم بھی بددل ہو رہی تھی۔ اور یہی چیز خطرناک تھی۔ انہوں نے اپنی کزن نبیلہ سے رابطہ کیا تھا، وہ ان کی گہری دوست بھی تھیں۔
"غلطی تمہاری اپنی ہے۔ آج کل سگے بھائیوں کو، بیٹیوں کو ایک گھر میں رکھنے کا وقت نہیں رہا تو بیٹی، داماد کو ساتھ رکھنے کی کیا تک ہے۔ اتنی حسین لڑکی کو بہو بنا کر لائی ہو اور ایک ہی گھر میں ہر وقت کا سامنا ہو تو داماد بیوی اور بھابھی کا موازنہ کرے گا ہی۔ اور کیا معلوم وہ لڑکی بھی جودت اور رومیل کا تقابل کرتی رہتی ہو۔"
انہوں نے رومانہ کو اور دہلایا۔ "توبہ کرو نبیلہ"
"تم پہلے شائم کو سمجھاؤ کہ رومیل کے آنے پر اچھی طرح تیار ہو کر اسے اپنے ساتھ ہی مصروف رکھے۔ باہر چلی جائے یا کمرے میں ہی فلم وغیرہ دیکھ لے۔ اسی طرح جودت سے بھی کہو اپنی بیوی کو ٹائم دے، پھر کسی دن صولت بھائی کو صورت حال بتاؤ اور رومیل کو الگ کر دو سہیل بھائی کا گھر ہے نا، وہاں چلا جائے۔"
نبیلہ کی ٹپاری سے ایک کے بعد ایک مشورہ نکلا چلا آ رہا تھا۔ رومانہ نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔
"کیسے کہوں، میرا منہ نہیں پڑتا؟"
"شاباش تو پھر یہ منہ بند ہی رکھو اور جو ہو رہا ہے

،وہ ہونے دو۔'' نبیلہ کو جلال آ گیا۔

''لاحول ولاقوۃ'' وہ یہی کہہ سکی تھیں۔

''ایسے پریشان ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ الجھنیں بڑھتی ہیں۔ اگر جودت کو یہ لگا کہ رومیل، شامین کی طرف جھک رہا ہے تو وہ تمہاری طرح گھبرائے گا نہیں بلکہ عملی قدم جو کچھ برا بھی ہوسکتا ہے۔ اٹھانے میں دیر نہیں لگائے گا۔ اس لیے ہوش کے ناخن لو اور بروقت فیصلہ کرو۔''

☆☆☆

رومیل کو سہیل صاحب کا فون موصول ہوا تھا۔ جس میں وہ اپنے آنے کی ''خوشخبری'' سنا رہے تھے اور گھر کھلوا کر اس کی صفائی وغیرہ کا بھی کہہ رہے تھے۔ ''مجھے خوشی ہوگی اگر تم اور شامین ہمارا استقبال اپنے گھر میں کرو تو۔''

''رومیل حیران پریشان فون ہاتھ میں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھار یا دونوں عیدوں پر رابطہ کرنے والے پاپا نے کیسے اسے اس طرح کال کر کے اپنے آنے کا بتایا تھا؟ گھر آ کر اس نے خالہ اور شامین کو بتایا۔ کب آ رہے ہیں سہیل بھائی؟''

''تین دن بعد۔''

''اوہ، پھر تو کل ہی گھر کی صفائی کروانی شروع کر دیں۔'' انہوں نے رومیل سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کل ہی صغراں کو کہتی ہوں اپنی بیٹی اور بہو کو ساتھ لے آئے تو چل کر صفائی کروا دوں گی۔''

جب سہیل ان کی بیوی روحی بیگم اور تین بیٹیاں ہادیہ، ہانیہ اور نادیہ آئے تو ان کا گھر پورٹیکو سے لے کر لاؤنج اور بیڈ رومز سے کچن تک صاف شفاف چمک رہا تھا۔ پردے اور قالین غالباً نئے تھے۔ فرنیچر وہی تھا۔ رومیل اور شامین نے ان کا استقبال کیا تھا۔ سہیل سات سال بعد رومیل سے ملے تھے۔ جوان گھبرو خوب صورت بیٹے کو دیکھ کر بے ساختہ اپنے سینے سے لپٹا لیا تھا۔ ان کے والہانہ پن پر حیران ہوتا رومیل سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے اب مزید کتنا حیران ہونا ہے۔ دوسرے ہی دن سے روحی بیگم جنہیں مجبوراً ہی سہی ممی کہہ کر پکارتا تھا۔ اس کے لیے مختلف کھانے، بنانے لگیں۔ بہنیں اس کے آگے پیچھے پھرتیں۔ ان کا یہ التفات اسے الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ ''یہ سب، کیوں اتنے اچھے بن رہے ہیں؟''

''بھائی آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔''

نادیہ اسے بلانے آئی تھی۔ وہ ان کے پاس آ گیا۔ وہ اپنی چھوٹی سی اسٹڈی میں بیٹھے تھے۔

''آؤ بیٹا بیٹھو۔'' رومیل ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''دیکھو رومیل میں اب بوڑھا ہو رہا ہوں۔ تو کارخانہ مجھ اکیلے سے نہیں سنبھالا جاتا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ دبئی چلو اور تمام امور سنبھالو، ہادیہ اور ہانیہ کے رشتے طے کر دیے ہیں۔ چار، پانچ ماہ تک ان کی شادی کا ارادہ ہے۔ پھر گھر میں تمہارا ہونا کتنا ضروری ہے تم خود اندازہ کرو۔''

اتنی غیر موقع بات نے اسے دم بہ خود کر دیا تھا۔

''کیا ہوا تم اتنے خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میری اتنی اچھی جاب ہے۔ میں کیسے اسے چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔'' وہ حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

''یار تمہارا اپنا کارخانہ ہے۔ اس کی ایک ماہ کی آمدن تمہاری چھ ماہ کی سیلری کے برابر ہے۔ تم جاب چھوڑنے پر پریشان ہو۔''

رومیل کا دل چاہا کہہ دے کہ یہ کارخانہ پہلے کہاں تھا۔ لیکن احترام ملحوظ خاطر تھا۔ سو اتنا ہی کہا۔

''میں ایسے تو جاب نہیں چھوڑ سکتا۔''

''بوڑھے باپ کو چھوڑ سکتے ہو؟''

''مجھے تسلیم ہے میں نے تمہیں یہاں چھوڑ کر غیر ذمے داری کا ثبوت دیا لیکن یہ میں نے خوشی سے نہیں کیا۔ پہلے میں اپنے چچا کے خارکانے میں کام کرتا تھا پھر اپنا کارخانہ لگایا۔ اسے اسٹیبلش کرنے میں سب بھول گیا۔ تم روحی سے پوچھ سکتے ہو۔ میں اسے اور بچیوں کو بھی برابر ٹائم نہیں دے پایا کبھی بھی،

اب جب کارخانہ بہت اچھا چلنے لگا ہے تو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

انہوں نے آگے جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ خاموش تھا۔ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا۔

"تم اپنی خالہ اور خالو سے مشورہ کرلو۔ لیکن بیٹا میرے تم اکلوتے بیٹے ہو، وارث ہو، یہ سب تمہارا ہی ہے۔ اگر تمہیں وہاں رہائش پسند نہ آئے تو تم کارخانہ یہاں شفٹ کرلینا فی الحال وہاں چل کر دیکھو تو سہی۔"

"اب میں جاؤں۔" اس نے اجازت طلب کی۔

"او کے جاؤ اور غور کر کے مجھے بتاؤ، تمہارا فیصلہ کیا ہے۔"

☆☆☆

"یار رومی! سوچوں میں نہ پڑ اور فلائی کر جا، دیر ہی نہ کر، یہاں تو دوسروں کا ایمپلائی ہے اور وہاں سیکڑوں ایمپلائز تیرے احکامات کے منتظر ہوں گے۔ کیا بات۔"

جودت سنتے ہی پرجوش ہو گیا تھا۔

"پتا نہیں یار، میرا تو دل نہیں مان رہا۔"

رومیل سوچوں میں گم تھا۔

"کیوں نہیں مان رہا وجہ؟"

"اپنی سٹیلڈ لائف کو دوسری جگہ جا کر ری سٹیل کرنا، کوئی آسان بات ہے؟"

"او یار! انجوائے کر، یہ کیا لڑکیوں کی طرح منہ بنا کر بیٹھ گیا ہے۔" جودت نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔

"پاپا کو اچانک مجھ پر کیسے پیار آ گیا؟"

"اچانک تو خیر نہیں آیا ہوگا۔ ایک ہی بیٹے ہو تم، ظاہر ہے کئی بار یاد آئے ہوگے لیکن اپنے پچھلے سرد رویے کی وجہ سے تم سے بات نہیں کر پائے ہوں گے، اور یقیناً صرف ساتھ لے جانے کے لیے۔ تمہیں راضی کرنے کے لیے ہی وہ پاکستان آئے ہیں۔ اپنے گھر میں تمہیں ساتھ رکھ کر وہ تمہیں خود سے مانوس کرنا چاہ رہے ہیں۔ تمہارا دل نہیں چاہتا ان کے ساتھ رہنے کو؟"

جودت کے سوال پر اس کی آنکھوں میں زخمی تاثر چھلکا تھا۔ جب دل چاہتا تھا تب تو مہینوں میں کہیں فون آیا کرتا تھا۔ اب میں کوئی بچہ ہوں جو دل چاہے گا۔"

"واہ یار، بچوں کا دل چاہتا ہے اور بڑوں کا نہیں۔ چل زیادہ ایکٹنگ نہیں، بوڑھے باپ کا سہارا بن بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں تو سیٹھ بن کر ہمیں منہ بھی لگائے گا یا نہیں۔" اس نے بذلہ سنجی دکھائی۔ رومیل پھیکا سا مسکرایا۔

"پتا نہیں یار سیٹھ بنوں گا یا لٹیا ڈبو دوں گا۔"

"اوہ، ایم بی اے کر کے تو بزنس ڈبوئے گا۔ ہاہاہا واٹ آ فنی جوک؟" جودت نے بلند قہقہہ لگایا تھا۔

رومیل اٹھ گیا۔ "میں چلتا ہوں اب؛ بائے۔"

رومیل کی رضا مندی کے بعد سہیل صاحب ٹکٹس کے لیے سرگرم ہو گئے۔ روحی سب سے ملنا ملانا کرنے لگیں۔ رومیل نے ابھی جاب سے ریزائن نہیں کیا تھا۔ وہ دبئی جا کر معاملات کو دیکھنے کے بعد نوکری جاری رکھنے یا چھوڑنے کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ روحی نے سہیل سے پوچھ کر ایک الوداعی پارٹی گھر پر رکھ لی تھی کہ سب سے مل بھی لیا جائے گا۔ پارٹی کا انتظام لان میں کیا گیا تھا۔

شامین اور رومانہ بیگم شام سے ہی شمائم کی مدد کے لیے آ گئی تھیں۔ شامین ابھی تیار نہیں ہوئی تھی برانڈڈ لان کے سوٹ میں ملبوس بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی۔ رومیل کئی بار بہانے بہانے سے وہاں جا چکا تھا۔ جہاں وہ پائی جاتی تھی۔ وہ مغرب کا وقت تھا بس مہمان آ چکے تھے۔ جب شمائم کو یاد آیا کہ وہ اپنے گجرے ڈریسنگ پر ہی بھول آئی ہے۔ اس نے رومیل سے سرگوشی کی کہ وہ اسے اندر سے گجرے لا دے، وہ سر ہلاتا تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا کہ معاً اسے رکنا پڑا۔ اندر سے شامین کی آواز آ رہی تھی۔ وہ غالباً فون پر بات کر رہی تھی رومیل شش و پنج میں پڑ گیا کہ دروازہ ناک کر کے اندر جائے یا یہیں سے پلٹ جائے۔ کہ اندر سے آتی آواز کچھ بلند ہوئی۔

"ہاں یار، میری نند کا شوہر ہے۔ لیکن اس کے

بجائے میرا خیال زیادہ رکھتا ہے۔'' پھر ہنسی
''اس معاملے میں مجھے کبھی کمی نہیں رہی۔ مل جاتا ہے کوئی نہ کوئی دل پھینک۔'' وہ رکی، غالباً دوسری طرف کی بات سن رہی تھی۔
''تو میں ہوں ہی ایسی کہ ہر کوئی نمبر بنانے کے چکر۔ میں۔'' اس بار قہقہہ گونجا تھا۔ مزید سننا رومیل کے بس میں نہیں تھا۔ وہ وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ کترایا ہی رہا۔ کئی بار اسے شاہین کی حیرت بھری نظریں خود پر پڑتی محسوس ہوئی تھیں۔ سب لوگ چلے گئے تو شائم اس کے پاس آئی۔
''امی وغیرہ ابھی یہیں ہیں۔ ایسا کرو میٹھے پان اور آئس کریم لے آؤ، شاہین کا دل چاہ رہا ہے۔''
''تو اپنے میاں سے بولے وہ لادے، میں کیا فالتو ہوں۔'' اس کی بے مروتی پر شائم کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ ''گھر میں اس کا میاں ہی لاتا ہے۔ یہاں تو وہ ہماری مہمان ہیں۔''
''سوری میں تھک گیا ہوں۔ میں نہیں لاسکتا۔'' وہ پاپا کی طرف چلا گیا۔ جو چائے پی رہے تھے۔ رومیل کے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ شاہین کے جملے رہ رہ کر اس کے کانوں سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ جو اس کے حسن سے سچ مچ متاثر ہوگیا تھا۔ رشتوں کی نزاکت کا احساس کیے بغیر اس کے آگے پیچھے پھرتا۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا، وہ بھی آگے سے مثبت ردعمل ظاہر کرتی تھی ورنہ رومیل اتنا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ یک طرفہ جذبات لٹاتا رہتا۔ اسے دیکھ کر شاہین بڑے انداز سے مسکراتی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ وہ بھی اس سے متاثر ہوچکی ہے۔ ساحل پر مانگنے والی کی دعا یا کاسمیٹکس کی سیلز گرل کی غلط فہمی، شاہین کی مسکراہٹ، اس کا حظ لینا۔ اس کی دلچسپی ہی کا مظہر تھا۔ رومیل اپنی پرکشش شخصیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے صف نازک سے ہمیشہ اچھا رسپانس ہی ملا تھا۔ یہ تو وہ خود کو شائم کا پابند سمجھتے ہوئے بھی آگے نہیں بڑھا اور شاہین کے حسن نے اسے ایسا بے بس کیا کہ وہ رشتوں کی حرمت بھی بھول گیا یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یہ معاملہ کچھ اور آگے بڑھ گیا تو کیا ہوگا۔
جودت، شائم اور گھر والے کیسا ری ایکٹ کریں گے۔ اف اس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا، اب اسے اپنا دبئی جانا ایک بہترین فیصلہ لگنے لگا تھا۔ دوریاں بہت سی باتوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ غلطیوں پر، یادوں پر، پھر دبئی جانے تک وہ بہت کم خالہ کے گھر گیا تھا۔ جب بھی گیا شاہین کے چہرے پر حیرت نظر آئی۔ ظاہر ہے وہ اس کے التفات کی عادی ہوچکی تھی۔ پھر شائم کے ہوتے ہوئے بھی وہ والہانہ اسے دیکھتا تو یہ فخر ایک انبساط بن کر اس کی رگ وپے میں دوڑتا تھا۔

☆☆☆

جب وہ دبئی جانے لگے تو رومانہ نے کتنی ہی دیر رومیل کو خود سے لگائے رکھا تھا۔
''کیسے رہیں گے ہم، تم دونوں کے بغیر۔''
یہ اور بات کہ وہ دل سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزار تھیں کہ اس نے پردہ کھلنے سے پہلے ہی معاملات سنبھال دیے تھے۔ انہیں کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اور سب ٹھیک ہوتا چلا گیا تھا۔ اب شائم دور جارہی تھی تو کیا، وہ خوش تو رہتی۔ یہ زیادہ ضروری تھا۔ اس سب میں نبیلہ کا بہت بڑا کردار تھا۔ جس نے سہیل صاحب سے رابطہ کرکے باقاعدہ ان کی ذہن سازی کی تھی کہ وہ اپنا اکلوتا بیٹا اپنے پاس رکھ کر اس کے ہنر اور جوانی سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ وہ پہلے ہی شرمسار تھے۔ اس پر تین بیٹیاں، اگر ایک اور بیٹا ہوتا تو شاید انہیں رومیل کا اتنا احساس نہ ہوتا لیکن اب تو وہ اس کے لیے واقعی تڑپ گئے تھے۔ ہمت کرکے پاکستان آئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ رومانہ نے گہری سانس لیتے ہوئے شاہین کو دیکھا۔ ''ہم عورتیں بیٹوں کے لیے حور پری جیسی لڑکیاں تلاش کرتے ہوئے بھول جاتی ہیں کہ ہماری اپنی بیٹیاں تو اپنی خوب صورت نہیں، پھر اتنی حسین بہو گھر لاکر خود اپنے لیے اپنی بیٹیوں کے لیے آزمائش بنا لیتی ہیں۔''

فریحہ اشفاق

ہنر بے مول

''السلام علیکم!'' زوردار آواز میں بھیجی جانے والی سلامتی کی آواز پر حرا نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔

سامنے والی نادیہ چلی آ رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' نادیہ نے چاول چنتی حرا سے استفسار کیا۔

''کچھ نہیں، چاول پکانے کی تیاری۔''

اچھا ساتھ کیا پکایا ہے؟

''دال بنائی ہے۔''

''پھر سے دال؟'' نادیہ نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

''ہاں جہاں بمشکل گزارا ہو وہاں دال چاول بھی غنیمت ہیں۔''

''اچھا مجھے مہندی تو لگا دو۔''

نادیہ نے لاپروائی سے کہا۔ ''پہلے جو تم سے مہندی لگوائی تھی تو میری بھابھی تو ڈیزائن پر فدا ہی ہو گئیں۔ میں نے بھی کہا کہ پارلر سے لگوائی ہے سچ میں حرا تمہارے ہاتھ میں بلا کا ہنر ہے اتنی نفاست سے ڈیزائن نقش کرتی ہو کہ سب دیکھتے رہ جاتے ہیں۔''

حرا دھیمے سے مسکرا دی۔ ویسے بھی وہ ایک کم گو لڑکی تھی۔

''اچھا جلدی سے مہندی لگا دو چاول بعد میں پکا لینا۔ آج ہماری ویڈنگ اینورسری ہے۔ ابھی ابھی بریانی اور مٹن کڑاہی بنا کر آئی ہوں۔ شام میں عدنان کے ساتھ شاپنگ پر بھی جانا ہے۔''

نادیہ فخر سے بتا رہی تھی جبکہ حرا خاموشی سے سن رہی تھی۔ تقریباً ساری کالونی ہی خوش حال تھی۔ کچھ سال پہلے حرا لوگوں کا شمار بھی خوش حال گھرانوں میں ہوتا تھا پھر حرا کے والد نے جو مسقط میں مقیم تھے۔ وہاں پر ہی شادی رچا کر بیٹھ گئے۔ شروع میں پیسے بھجواتے رہے پھر اچانک ہی خرچے کی مد میں بھیجی جانے والی رقم بھی بند اور رابطہ بھی ختم۔

وہ دن اور آج کا دن نہ کبھی فون کیا نہ خود آئے۔ لے دے کے ایک گھر تھا جو اپنا تھا۔ خوب صورت ڈبل اسٹوری اور کشادہ، آمدنی کے لیے اوپر والا پورشن کرائے پر چڑھا دیا۔ اور حرا کی امی گھر بیٹھے الائچی، انار دانہ، سرخ مرچیں، خشک دھنیا پیکٹوں میں بند کرنے کا کام کرنے لگیں۔ کاموں سے فراغت ملتے ہی حرا اور حنا بھی ماں کا ہاتھ بٹا دیتیں۔ گزارا ہو ہی رہا تھا۔

☆☆☆

''حرا! کہاں ہو بھئی باہر آؤ نا!'' نادیہ حسب معمول شور مچاتی پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

حرا نے آخری پیکٹ بھر کر بند کیا۔ پیکٹوں سے بھری ٹوکری بیڈ کے نیچے کھسکائی۔ اور اٹھ کر باہر نکل آئی۔

''کیا کر رہی تھیں؟'' نادیہ نے اپنا مخصوص سوال دہرایا۔

''کچھ نہیں پیکٹ بھر رہی تھی۔''

حرا نے نادیہ کی چھوٹی بہن ناجیہ سے ہاتھ ملایا اور حنا کو آواز دی۔

''جی باجی؟'' حنا نے نادیہ اور ناجیہ کی خیریت دریافت کرنے کے بعد حرا سے پوچھا۔ ''آپ نے

بلایا تھا۔"

"ہاں گڑیا! چائے بنا کر لے آؤ۔" حنا کچن کی طرف پلٹ گئی۔

"ارے رہنے دو حنا! ہم ابھی کھانا کھا کر آئے ہیں۔ ذرا طلب نہیں کسی بھی چیز کی۔ یہ ناجیہ آئی تھی میری طرف، اس کے کالج میں کوئی فنکشن ہے، مہندی لگا دو اسے۔" نادیہ نے ناجیہ کے بیگ سے کون مہندی نکالی اور حرا کی طرف بڑھائی۔

"جی اچھا!" حرا نے ناجیہ کا ہاتھ تھاما اور الٹے ہاتھ پر مہارت اور پھرتی سے ڈیزائن بنانے لگی۔

چند ہی منٹوں میں ناجیہ کے دونوں ہاتھ دلکش نقش و نگار سے بھر چکے تھے۔

"ارے واہ حرا! تم تو بڑی خوب صورت مہندی لگاتی ہو۔ مجھے تو پارلر سے مہندی لگوا کر بھی ڈیزائن پسند نہیں آتے مگر تم نے تو کمال کر دیا تم کوئی پارلر جوائن کر لو۔ جب تمہارے ہاتھ میں ہنر ہے تو اس کا فائدہ بھی اٹھاؤ۔ یہ پیکٹ بھرنے سے تو زیادہ آمدنی ہوگی۔"

"پارلر والیاں تو ایک ہاتھ کے کم سے کم تین سو روپے چارج کرتی ہیں۔ اور آپ کے ایریے میں تو چار سو روپے لے رہی ہیں۔ میں نے خود لگوائی تھی چار سو دے کر۔"

نادیہ کا کھنکاری اور ناگواری سے چھوٹی بہن کو دیکھا۔ ناجیہ نے خاص اثر نہ لیا۔

"دراصل ہمارے گھر سے پارلرز کافی دور ہیں تو آنے جانے کا مسئلہ ہوتا ہے۔ پھر امی بھی نہیں مانتیں۔" حرا نے اداسی سے بتایا۔

"ارے زیادہ دور تو نہیں، چلو پھر بھی کوئی مسئلہ نہیں تم

گھر کے باہر پوسٹر لگوادو۔'' ناجیہ نے ایک اور مشورہ دیا۔

''ایک ہاتھ کے دو سو روپے لو پھر دیکھنا، بہت لوگ آئیں گے۔ ایک تو ریٹ پارلر سے کم ہوگا۔ دوسرا جب تمہاری مہارت دیکھیں گے لوگ تو پکے گاہک بن جائیں گے۔''

''چلو اٹھو گھر چلیں۔'' نادیہ کو بہن کا دیا مشورہ نہ بھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نادیہ باجی! میرے پرس سے پانچ سو نکال کر حرا کو دیں۔''

''ارے، اتنے پیسے؟'' نادیہ حیرانی سے بولی۔

''ارے زیادہ کہاں پارلر والی نے پانچ سو سے زیادہ لے لینے تھے۔ میں تو کم دے رہی ہوں۔''

''نہیں رہنے دو۔''

''کیوں رہنے دو۔'' حرا کے انکار پر ناجیہ نے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے حرا کو گھورا۔ ''اپنی محنت کا معاوضہ لیا کرو۔''

''باجی آپ نکال کر دیں، میرے ہاتھ پہ مہندی لگی ہے۔ ورنہ خود دے دیتی۔''

نادیہ نے نہ چاہتے ہوئے پیسے نکالے اور حرا کو پکڑائے۔ اور بغیر کچھ کہے چل دی۔ حرا کو لگا کہ نادیہ ناخوش ہے کہ ناجیہ نے پیسے کیوں دیے۔ خیر وہ گہری انس بھرتی پیسے رکھنے کے لیے اٹھی تو صوفے پر رکھے ناجیہ کے پرس پر نظر پڑی جو یہاں ہی رہ گیا تھا۔ حرا نے پرس اٹھایا اور امی کو بتا کر نادیہ کے گھر پرس واپس کرنے چل دی۔

بیرونی دروازہ نیم وا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ لاؤنج نیم تاریک تھا۔ سامنے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی، وہ کمرے کی طرف بڑھی۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھا تاکہ دروازہ کھول سکے مگر اپنا نام سن کر رک سی گئی۔ نادیہ تیز لہجے میں ناجیہ کو ڈانٹ رہی تھی۔

''کیا ضرورت تھی پیسوں کی بات کرنے کی۔ اور الٹے سیدھے مشورے دینے کی؟ میں تو آئے دن فری میں حرا سے مہندی لگوا آتی تھی۔ اب مجھے بھی پیسے دینے پڑیں گے۔''

''تو دینے بھی چاہئیں۔ اتنے اچھے ڈیزائن تو پارلر والی پیسے لے کر بھی نہیں بناتی۔ وہ جو آپ کو فری میں لگا دیتی ہے۔''

''ارے پیسے ہی دینے ہیں تو بندہ پارلر سے ہی نہ لگوالے۔''

''باجی! شرم کریں، آپ سے مجھے ایسی امید نہ تھی کہ آپ کو پیسے کی کیا کمی، جو پارلر میں دینے ہیں وہ حرا کو دیں۔ حرا کی مدد ہو جائے گی اور اس کا حق ہے۔ اتنی محنت سے باریک اور نفیس ڈیزائن بناتی ہے۔''

''اچھا بس کرو اب حرا کا ہنر نامہ'' نادیہ نے بیزاری سے ہاتھ جھلایا۔

جبکہ باہر کھڑی حرا بوجھل دل سے دونوں بہنوں کی باتیں سن رہی تھی۔ یہ نادیہ تھی جو حرا کی بڑی خیر خواہ بنتی تھی۔ اور اب کیسے اپنی بہن سے الجھ رہی تھی۔ حرا ناجیہ کا پرس لیے واپس آگئی۔ اس کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا نادیہ کا سامنا کرنے کو۔ حرا کے سامنے اس کے ہنر کی توصیف کرنے والی نادیہ اس کے پیٹھ پیچھے کیسے ہنر کا معاوضہ دینے کا سوچ کر ہی اچھل رہی تھی۔

ہائے یہ انوکھی دنیا اور اس کے نرالے لوگ۔

☆

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ بہت سے علاقے لاک ڈاؤن کی زد میں ہیں جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔ ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو مارچ یا جون کا پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/70 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 03172266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/840 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام ''عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030'' کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/ روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/ روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 03172266944 پر رابطہ کریں۔

فرخ بھٹو

لیکن وہ میرے خواب

"اللہ اتنی زیادہ شاپنگ کرنا بھی بعض اوقات عذاب جان بن جاتا ہے۔" اس نے مختلف برانڈز کے شاپنگ بیگز ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیے اور اپنی سرخ سوجی ہوئی ہاتھ کی انگلیوں کو بغور دیکھا۔

"یہ بجو بھی نا بس شاپنگ کوئین ہیں۔" پھر کوفت سے پیچھے آتی بجو کو مڑ کر دیکھا جو شاپنگ مال سے نکل کر اچھی بھلی چلتے چلتے ایک خاتون سے رک کر بہت گرم جوشی سے ملنے لگی تھیں۔

کوفت مزید سوا ہوئی۔ سرخ انگلیوں سے بجو کو جلدی آنے کا اشارہ کیا۔ بجو جو ذرا کی ذرا اس طرف متوجہ ہوئیں۔ کار کی چابی کو ہاتھ سے کچھ اونچا کر کے دبایا اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

"چلو جی بات ہی ختم۔ اب آدھا گھنٹہ گاڑی میں بیٹھ کر بجو کا انتظار کرو۔ خیر یہاں کھڑے ہونے سے تو بہتر ہے گاڑی میں ہی بیٹھ جائیں۔ اس بوجھ سے تو خلاصی ملے گی۔"

اس نے سورج کی چمکیلی کرنوں کو کوفت سے دیکھا اور جلدی جلدی پارکنگ ایریا کی طرف قدم بڑھائے۔

اس نے کار کے پاس آ کر پچھلا دروازہ کھولا اور شاپنگ بیگز پٹخنے کے انداز میں سیٹ پر

مکمل ناول

اچھالے۔ پھر دھڑ سے دروازہ بند کر کے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور گرنے کے سے انداز میں سیٹ پر آ بیٹھی۔ دھوپ سے اندر آنے کی وجہ سے اندھیرا سا آنکھوں کے آگے آ گیا تھا۔ آج کی شاپنگ نے تو تھکا کر رکھ دیا۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے چہرے پر آیا پسینہ پونچھا مگر اگلے ہی پل چونک گئی۔ گاڑی کے ماحول میں ٹھنڈک تھی۔

اس کے ساتھ ایک تیز مردانہ پرفیوم کی خوشبو محسوس کی تو بے اختیار گردن موڑ کر ساتھ والی فرنٹ سیٹ کی طرف دیکھا۔ اور بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بہت دل جمعی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''او گاڈ۔ میں غلط گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی ہوں۔''

اس کو سیکنڈ میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''اُف۔ سب صحیح کہتے ہیں، میں جلد بازی میں اندھی ہو جاتی ہوں۔ اب ساتھ بیٹھا یہ بندہ بھی نہ دیکھ سکی۔'' اس نے خود کو کوسا۔ پھر اس شخص کو دیکھ کر کھسیا کر مسکرائی۔

''ایم سوری۔ وہ میں سمجھی، ہماری کار ہے۔ کلر وہی ہے اور ماڈل بھی۔'' اس نے شرمندہ لہجہ میں کہا اور آٹو میٹک دروازہ کھولنے کے لیے بٹن دبایا مگر یہ کیا اس بندے نے فوراً اپنی طرف والے بٹن سے لاک لگا دیا۔

اس نے زور سے دبایا مگر بے سود۔ اس نے بے یقینی سے گردن موڑ کر اس اجنبی کو دیکھا جواب بھی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، لاک کھولیں، مجھے اترنا ہے۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''پری! تم میرے سامنے ہو میرے اتنے پاس۔ یا خدا مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' اس شخص نے اسے دیکھتے بے خودی سے کہا۔

''کون پری؟'' وہ حیران ہوئی۔

''بس یہی سننا باقی رہ گیا تھا پری! کہ براہ راست تم اپنی پہچان سے انکار کر دو۔'' اجنبی شخص کی بے تاب آنکھوں میں اذیت کی لہر اٹھی۔

''کیسی پہچان؟ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں آپ۔'' وہ جھنجھلائی۔

''بہت ظلم کر رہی ہو مجھ پر پری! اتنی محبت دے کر یوں تغافل برتنا بالکل اچھا نہیں۔ مجھے جیتے جی مار تو ڈالا تم نے، بتا بتائے سب رابطے ختم کر دیے۔ کچھ خیال نہیں کیا کہ مجھ پر کیا گزرے گی۔ تم جانتی ہو تمہاری بے رخی الاؤ بن کر دہکتی ہے ادھر۔'' اس شخص نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی۔

''دماغ ٹھکانے ہے تمہارا۔ کیا اول فول بک رہے ہو۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔'' اس نے شدت غضب سے سرخ پڑ کر اپنا ہاتھ چھڑایا پر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

''کیا سمجھتی تھیں۔ مجھ سے پیچھا چھڑا کر یا آسانی چھپ جاؤ گی۔ تم پاتال میں بھی ہوتیں نا تو تمہیں ڈھونڈ نکالتا پری! بہت حساب کتاب نکلتا ہے میرا تمہاری طرف۔'' اس شخص کا لہجہ غضب ناک ہوا وہ سراسیمہ ہو گئی۔

''دیکھو، تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہیں بالکل نہیں جانتی۔ مجھے جانے دو۔'' اس نے بمشکل رسان سے کہا اور اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی ناکام سعی کی۔

''قسمت سے تم خود چل کر میرے پاس آئی ہو۔ پری..... ہاڈ لکی آئی ایم۔ اب کیسے جانے دوں۔ کہیں چل کر تمہاری یادداشت کا علاج بھی کر لیتے ہیں۔'' اس نے کار جھٹکے سے اسٹارٹ کی اور پوری اسپیڈ سے روڈ پر دوڑا دی۔

''بچاؤ.....'' وہ بدحواس ہو کر چیخی تھی۔

☆☆☆

ہلکی ہلکی کھڑ پٹر کی آوازوں پر وہ بستر میں کسمسائی۔ نیند سے بوجھل ذہن نے کسی خطرے کا سائرن دیا۔ سوچ کا پرندہ اپنی چونچ سوئے اعصاب پر مارنے لگا۔ نشراح نے کروٹ بدل کر مندی مندی آنکھیں کھولیں مگر سامنے کا منظر دیکھ کر اسے ایک جھٹکا لگا۔ وہ کرنٹ کھا کر مکمل بیدار ہوئی اور چھلانگ

لگا کر بستر سے اتری اور عصرہ کے سر پر جا پہنچی۔ جو بڑے ہی مگن انداز میں اس کی الماری کے پٹ بند کر کے پلٹ رہی تھی۔

''تت..... تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کپڑے اور میری جیولری پہننے کی۔'' نشراح حلق کے بل چلائی۔ اور ابلتی آنکھوں سے عصرہ کو گھورا۔

''وہ میرا سوٹ پریس نہیں تھا۔ اسی لیے۔'' عصرہ نے خائف ہو کر کہنا چاہا۔

''تو میرا کیا قصور، اگر تمہارا سوٹ استری نہیں تھا۔ پھوہڑ ہو پہلے نمبر کی۔ تم سے نہ گھر کے کام ہوتے ہیں نہ ہی اپنے۔ اب سارا دن میرے سوٹ اور جیولری کو مس یوز کرو گی۔ فوراً دونوں چیزیں مجھے اتار کر دو۔'' اس نے ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر دوسرے سے چٹکی بجائی۔

''اسکول سے واپسی پر لے لینا۔ ابھی جانے دو۔'' عصرہ مزاج کے برخلاف منت سے بولی۔

''اسکول سے واپسی پر تم بستر پر پڑ جاؤ گی۔ لیٹے لیٹے دوپہر کا کھانا تناول ہوگا۔ کچھ سالن کپڑوں پر گرے گا کچھ بیڈ کی چادر پر۔ میں چیخیں ماروں گی۔ میرے نئے کپڑے خراب کر دیے اور تمہارے کان پر جوں بھی چہل قدمی کو نہیں آئے گی کہ میری اونچی آواز باباسن لیں گے اور مجھے تنبیہہ کرنے اپنے کمرے میں بلوالیں گے۔ آدھا گھنٹہ بڑی بہن کے ساتھ تو تو میں میں کرنے پر ڈانٹ پلائیں گے۔ تمہارے مزے آجائیں گے اور میرا دل جل کر خاک ہو جائے گا۔'' نشراح نے فرفر بول کر آخر میں بے ترتیب سانس کو سنبھالا۔

''آج پہننے دو۔ آئندہ نہیں پہنوں گی پلیز۔ ابھی مجھے جانے دو، اسمبلی نکل جائے گی۔'' عصرہ نے لجاحت سے کہہ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔

''تم ہمیشہ یہی پرامس کرتی ہو اور پھر میری چیزیں استعمال کرتی ہو۔'' نشراح بدستور اسے گھیرے ہوئے تھی۔

''نشراح! میری میڈم مجھے مار ڈالیں گی پلیز مجھے جانے دو، واپس آکر تم سے بات کرتی ہوں۔'' عصرہ اسے دھکیل کر دروازے کی طرف دوڑی۔

وہ سست قدموں سے آکر دادی کے تخت پر ڈھیر ہوگئی۔

''آج پھر سے چھٹی کر لی۔'' دادی نے تسبیح گھماتے نشراح کو دیکھا۔

''دادو! آج خاص پیریڈز ہی نہیں ہیں۔ کیا کروں جا کر؟'' اس نے جماہی روک کر کہا۔

''بس بی بی! تمہارا انوکھا اسکول ہے جہاں نہ کلاس ہوتی ہے نہ استانیاں پڑھانے آتی ہیں۔ روز چھٹی۔'' دادی نے کڑے تیوروں سے پوتی کو دیکھا۔

''اسکول نہیں دادی کالج..... کالج میں آگئی ہوں۔'' نشراح نے گردن اکڑائی۔

''اور کالج کوئی اسکول نہیں جس میں بلاناغہ جانا پڑے، ہفتے کے چار دن پراپر کلاسز ہوتی ہیں، باقی کے دن مرضی ہے جاؤ نہ جاؤ۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''تمہارے ساتھ تو اسکول میں بھی یہی معاملہ تھا۔ کیوں پڑھائی سے جی چراتی ہو۔ عصرہ کو دیکھو، اس عمر میں سرکاری اسکول کی استانی بن گئی ہے۔ اپنا کماتی ہے۔'' دادی نے شرم دلائی۔

''ہونہہ، ایسے کمانے سے کیا فائدہ۔ بھکارن بنی ہوئی ہے۔ روز میرے کپڑے پہن کر اسکول جاتی ہے۔ خود کے پاس کپڑوں کا ڈھیر ہے پر پہننے کا ڈھنگ نہیں، ایک بار جو سوٹ پہن لے اس کو ایسا کر دیتی ہے کہ اگلی بار پہننے لائق نہیں رہتا۔'' نشراح کو عصرہ کی تعریف ذرا نہ بھائی۔ دادی کے دوپٹے کو کھینچ کر رول کر کے عصرہ کا پھوہڑ پن جتایا۔

''ارے میرا دوپٹہ کیوں کھینچ رہی ہو۔ مجھے تسبیح پڑھنے دو۔'' دادی نے اس کی پیٹھ پر دھموکا جڑا۔

''اف دادو! ہاتھ ہے یا ہتھوڑا۔'' وہ کراہ کر تخت سے نیچے اتر آئی۔

''آج جلدی اٹھ گئی میری شہزادی۔'' اتنے میں امی کچن سے دادی کا ناشتہ لے کر آئیں۔

''آپ مجھ پر طنز نہ کیا کریں ام عصرہ۔''

نشراح نے منہ پھلایا۔

''ہاں میں تو بس عصرہ کی ماں ہوں نہیں اور رباب کو تو میں نے سڑک سے اٹھایا تھا۔'' صدف بیگم نے حسب عادت برا منایا۔

''ہر وقت آپ اور دادی اسی کے گن گاتی ہیں، میں پھر یہی سمجھوں گی نا۔''

''تمہیں ایسا لگتا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے رسان سے کہا۔

''ایسی ہی بات ہے۔''

''مجھے اس دنیا میں پیار صرف بریرہ ہی کرتی ہیں۔ نہ دادی کی طرح ہر بات پر ٹوکتی ہیں نہ آپ کی طرح باتیں سناتی ہیں۔ وہ مجھے میری فرمائش پر ہر چیز دلاتی ہیں۔'' وہ پیر پٹخ کر کمرے کی طرف بڑھی تو دادی نے ناک پر انگلی دھر کر اس کی پشت دیکھی۔

''لو ایسے منہ بھر کر بڑوں کا نام لے رہی ہے جیسے اپنی سہیلی کی بات کر رہی ہو۔ صدفہ بہو! اس کے بگاڑ میں ایک ہاتھ تمہاری اس چچازاد بہن کا بھی ہے۔'' پھر وہ بہو کو خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''اب ایسا تو نہ بولیں اماں! وہ تو میری تینوں بیٹیوں پر یکساں جان چھڑکتی ہے۔'' صدف نے فوراً بریرہ کی حمایت کی۔

''پھر بھی بہو! ہمارے مقابلے میں اس کا کھانا پینا، پہننا اوڑھنا بہت اچھا ہے۔ نشراح کا کچا ذہن اس کی امارت سے مرعوب ہو رہا ہے۔'' دادی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں کھنچ گئیں۔

''بریرہ کے علاوہ بھلا کون سا رشتہ ان نے پاس میسر ہے۔ پھوپی ہیں تو انگلینڈ بیٹھی ہیں۔ نہ تایا نہ چچا۔ میکے میں بھی میں اکلوتی اولاد۔ بریرہ کے گھر کچھ آنا جانا کر لیتی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔'' صدف نے لگے ہاتھوں کئی دلائل دے ڈالے۔

''بس بی بی! تم جانو اور تمہارا کام۔ ہمارا کیا ہے، کچھ نصیحت ہی کریں گے۔ مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی۔''

دادی نے تسبیح ایک طرف رکھی اور ناشتے کی ٹرے سے چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگایا۔ صدف سر جھٹکتی پھر کچن میں چلی گئیں۔

ہزاروں عید شبراتیں کہاں درکار ہیں
ہم کو نگاہِ یار کافی ہے.....
وہی تہوار کافی ہے.....

موبائل کھولتے ہی بیپ کی آواز کے ساتھ میسنجر پر ایک ٹیکسٹ نمودار ہوا۔ شعر پڑھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''سو جائیں شرافت کے ساتھ۔'' اس نے ٹائپ کر کے بھیجا۔

''شرافت کے ساتھ سوئیں با خدا یہ سوچ کر۔ منہ کڑوا ہو گیا۔ تمہیں پتا ہے، شرافت ہمارا باورچی ہے۔'' فوراً ایک برے منہ والا ایموجی ٹیکسٹ کے ساتھ آیا تو وہ بے اختیار ہنسی۔

''ہاہا سوری۔ میرا مطلب تھا کہ آرام سے سو جائیں۔''

''ہاہائے اب ہے نیند کسے، اب ہے چین کہاں۔''

جواباً اداس سے ایموجی کی شکل دکھائی دی۔

''ادھورا دیدار کروا کر میرے دل کو بے چین کر دیا ہے جانم۔ اب مکمل صورت دکھاؤ تو کچھ سکون ملے۔'' روز کی فرمائش دہرائی گئی۔

''تھوڑا صبر کرو۔'' اس نے لب دبا کر رٹا رٹایا جملہ لکھا۔

''بہت ظالم ہو۔'' جواب میں آہ بھری گئی۔

''اچھا اپنی میٹھی سی آواز ہی سنا دو۔'' فرمائش کا لیول کم ہوا۔

''اوکے۔'' اس نے انگوٹھا بھیج کر وائس میسج کے مائک کو دبایا۔

''گڈ نائٹ ڈیئر ابراہم۔'' فوراً کہہ کر مائک پر سے انگلی ہٹائی۔ وائس میسج اسی وقت سنا گیا۔

''بس اتنی کم بات۔'' وہ ٹھنکا۔ ''میں کال کروں۔''

''نہ..... نہیں۔ ابھی پرائیویسی نہیں ہے۔'' اس نے محتاط ہو کر لکھا۔

''کب ہوتی ہے پرائیویسی۔ ہر وقت تو کوئی نہ کوئی تمہارے آس پاس موجود ہوتا ہے۔ مجھے بعض دفعہ لگتا ہے تم کسی جیل کے بیرک میں بند ہو، جہاں تمہاری کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔'' ابراہم کا خفگی بھرا میسج آیا۔

''ہم مڈل کلاس لڑکیاں جیل سے کم نگرانی میں نہیں ہوتیں۔'' اس نے اداسی والا ایموجی سینڈ کیا۔

''خیر، اب ایسی بھی بات نہیں، ماحول بدل رہا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں سیل فون اس کا ثبوت ہے۔'' دوسری جانب سے وثوق سے لکھا گیا۔

''سیل فون ضرور تھا دیا گیا ہے۔''

''اچھا اپنا نمبر تو دو۔'' اگلی فرمائش فٹ سے آئی۔

''ہرگز نہیں۔ میرا سیل فون صرف میرا نہیں، گھر میں سب یوز کرتے ہیں۔'' اس نے پھر محتاط ہو کر لکھا۔

''اچھا پھر گھر والوں سے مانگ لوں۔ صبح میسینجر کھلا رکھنا، میں ٹیکسٹ کر کے تمہاری کسی بہن کی منت سماجت کر کے نمبر لے لوں گا۔ مجھ بے چارے، محبت کے مارے بندے پر کسی کو تو رحم آئے گا۔'' مسکین شکل والا ایموجی بھیجا گیا۔

''میں تم سے بات کر کے اپنے فیس بک اکاؤنٹ سے لاگ آؤٹ ہو جاتی ہوں۔ کسی کو میرا میسینجر صبح تک کھلا نہیں ملے گا۔ اتنا آگے بڑھو گے تو اس بات چیت سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو تنبیہہ کرنی پڑی۔

''یہ ناانصافی ہے جانم! تمہاری صورت تو مجھے اب ہر حال میں دیکھنی ہے۔ اپنی تصاویر سینڈ کرو اور کال پر پرائیویٹ بات کرو۔ اس بیچ کے سلسلے نے مجھے بہت اذیت دی ہے۔ یہ بات تم اچھے سے جانتی ہو۔ سال بھر سے ہم فیس بک فرینڈز ہیں۔ چھ ماہ سے میسینجر پر مجھے تم نے اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ کبھی ہاتھ، کبھی آنکھیں۔ تمہاری ادھوری تصویروں نے میرے شوق کو اور ہوا دی ہے۔ تمہیں مکمل دیکھنا ہے، توجہ سے سننا ہے بس۔'' وہ بے حد جذباتی ہو کر واٹس میسج پر بولتا چلا گیا اس کی آواز اس کے بوجھل جذبات کی آئینہ دار تھی۔

''اوکے۔ میں کل اسی ٹائم تمہیں اپنی مکمل تصویر بھیجوں گی۔'' اس نے ہار کر ہامی بھری۔

''میں انتظار کروں گا جانم۔''

''اوکے گڈ نائٹ۔'' دوسری طرف سے ٹیکسٹ کے ساتھ ایک دل والا ایموجی بھیجا گیا۔

''گڈ نائٹ۔'' ادھر سے بھی اس نے پرپل ہارٹ سینڈ کر دیا اور آف لائن ہو گئی۔

''اپنی تصویر.....'' بیڈ پر نیم دراز ہو کر اے سی کا ریموٹ اٹھا کر آن کرتے وہ تفکر سے بڑبڑائی۔

☆☆☆

''منزہ آپی آئی ہیں۔ یاہو۔'' دروازہ کھولتے ہی نشراح نے ایک چیخ ماری اور منزہ کی گود سے ارفع کو لے لیا۔ کاشی اور جیا اس کی ٹانگوں سے خود آ کر لپٹ گئے۔ نشراح نے تینوں کو چٹا چٹ پیار کیا۔

''اندر تو آنے دو نشراح!''

منزہ نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا تو جوش جذبات میں نشراح کو یاد آیا۔ آپی کو گھر کے اندر آنے کا راستہ دینا ہے۔

''آیئے آپی! اندر آئیں۔'' اس نے کہہ کر منزہ کے ہاتھ سے سفری بیگ لیا۔

''کتنے دن کے لیے رہنے آئی ہیں۔'' بھرے بھرے بیگ کو دیکھ کر نشراح نے خوشی سے پوچھا۔

''چند روز کے لیے۔'' منزہ تخت پر بیٹھی دادی سے لپٹ گئی۔

''پھر تو خوب مزے کریں گے۔'' اس نے جیا کے گال پر چٹکی کاٹی۔

''تمہیں چھوڑنے کون آیا ہے بیٹا۔'' دادی نے پوچھا۔

''مظہر آیا تھا دادی۔''

''قیصر کیسا ہے؟ اور تمہاری ساس؟'' دادی نے پوتی کو بغور دیکھ کر پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں۔'' منزہ نے مختصر کہا۔

''ارے منزہ آئی ہے۔'' صدف بیگم بھی آ کر بیٹی سے گلے ملیں۔

''سفر سے تھکی ہوئی آئی ہو، چل کر ہاتھ منہ دھولو۔'' انہوں نے منزہ کی تھکن بھانپ لی۔

''جی۔'' منزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بابا تو گھر پر نہیں ہوں گے۔''

''نہیں، ڈیوٹی پر ہیں، شام تک آجائیں گے۔ تم فریش ہو کر آؤ تو کھانا کھاتے ہیں۔'' صدف بیگم نے کچن کا رخ کیا۔ انشراح، آپی کا بیگ کندھے پر ڈال کر ان کے ساتھ اندر چلی۔

''آپی! آپ آرام سے فریش ہو جائیں، میں ان تینوں کو اپنے روم میں لے جاتی ہوں۔'' انشراح نے بیگ رکھ کر گود سے پھسلتی ارفع کو کس کر پکڑا اور دونوں بچوں کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

''عصرہ اور رباب اسکول گئی ہیں؟'' منزہ نے پوچھا تو انشراح نے سر ہلایا۔

''آپ کو گھر میں غیر معمولی سکون محسوس نہیں ہو رہا کیا۔'' پھر شرارت سے کہا تو منیزہ مسکرا دی۔

''تمہارا بہنوں سے چونچ لڑانا اب بھی جاری ہے۔'' ان کے سوال پر وہ کھلکھلائی۔

''میری صرف عصرہ سے لڑائی چلتی ہے۔ رباب تو بہت نائس بہن ہے۔''

''آپس میں پیار محبت سے رہا کرو انشراح۔ کل کو بیاہ کے بعد یہ وقت بہت یاد آتا ہے۔'' منزہ بیگ کی زپ کھولتے افسردگی سے بولی۔

''عصرہ تو مجھ سے جتنی دور جائے اچھا ہے۔ اس کی شادی پر میں وہ بھنگڑے ڈالوں گی خوشی سے کہ آپ دیکھتی رہ جائیں گی۔ باقی رباب کو میں اپنی شادی کے بعد ضرور مس کروں گی۔'' اس کی بات پر منزہ مسکرائی۔

''اچھا آپ فریش ہو جائیں، میں ان کو لے کر جاتی ہوں۔ خوب منہ ہاتھ دھلواؤں گی۔ رنگ سنولا گیا ہے ان کا۔'' انشراح نے جیا کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

''کھلا گھر ہے وہاں۔ سارا دن بچے باہر صحن میں رہتے ہیں۔ مجھے کاموں سے فرصت نہیں کہ ان کو دیکھ سکوں۔'' منزہ بیگ سے کپڑے نکالتے بڑبڑائی۔

''کیوں کرتی ہیں اتنا کام۔ بالکل مرجھائی ہوئی لگ رہی ہیں۔'' انشراح نے ہمدردی سے بہن کو دیکھا۔

''چھوڑو ان باتوں کو، امی سے کہنا کھانے پر زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں۔ خوامخواہ خود کو تھکائیں گی۔ میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔'' اس نے انشراح کو ہدایت کر کے واش روم کا رخ کیا۔

''لو بھلا، میں کیوں اہتمام کرنے سے روکنے لگی۔ اسی بہانے امی مزے کے پکوان بنائیں گی۔'' انشراح نے کندھے اچکا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ چیخ چلا کر تھک چکی تھی۔ مقابل کو نوچ کھسوٹ کر بھی دیکھ لیا تھا پر وہ کوئی بہت ہی ڈھیٹ اور سخت جان انسان تھا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑے ہوئے وہ اتنی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ گاڑی ہوا میں اڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

شہر کی رونقیں بھی اسی رفتار سے پیچھے چھوٹ رہی تھیں۔ نہ جانے یہ شخص اسے کہاں لے کر جا رہا تھا۔ اتفاقی طور پر یا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وہ اغوا ہو چکی تھی یہ خیال، ہی سوہان روح تھا۔ اس کو اپنا دماغ ماؤف اور جسم آہستہ آہستہ سن ہوتا محسوس ہوا۔

☆☆☆

''آپی! قسم سے کیا ڈرامہ ہے، آپ دیکھیں گی تو خوش ہو جائیں گی۔ میری فیورٹ رائٹر کے ناول سے ماخوذ ہے۔ جیسا ناول سپر تھا ویسا ڈرامہ ڈوپر ہے۔'' نشراح، آپی کی کمر کے پیچھے گاؤ تکیہ لگاتے جوش سے بولی۔

''اچھا۔'' منزہ نے آرام دہ حالت میں نیم دراز ہوتے ٹی وی پر نظر ڈالی۔

''آپ بس سکون سے ڈرامہ دیکھیں۔ ارفع کو فیڈر میں پلاتی ہوں۔'' نشراح نے ارفع کو گود میں لٹا کر فیڈر اس کے منہ میں ڈالی۔

''ہاہاہا۔ اب آنسہ نشراح اپنے پسندیدہ ڈرامے کی تعریف سننے کے لیے بندے پکڑ پکڑ کر ٹی وی کے آگے بٹھانے کی مہم پر لگ چکی ہیں۔'' اسکول کی کاپیاں چیک کرتی عصرہ نے جھکے سر کے ساتھ نوک جھونک کی ابتدا کی۔

''ہاں تو گھر میں تم جیسے بدذوق لوگ جب نہ ناولز سے دلچسپی رکھتے ہوں، نہ ہی ڈراموں سے تو مجھے یہی کچھ کرنا ہوگا۔'' نشراح نے اپنی نشست سے اٹھ کر جاتی رباب کا ہاتھ پکڑا۔

''بیٹھو۔ کہاں جا رہی ہو؟''

''چپس اور نمکو وغیرہ لے کر آتی ہوں۔ اس کے بغیر تو کچھ دیکھا نہیں جائے گا۔'' رباب نے کہہ کر ہاتھ چھڑایا۔

''جلدی آنا، ڈرامہ بس شروع ہے۔'' نشراح نے کچن میں جاتی رباب کو ہانک لگائی۔

''آپی! آپ کو نیند آ رہی ہے کیا۔'' پھر اس نے منزہ کو دیکھا جو بوجھل پلکوں کو بہ مشکل کھولے بیٹھی تھی۔

''نہیں۔ دیکھ رہی ہوں۔'' منزہ نے جمائی روک کر اسے تسلی دی۔ نشراح نے مطمئن ہو کر نمکو کی پلیٹ سے ڈھیر ساری نمکو مٹھی میں بھر لی۔

ڈرامہ میں وقفہ آیا تو نشراح نے منزہ کی دلچسپی جاننے کو اسے دیکھا اور مارے دکھ کے اچھل پڑی۔ منزہ مزے سے سر ایک طرف گرائے ہلکے ہلکے خراٹے لینے میں مگن تھی۔

''منزہ آپی۔ اٹھیے پلیز۔'' نشراح نے ان کو زور سے ہلایا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگی۔

''کیا ہوا۔ ارفع بیڈ سے گر گئی کیا۔'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''نہیں تو۔ ارفع میری گود میں ہے۔ میں نے تو آپ کو ڈرامہ دیکھنے کو جگایا تھا۔'' نشراح نے منزہ کو تسلی دی۔

''اوہ اچھا، شکر ہے۔'' منزہ نے سکون کا سانس لے کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''منزہ آپی! ڈرامہ.....'' نشراح نے روہانسی ہو کر اس کا بازو ہلایا۔

''ڈرامہ..... ہاں، دیکھتی ہوں۔'' منزہ نے نیم وا آنکھیں کھولیں۔

''کیوں تنگ کر رہی ہو بہن کو، سونے دو۔ مشکل سے تو آرام نصیب ہوا ہے اسے۔'' صدف بیگم لاؤنج میں آئیں تو نشراح کو ٹوک دیا۔

''تو ڈرامہ دیکھنے میں کون سے پہاڑ سر کرنا ہوتے ہیں، آرام سے لیٹ کر آنکھیں کھلی رکھنی ہیں بس۔'' نشراح نے پھر سے نیند میں جاتی منزہ کو مایوسی سے دیکھا۔

''ٹی وی کی آواز کم کرو اور اسے سونے دو۔'' انہوں نے تنبیہہ کی تو نشراح نے منہ بنا کر ریموٹ سے آواز کم کی۔

''آپی کو چھوڑو، ہم دونوں دیکھ رہے ہیں نا ڈرامہ۔'' رباب نے ڈرامہ دوبارہ شروع ہونے پر نشراح کو متوجہ کیا تو وہ موڈ ٹھیک کر کے دوبارہ ٹی وی دیکھنے لگی۔ ڈرامہ کے سین میں ہیروئن ہیرو کی کار سے بری طرح ٹکرائی تھی اور ہیرو گاڑی سے اتر کر بہت شرمندگی سے اس سے معذرت کر رہا تھا۔

''ہائے۔ ایسے ہینڈسم اور امیر لڑکے کیسے ٹکرا جاتے ہیں اچانک ان ہیروئنوں سے۔'' نشراح نے رباب کے کندھے پر سر رکھ کر آہ بھری۔

''ایسے بندے صرف ڈراموں اور ناولوں

میں ہوتے ہیں۔'' عصرہ نے اسے چڑایا۔

''جی نہیں۔ حقیقت میں بھی ایسے بندے ہوتے ہیں۔'' نشراح نے فوراً جواب دیا۔

''لیکن ایسے اتفاقات ہمارے ساتھ نہیں ہوسکتے۔'' عصرہ اپنی بات پر قائم رہی۔

''میرے ساتھ یہ اتفاق ضرور ہوگا تم دیکھنا۔'' نشراح جوش جذبات میں زور دے کر بولی۔

''ہاہا اچھا جی۔'' عصرہ بے اختیار ہنسی۔

''ہنس لو، ہنس لو۔ تم دیکھنا، مجھے کوئی بہت ہینڈسم برگر لڑکا ملے گا۔ میں منزہ باجی کی طرح مڈل کلاس، کم آمدنی والے نارمل بندے سے شادی نہیں کروں گی جس کے پورے ٹبر کی خدمت کر کر کے میرا حشر برا ہوجائے۔ جو اپنے بیوی بچوں کو محرومی کے سوا کچھ نہ دے۔ جو بیوی کو اپنی ضروریات کے لیے اتنا خوار کرے کہ اسے اپنے میکے آکر والدین کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے۔'' نشراح نے جذبات میں ایسی باتیں کہہ دیں کہ عصرہ خاموش ہوکر رہ گئی۔

رباب کی دلچسپی بھی ڈرامے میں ختم ہوئی اور اس نے چور نظروں سے بے خبر سوئی منزہ کو دیکھا۔

''نشراح! کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ اگر منزہ آپی جاگ رہی ہوتیں تو سوچو، وہ کتنا دکھی ہوتیں۔'' عصرہ نے ہلکی آواز میں کہا۔

نشراح کو خود احساس ہوا تھا کہ وہ زیادہ بول گئی ہے سو شرمندہ انداز میں ارفع کو گود میں بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ارفع کو بیڈروم میں سلا کر آتی ہوں۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر لاؤنج سے نکل گئی۔

☆☆☆

''منزہ کی شادی کو کافی سال ہوگئے ہیں۔ اب اس کے سسرالیوں کو یہ ڈرامے بازیاں ختم کردینی چاہئیں۔ اس کے شوہر کو شرم آنی چاہیے۔ یہ روز روز مطالبات کی لسٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر میکہ کیوں بھجوا دیتا ہے۔ آپ اسے سختی سے ایک بار روک دیں، کوئی مطالبہ پورا نہ کریں تو آپ ہی عقل ٹھکانے آجائے گی قیصر کی۔'' بریرہ نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

''بیٹی کا گھر بسا رہے اسی خیال سے ہم چپ بیٹھے ہیں۔ ڈرامہ باز لالچی جیسا بھی ہے، منزہ کے بچوں کا باپ ہے۔ ہمارے جواب پر بگڑ گیا تو بچی کا گھر برباد ہوجائے گا۔'' دادی نے عصرہ کے سر پر تیل کی مالش کرتے بریرہ کو رسان سے جواب دیا۔

''تو ابھی کون سا اس کا گھر بسا ہوا ہے۔ اچھا ہے اس روز روز کی کل کل سے جان چھوٹ جائے گی۔'' بریرہ نے ٹانگ پر ٹانگ جماتے لاپروائی سے کہا۔

''ایسے مشورے بس تم ہی دے سکتی ہو بی بی۔ لڑکی کو اجاڑ کر گھر بٹھالیں تو اس کے بچے کہاں جائیں گے، باپ اپنے بچے چھین لے تو ہماری بچی کا کلیجہ پھٹ جائے۔ ماں کے پاس رہیں تو بے چارے کہلائیں۔ عماد میں اتنی سکت ہے کہ تین کنواری بچیوں کے شادی بیاہ کی فکر کے ساتھ ایک بیاہی بیٹی تین بچوں سمیت سر پر بٹھالے۔'' دادی نے اچھا خاصا برا مان کر تیل کی شیشی زور سے تخت پر پٹخی۔

''تو اب بھی تو عماد بھائی ہی پال رہے ہیں بیٹی اور اس کے بچوں کو۔ یا تو اس کو اپنے گھر بٹھا کر معاشی طور پر سپورٹ کریں یا قیصر کو اچھے سے سمجھائیں کہ اپنی بیوی بچوں کو خود سنبھالے۔'' بریرہ کے انداز میں سرمو فرق نہ پڑا۔

''تو کیا ہم نے احساس نہ دلایا ہوگا۔ ان درجنوں سالوں میں بارہا عماد نے داماد کو دبے لفظوں میں اپنی ذمہ داری خود نبھانے کو کہا پر وہ سمجھے بھی تو۔ یہ نہیں کہ بالکل ہاتھ چھوڑ کر بیٹھا ہے بس جو کماتا ہے بیوی بچوں پر خرچ نہیں کرتا۔ تنگ دست نہیں تنگ دل ہے۔''

انہوں نے اب نشراح کو اپنے آگے

بٹھایا اور اس کی چوٹی کے بل کھول کر تیل کی شیشی دوبارہ اٹھائی۔ نشراح نے اپنے کھلے سلکی سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور ناپسندیدہ نظر تیل کی شیشی پر ڈالی۔

"خیر جو بھی ہے۔ لڑکی کو رول دیا آپ لوگوں نے، انٹر کرتے ہی شادی کر دی۔ اس سے بہتر تو بیٹھی رہتی، تعلیم مکمل کرتی۔ کہیں جاب کر لیتی۔" بریرہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

"ہاں بی بی! بٹھا کر بیٹھے رہتے پھر بڑی کو چھوڑ لوگ چھوٹی بہنوں کا ہاتھ مانگنے آتے۔ چھوٹی کا نام ہی چھوٹا ہے، آٹھ سال کا فرق ہے منزہ اور دوسری بہنوں میں۔ یہ تینوں تو سال بھر کے فرق سے ایک برابر ہیں۔ پھر وہی سلسلہ چل نکلتا جو تمہارے ساتھ ہوا تھا۔ سب بہنوں سے بڑی تھیں نا تم نوکری بھی کرتی تھیں پھر کیا ہوا، بیٹھی رہ گئیں والدین کی چوکھٹ پر۔" دادی کی صاف گوئی بریرہ کے تن بدن میں آگ بھڑکا گئی۔

"میری شادی نہ ہونے کی وجوہات سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ جب ماں باپ خود غرضی کی انتہا پر پہنچ جائیں اور بڑی اولاد کو پیسہ بنانے کی مشین سمجھ لیں اور اس کی کمائی سے چھوٹے بہن بھائیوں کا مستقبل سنواریں تو آخر میں یہی ہوتا ہے جو میرے ساتھ ہوا۔ خود تو اللہ کے پاس چلے گئے میرے لیے چھوڑ گئے سو کلا لپڑ تنہائی، اذیت اور دنیا کی الٹی سیدھی باتیں۔" وہ تلخی سے بولی تو دادی چپ سی ہو گئیں۔

"خیر، تم بھی تو اڑیل گھوڑی بنی رہیں، آخری عمر میں تمہارے والد کی بھرپور کوشش تھی کہ تمہارا گھر بس جائے مگر تم نے ہاں کر کے نہ دی۔"

"اونہہ! بڑا گھر بسا رہے تھے میرا۔ گنجے، پیٹو، بڑی عمر کے دوہاجو آدمیوں سے میرا نصیب پھوڑنا چاہتے تھے ابا۔ کیوں ہونے دیتی میں خود پر ظلم۔" بریرہ جل کر بولی۔

"تو اس وقت منجھی کا کی تو تم بھی نہیں رہی تھیں۔ ظاہر ہے عمر کے حساب سے بر ملتے ہیں۔"

دادی نے بے نیازی سے کہہ کر نشراح کے سر کی مالش ختم کی اور رباب کو پاس بلایا۔

"مجھے کون سی مجبوری تھی جو کنویں میں جا گرتی۔ اپنا کما رہی ہوں، ذاتی گھر اور بینک بیلنس بھی ہے الحمدللہ۔ شادی کے لیے بھی کوئی آئیڈیل ہوتا ہے ذہن میں۔ یہ نہیں کہ جو ہاتھ چڑھے، نکاح پڑھوا دو۔" بریرہ کا موڈ اب مکمل آف ہو چکا تھا۔

"ایک عمر ہوتی ہے ان آئیڈیل وائیڈیل قسم کے لڑکوں کو سوچنے کی۔ جب عورت خود آئیڈیل جیسی نہ رہے تو سمجھوتا کر لینا چاہیے۔"

دادی نے اس بار رسان سے کہا تو بریرہ ایک بار پھر جل کر راکھ ہوئی۔ اور نظر بے اختیار سامنے دیوار گیر الماری میں لگے آئینے پر ٹک گئی۔ اسٹائلش جدید تراش خراش کے کپڑوں میں ملبوس کندھوں تک کٹے بالوں کو براؤن کلر میں ڈائی کروائے چہرے پر مناسب میک اپ کرنے کے باوجود وہ اپنی عمر چھپانے میں ناکام نظر آرہی تھی۔

"بعض اوقات یہ بڑی بی صاف گوئی کی حد کر دیتی ہیں۔" اس نے غصے سے سوچا۔

"بریرہ! یہ چائے پیو۔" صدف ٹرے میں چائے اور دوسرے لوازمات رکھ کر لے آئیں تو بریرہ نے بہ مشکل اپنے چہرے کے بگڑے زاویے درست کیے۔

"بریرہ! چلیں نا بچوں کو سیر کروانے۔" کافی دیر سے چپ بیٹھی نشراح نے دھیمے سے یاد دلایا۔

"میں تو کب سے آئی بیٹھی ہوں تم لوگوں کا مساج ٹائم ہی ختم نہیں ہو رہا۔" بریرہ نے سب کے تیل لگے سر پر چوٹ کی۔

"یہ تو دادی چھٹی والے دن ایویں پکڑ کر تیل لگا دیتی ہیں۔" نشراح ہلکے سے بڑبڑائی۔ اتنے میں منزہ ارفع کو گود میں لیے کمرے سے باہر آئی۔

"نہلا لیا اس چھٹکی کو۔" بریرہ نے برائے بات پوچھا۔

''جی۔'' منزہ ارفع کے گیلے بال سنوارنے لگی۔

''ہمم۔ چلو، اب جلدی تیار ہوجاؤ تو کہیں آؤٹنگ پر نکلیں۔'' بریرہ نے نشراح کو دیکھ کر کہا۔

''کہاں جانا ہے۔'' دادی نے فوراً پوچھا۔

''نشراح کی فرمائش جہاں ہوگی۔ میں تو اسی کے بلانے پر آئی ہوں۔ مجھے فون کرکے کہا، آپی اور بچے بور ہورہے ہیں، کہیں گاڑی میں گھما آئیں۔'' بریرہ نے حسب عادت کندھے اچکائے۔

''اس لڑکی کو تو گھومنے پھرنے کا بہانا چاہیے۔ ابھی تیل لگایا ہے، ابھی دھو کر بھی آجائے گی۔ میری ساری محنت گئی پانی میں۔'' دادی نے ناراضی سے نشراح کو گھورا۔ وہ اندر کی طرف بھاگی۔

''جانے دیں دادی! ہم کون سا روز روز کہیں جاتے ہیں۔'' رباب منمنائی۔

''جاؤ بھئی، جہاں دل چاہے۔ پرائی گاڑی کا بس خود کو عادی مت بناؤ۔ ہم رکشہ ٹیکسی میں پھرنے والے لوگ۔ ہمیں کہاں عادت بڑی گاڑیوں کی۔'' دادی نے کلس کر بریرہ کی اونچی گردن کو دیکھا۔

''خالہ جی! بڑی گاڑی میں گھومنے دیں اور دعا کریں کہ پوتیوں کو آگے بھی بنگلے گاڑی ملیں۔'' بریرہ نے نزاکت سے ٹشو سے چہرہ تھپتھپایا۔

''نہ بی بی! ہم سفید پوش لوگ اپنے جیسے لوگوں میں ہی بیٹیاں بیاہتے ہیں۔ ہم زیادہ دولت مندوں تک نہیں پہنچ سکتے۔'' دادی نے کان کی لو پکڑ کر کہا۔

''آپ تو بس۔ اب میں کیا کہوں، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور آپ پوتیوں کو کس کے پکڑنے میں مصروف ہیں۔ ایک سیل فون سارا گھر استعمال کررہا ہے۔'' بریرہ نے منہ بنا کر کہا۔

''تمہاری ان ہی باتوں کی بدولت میں صدف سے کہتی ہوں، یہ بی بی میری پوتیوں کو باغی کردے گی۔ مگر یہ عقل کی پوری نہیں سمجھتی۔'' دادی خفگی سے اکل کھرے لہجے میں بولیں تو بریرہ نے لب بھینچ لیے۔

''سچی بات آپ کو بغاوت لگتی ہے خالہ جی۔''

''بس ایک تم ہی ہو سچائی کا پرچار کرنے والی۔ اب میرے منہ نہ لگو ورنہ بہت کچھ کہہ سکتی ہوں۔'' دادی نے بھرپور ناراضی دکھائی اور تخت پر سیدھی لیٹ کر دوپٹہ منہ پر رکھ لیا۔

''برا نہ ماننا بریرہ! بڑی عمر ہے۔ ہر بات پر ناراض ہوجاتی ہیں۔'' صدف اتنی دیر سے ساس اور کزن کی تلخ کلامی سن رہی تھیں۔ قریب آکر بریرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ارے نہیں باجی! میں ان کی بات کا کیوں برا مانوں گی۔'' بریرہ نے اپنی مسکراہٹ بحال کی۔

''بریرہ! چلیں۔'' کچھ ہی دیر میں نشراح تیار ہوکر آگئی۔ بریرہ نے اس پر نظر ڈالی تو دیکھتی رہ گئی۔ پنک کلر کے لان کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس ہلکی سی پنک لپ اسٹک اور آئی لائنر لگائے وہ دمک رہی تھی۔ اس کے گال اتنے گلابی اور اسکن اتنی شائنی اور سوفیٹ تھی کہ بلش آن اور فائنڈیشن کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

''نشراح کو اللہ نے کس قدر حسن سے نوازا ہے۔'' بریرہ نے ایک آہ بھر کر دل میں اعتراف کیا۔ خود وہ جوانی میں بھی گزارے لائق رہی تھی لیکن حسن پرست بلا کی تھی۔ جہاں حسن نظر آتا اس کی نگاہیں خراج تحسین ضرور پیش کرتیں۔ اور اس میں صنف کی تخصیص نہیں تھی۔

''چلیں بریرہ آنٹی! ہم تیار ہیں۔'' رباب کی آواز پہ وہ چونکی اور صنعبل کر پرس اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر نشراح بے تکلفی سے بریرہ کے برابر بیٹھی جبکہ رباب اور منزہ اور بچے پیچھے بیٹھے عصرہ ان کے ساتھ نہیں آئی تھی۔

''کہاں چلیں۔'' بریرہ نے گاڑی اسٹارٹ

کر کے پوچھا۔
''الہ دین پارک۔'' منزہ کے بچوں نے نعرہ لگایا۔
''اس سے زیادہ اچھی جگہیں ہیں شہر میں۔ لکی مال چلتے ہیں وہاں کڈز ایریا بھی ہے۔'' رباب نے فوراً مشورہ دیا۔
''نہیں، ہمیں وہیں جانا ہے۔'' کاشی مچلا۔
''رباب! بچوں کی مرضی چلے گی آج۔ تم چپکی رہو۔'' بریرہ نے ہنس کر کہا تو رباب نے منہ بنالیا۔
الہ دین پارک میں گاڑی پارک کر کے یہ اتریں تو بچوں کی خوشی کی دیدنی تھی۔ نشراح بھی حسب عادت بچوں کے ساتھ بچہ بن گئی۔ بچوں نے اپنی پسند کے جھولوں پر بیٹھنا شروع کیا۔ نشراح اور رباب بھی ساتھ بیٹھ جاتیں۔
''بریرہ! اپنا سیل فون دیں۔ میں پکس لوں گی۔'' نشراح نے بریرہ کے ہاتھ میں دبا موبائل سہولت سے نکالا اور سیلفیاں لینے لگی۔
''نشراح بس بھی کرو جہاں آنٹی کا موبائل دیکھا شروع ہو جاتی ہو۔'' رباب نے ٹوک دیا۔
''اتنی اوسم پکس نکلتی ہیں بریرہ کے سیل فون سے۔ ہمارا تو کچرا ہے۔'' اس نے مزے سے کہا۔
''نشراح! آؤ سب اسپورٹس کار پر بیٹھیں۔'' رباب نے چمکتی آنکھوں سے ایک جانب اشارہ کیا۔
''ہمیں بھی اسپورٹس کار میں بیٹھنا ہے۔'' کاشی مچلا۔
''وہ بڑوں کے لیے ہے۔ تمہارے تو پیر بھی ایکسیلیٹر پر نہیں پہنچیں گے۔'' رباب نے سمجھایا۔ کاشی نے منہ بنالیا۔
''منزہ! تم سامنے ریسٹورنٹ میں جا کر بچوں کو کھلاؤ پلاؤ، ہم آتے ہیں۔'' بریرہ نے منزہ کو مشورہ دیا تو وہ سر ہلاتی بچوں کو لے کر چلی گئی۔
کار ریسنگ سے فارغ ہو کر وہ ریسٹورنٹ کی طرف آئیں۔
''لڑکیوں! اب جلدی سے آرڈر دو، کیا کھانا ہے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔'' بریرہ نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھ کر بہ عجلت کہا تو نشراح اور رباب مینو کارڈ پر جھک کر آپس میں صلاح مشورے کرنے لگیں۔

☆☆☆

نہ جانے کتنا سفر طے ہوا تھا کہ گاڑی ایک کھلے پھاٹک سے اندر داخل ہو کر ایک جھٹکے سے رکی تھی۔
''اترو پری۔'' وہ خود نیچے اترا اور گھوم کر اس کی طرف والا دروازہ کھول دیا۔ اس نے ایک عصیلی مگر تھکی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔
''کیا دیکھ رہی ہو، چلو اترو کم آن۔'' اس کا بازو پکڑنے کی دیر تھی کہ وہ بپھر اٹھی۔
''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہے مجھے بار بار چھونے کی۔ چھوڑو میرا بازو۔ مجھے زبردستی کہاں لائے ہو۔ پری پری نام کی بکواس کر کر کے مجھے کڈنیپ کر لیا ہے۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔''
اس کے اندر پھر سے لاوا بھر گیا تھا۔ گاڑی سے باہر نکل کر اس نے اس شخص کو زور سے دھکا دیا اور اندھا دھند پھاٹک کی طرف دوڑی۔ وہ اس کے دھکے سے ذرا سا لڑکھڑایا اور سیدھا کھڑا ہو کر اس کے پیچھے بھاگا اور ایک ہی جست میں اس کو جا لیا۔
''بڑی پھرتی ہے بھئی تمہارے اندر۔'' اس کے بازو موڑ کر اس کی کمر سے لگاتے اس نے کہا۔
''چھوڑو مجھے، جانے دو۔'' وہ بند پھاٹک کو دیکھ کر مچلی۔ نہ جانے کس نے فوراً ہی بند کر دیا تھا۔
''چھوڑ بھی دیں گے، جلدی کیا ہے۔ پہلے سچ تو اگلوا لوں۔''
''آئی سوئیر، میں پری نہیں ہوں۔ تم سے کوئی بھول ہوئی ہے۔ میری کوئی ہم شکل تم سے دھوکا کر گئی ہے۔ یقین کرو میں وہ نہیں۔'' وہ روتے ہوئے بھاری آواز میں گڑگڑائی۔ چلا چلا کر گلا بیٹھ

گیا تھا۔

''ہاہا ہم شکل۔ خوب کہی۔ اب آہستہ آہستہ آرہی ہو نا لائن پر۔ کچھ دیر میں سیدھی طرح مان لو گی ڈیئر۔ پھر کھولوں گا اپنے حساب کا کھاتہ۔ نفع نقصان سب ڈسکس ہوں گے۔'' اسے ایک کمرے میں لاتے وہ رسان سے بولا۔

''تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔'' وہ گھبرا کر اس بیڈ روم کو دیکھنے لگی۔ ''مجھے گھر جانا ہے۔ پلیز مجھے جانے دو۔'' اس کے آہنی ہاتھوں سے بازو چھڑاتے وہ بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

''ابھی ادھر آرام سے بیٹھو۔ کچھ تفصیل سے بات کرنی ہے۔''

''مجھے نہیں کرنی تم سے کوئی بات۔'' وہ زور سے چلائی۔

''اف اتنا چیختی ہو۔ کال پر تو خود کو بہت کول شو کرتی تھیں۔'' وہ اپنے کان میں انگلی ڈال کر ذرا سا مسکرایا۔

''کون سی کال؟'' وہ حیران ہو کر پوچھ بیٹھی۔

''کیا اعلا اداکاری کرتی ہو۔ سچ میں آسکر کی حق دار ہو۔'' اس کی مسکراہٹ کڑواہٹ میں بدلی۔

''ویسے سامنے سے دیکھنے میں تو تم واقعی چاند کا ٹکڑا ہو۔ تصاویر تو اس حسن کا عشر عشیر ہی تھیں۔'' پھر وہ والہانہ اسے دیکھنے لگا تو اس نے اضطراری انداز میں اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا، اس شخص کے مقابل بالکل تنہا ہونے کا احساس اچانک ہی اسے آیا تھا۔

''یا خدا میری حفاظت کرنا۔'' وہ دل ہی دل میں گڑگڑائی۔ اگر اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو.....! ایک ظالم سوچ نے اس کی کچھ دیر پہلے والی بہادری ہوا میں اڑا دی اب وہ خوف زدہ نظروں سے کمرے میں موجود اشیاء کا جائزہ لینے لگی جو اس شخص کی کسی بھی قسم کی دست درازی میں اس کے کام آسکیں۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس نے اس کی نگاہوں کی بے چینی بھانپ لی۔ پھر اپنے بجتے موبائل فون کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں بولو۔ کیا ہوا۔ اوہ گاڈ! تم انہیں سنبھالو میں آتا ہوں۔'' وہ اچانک ہی انتہائی پریشان نظر آیا۔

''بات سنو، مجھے جانے دو، میں پری نہیں۔'' اس نے پھر التجا کی مگر وہ شخص ان سنی کرتا تیزی سے دروازے سے باہر نکلا اور دروازے کو لاک کر دیا۔

''دروازہ کھولو، مجھے نکلنا ہے۔ پلیز مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ زور زور سے دروازہ بجاتے چیخنے لگی۔

''پلیز کھولو.....'' دروازہ بجا بجا کر اس کی ہتھیلیاں سرخ ہو گئیں۔ وہ تھک ہار کر وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔

☆☆☆

''نشراح پلیز۔ بہن نہیں ہو۔ وہ سفید نگوں والا جیولری سیٹ مجھے پہننے کے لیے دے دو۔'' عصرہ نے بہت عاجزی سے کہا۔

''کیوں دوں؟ تم نے مجھے اپنی ریڈ سینڈل پہننے دی تھی جو میں تمہیں اپنا سیٹ دوں۔'' وہ بے نیازی سے ہیئر برش بالوں میں پھیرنے لگی۔

''میں بریرہ آنٹی سے کہوں گی تمہیں آئندہ کچھ نہ دلائیں۔'' عصرہ پیر پٹخ کر بولی۔

''کہہ کر دیکھو، وہ بھی تمہاری بات پر کان نہیں دھریں گی۔'' اس نے وثوق سے کہا۔

''تو تم ان کی اسٹینی بن کر جو جاتی ہو ہر جگہ۔ سوچتی ہوں گی اتنی شاپنگ کی ہے، نظر نہ لگا دے تو اس بے چاری کو بھی کچھ دلا دوں۔'' عصرہ نے اسے اچھا خاصا چڑایا۔

''عصرہ! میں بریرہ کو یہ سب بکواس بتاؤں گی جو تم ان کے بارے میں کرتی ہو۔'' نشراح نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''مجھے پتا ہے تمہیں دکھ اس بات کا ہے کہ وہ

مجھے بہت چاہتی ہیں۔تم دونوں سے زیادہ مجھ سے کلوز ہیں بریرہ۔اور تم ہو سدا کی جل کٹڑی۔'' نشراح نے فخر سے کہا تو عصرہ اسے گھورنے لگی۔

''میں کیوں جلوں گی۔اپنا کماتی ہوں ایسے دس سیٹ لے سکتی ہوں۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں بولی۔

''کیا ہر وقت کی لڑائی چل رہی ہوتی ہے آپ دونوں میں۔دنیا کی کسی اور بات سے غرض ہی نہیں'' رباب کمرے میں داخل ہوتی ہوئے بولی

''میں کچھ نہیں کرتی۔لڑائی کی شروعات یہ عصرہ کی بچی کرتی ہے۔بلاوجہ مجھ سے میری ذاتی چیزیں مانگتی ہے۔'' نشراح نے منہ بنا کر رباب کو دیکھا۔

''بس اب اس کا انتظام کر رہے ہیں امی بابا۔یہ اس گھر سے اب جلد ہی رخصت ہونے والی ہے۔پھر آپ چین کی بانسری بجانا۔'' رباب نے انکشاف کیا تو یہ دونوں ہی چونکیں۔

''کب رخصت ہونے والی ہے۔'' نشراح نے اشتیاق سے پوچھا۔

''تو یہ ہے بجائے یہ پوچھنے کے کہاں رخصت ہوگی، آپ کو کب کی پڑی ہے۔'' رباب نے مصنوعی افسوس کیا۔

''تو جلدی نکلے نا گھر سے۔میری جان چھوٹے۔'' نشراح نے عصرہ کو چڑایا مگر وہ خاموش کھڑی تھی۔

''تمہیں کیسے پتا رباب! کوئی رشتہ آیا ہے کیا۔'' اس نے سنجیدگی سے رباب سے پوچھا۔

''ابھی امی اور دادی کی باتیں سن کر آرہی ہوں۔وہ جو پچھلے سال فاخرہ آنٹی کے توسط سے ایک بہت اچھی فیملی آئی تھی آپ کو دیکھنے اور پسند بھی کرلیا تھا پھر کہیں غائب ہوگئے تھے اب پھر سے لوٹ کر آئے ہیں۔'' رباب نے جوش سے بتایا۔

''ارے وہ سوفٹ ویئر انجینئر لڑکا۔جو بابا کو بہت پسند آیا تھا۔'' نشراح کو فوراً کلک ہوا۔

''ہاں وہی۔بہت اچھی فیملی ہے۔'' رباب نے سر ہلایا۔

''کہاں غائب ہوگئے تھے وہ؟'' نشراح نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اصل میں ان کی امی کو کینسر ہوگیا تھا تو معاملات وہیں رک گئے۔اب ان کا علاج اچھے سے ہوگیا ہے تو پھر آگئے ہیں۔اور اس بار ان کو شادی کی بہت جلدی ہے۔'' رباب ساری معلومات لے کر آئی تھی۔

''واؤ۔عصرہ اب مہمان چند دنوں کی ہے۔'' نشراح نے آگے بڑھ کر عصرہ کو گھما ڈالا۔

''ہاں ہاں۔تم تو خوش ہوجاؤ۔جان چھوٹے گی نا مجھ سے۔'' عصرہ ایک دم رو پڑی تو نشراح گھبرا گئی۔

''میں تو مذاق کرتی ہوں یار! تم نے دل پر لے لیا۔سوری سوری۔'' وہ بہن کے آنسو صاف کرنے لگی۔

''شادی کے نام پر خوش ہونے کے بجائے رو رہی ہیں۔'' رباب بھی بہن کے پاس آئی۔

''منزہ آپی کی طرح صرف شادی شدہ کہلوانے سے کیا فائدہ۔مجھے ڈر ہے، میری زندگی بھی ان کی زندگی جیسی نہ ہو۔'' عصرہ نے سوں سوں کرتے اصل خدشہ ظاہر کیا۔

''سب کی قسمت الگ الگ ہوتی ہے پگلی۔تم تو جاب کرتی ہو۔اور جس فیملی میں جارہی ہو، وہ بھی کھاتے پیتے لوگ ہیں۔'' نشراح نے اسے تسلی دی۔

''بس اب چھوڑیں ساری فکریں۔شادی کے فنکشنز کا سوچیں۔مجھے تو ابھی سے بہت ایکسائٹمنٹ ہورہی ہے۔منزہ آپی کی شادی پر تو ہم سب بہت چھوٹے اور ہونق سے تھے۔نہ کوئی سمجھ تھی نہ اچھے سے انجوائے کرسکے اب بھرپور مزے کریں گے۔'' رباب نے جوش سے کہا تو نشراح

اسے دیکھ کر مسکرائی۔

☆☆☆

موبائل گیلری میں موجود اپنی تصاویر وہ دل گرفتی سے دیکھ رہی تھی۔ ایک ایک تصویر اس کے حال کی آئینہ دار تھی۔ ایک ایک تصویر میں اس کے چہرے کے نقوش وقت کی بے رحمی کی چغلی کھا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں، اس کے بال، اس کی جلد کچھ بھی تو ویسا نہیں رہا تھا جیسا کبھی تھا۔ ہاں دل ضرور جوان احساسات سے پر تھا۔ پر دل کا کیا ہے نہ نظر آتا ہے نہ سراہا جاتا ہے۔ پر کشش جوان چہرے اپنے اندر بلا کا کھچاؤ رکھتے ہیں۔ جن سے محبت نہ ہوتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے۔

اس نے یاسیت سے مائی پکس کے فولڈر کو بند — کیا اور فوٹو گیلری میں موجود دوسرے فولڈر کو کھولا۔ جو مائی فیملی کے نام سے بنا تھا۔ اسے کھولتے ہی بہت سی تصاویر آنکھوں کے سامنے چلی آئیں۔ اس کا ماضی ان تصویروں میں نمایاں تھا۔ ماضی کے خود غرض چہرے جو حال میں بھی بے مہر تھے۔ اس کے دل نے بے انتہا دکھ محسوس کیا۔ وہ اس فولڈر سے بھی باہر نکلی۔

اب اگلا فولڈر نظروں کے سامنے تھا۔ اس فولڈر کی تمام تصاویر تازگی سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کہیں چار کہیں پانچ تر و تازہ چہروں کے جمگھٹے میں وہی سب سے پھیکی اور بدرنگ لگ رہی تھی۔ مجھے جوان چہروں کے ساتھ تصاویر نہیں بنوانی چاہئیں۔ اس نے ایک بار پھر خود سے کچا عہد کیا۔ اور انگوٹھے کی مدد سے اسکرول کرتے تصاویر کو دیکھتی رہی۔ کڑھتی رہی۔ اچانک موبائل کی اسکرین پر تھرکتا اس کا انگوٹھا ساکت ہوا۔ اور اس نے ان سولو پکس کو بغور دیکھا جو نگاہوں کو خیرہ کرنے اچانک نظروں کے سامنے آ گئی تھیں۔ کیا شفاف حسن تھا۔

بارش کے قطرے صبیح چہرے پہ ایسے ٹھہرے تھے جیسے کسی پھول پر شبنم چمکتی ہو۔ کھلے سیاہ گھٹاؤں سے بال بدلیوں کو شرما رہے تھے۔ دوپٹے سے بے نیاز بانہیں کھولے اس کا ہوش ربا سراپا جیسے برسات کو اپنے روم روم میں بسا لینے کا خواہش مند تھا۔ یہ ایک رینڈم کلک (اتفاقی تصویر) تھا۔ اسی لیے اس کے جسمانی خدوخال پانی میں بھیگے واضح دکھائی دیے تھے ورنہ یہ سراپا اتنا عیاں نہ دکھتا۔ یہ تصویر، ہاں یہی پر کشش جوانی سے بھرپور تصویر اس کو مجھ سے باندھ کے رکھ سکتی ہے۔

اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی اور دوسرے ہی پل اس نے شیئر کا آپشن دبا کر اس تصویر کو میسنجر پر بھیج دیا۔

☆☆☆

عصرہ کی منگنی بہت سادہ طریقے سے انجام پائی۔ لڑکے کے گھر سے ان کی امی، بابا ایک بہن اور ایک چھوٹا بھائی رسم ادا کرنے آئے تھے۔ ان کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بہار اتری ہوئی تھی۔ مصور کی امی نے جب عصرہ کو انگوٹھی پہنا دی تو عصرہ کے دیور کو بیٹھک سے یہ کہہ کر بلوا لیا کہ اس کو اپنی بھابھی کو براہ راست دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کمرے میں ایک وجیہہ نوجوان آنکھوں میں اشتیاق لیے اندر داخل ہوا تھا۔

''لو میں تو چھوٹے دیور کو ننھا کا کا سمجھ رہی تھی یہ تو اچھا خاصا جوان ہے۔''

نشراح نے عصرہ کے کان میں سرگوشی کی جو یقیناً اتنی اونچی ضرور تھی کہ نوجوان نے چونک کر بھابھی کے برابر میں بیٹھی اس خوب صورت لڑکی کو دیکھا۔

''میں اپنے گھر والوں کے لیے اب بھی ننھا کا کا ہی ہوں محترمہ۔'' اس نے عصرہ کو ایک خوب صورت گفٹ پیک دیتے نشراح کو جواب دیا۔

اس کی نظریں نشراح پر جم گئی تھیں۔

''اپنی بھابھی دیکھنے آیا ہے اور گھور مجھے رہا ہے۔''

''نشراح! ادھر سے اٹھو، چپک ہی گئی ہو۔''

کچھ دور بیٹھی دادی کی عقابی حس جاگی اور انہوں نے رعب سے کہا۔ نشراح فوراً وہاں سے اٹھی اور رباب کے پاس چلی آئی۔ وہ عصرہ کی نند سے بات کررہی تھی۔

نشراح کو دیکھ کر ''ماشاءاللہ بہت پیاری ہیں آپ۔'' اس نے تعریف کی۔

''تھینک یو۔'' نشراح کھل کر ہنسی۔ واپس جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھتا مصور ایک لمحے کو ٹھٹک کر رکا اور اسے دیکھنے لگا۔ نشراح کی نظریں اس کی طرف اٹھیں تو اس کی ہنسی کو بریک لگا۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکرایا اور باہر نکل گیا۔

''بدتمیز۔'' نشراح بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

''اتنی معصومیت، اتنا بانکپن، اتنی فائینسٹ لک میں نے زندگی میں یہ تینوں خصوصیات کسی ایک لڑکی میں اکٹھی نہیں دیکھیں۔ تم تو ساحرہ ہو پری! مجھ پر اپنے حسن کا جادو پھونک دیا ہے۔ آئی رئیلی فال ان لو ود یو۔'' ابراہم کے گمبھیر لہجے سے ایک انجانی آنچ آرہی تھی۔ وہ لب دبا کر مسکرادی۔

''تم سچ مچ کی پری ہو۔'' وائس میسج پر اس نے کھل کے اعتراف کیا۔

''آگ لگادی ہے تمہارے حسن نے پری۔ خدا کی قسم۔'' ایک اور میسج آن دھمکا۔ جب سے موبائل آن کیا تھا، وائس میسجز کی بارش سی ہوگئی تھی۔ اس کے ہاتھ ریسیو کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ وہ مبہم مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی آواز کے زیروبم اپنے دل کی دھڑکن کی نئی لے پر دھڑکتے محسوس کررہی تھی۔ اس کا دل چاہا وقت یہیں تھم جائے اور ابراہم وائس میسجز پر کہتا رہے۔ وہ سنتی رہے۔ یہ طلسم کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ محبت کا دریا بہتا رہے۔ اس نے اپنی آنکھیں موند کر ان لمحوں کے امر ہوجانے کی دعا کی۔

☆☆☆

وہ وہیں دروازے کے پاس زمین پر بیٹھی نہ جانے کتنی دیر روتی بلکتی رہی۔ معاً دروازہ کھلا۔ اور اس کی کمر پر آکر لگا۔ آنے والے کو زور لگا کر اندر آنا پڑا۔ وہ بے اختیار نووارد کو دیکھنے لگی۔ ایک سادہ سے حلیے والی دیہاتن عورت ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھامے اندر آئی تھی اور اب وہ ٹرے میز پر رکھ کر جانے لگی تھی کہ وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے دروازے سے نکلی۔

''ارے تم کہاں آرہی ہو بی بی۔ جاؤ اندر شابش۔'' عورت نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اندر دھکیلا۔

''مجھے باہر جانا ہے، چھوڑو مجھے جانے دو۔'' وہ مچل کر اس کی گرفت سے نکلی۔

''او بی بی! رک جاؤ۔ کرم داد! اسے روکو۔'' اس عورت نے ناک کی سیدھ میں بھاگتی لڑکی کو ہونق پن سے دیکھا۔

''کہاں جاتی ہے چھوکری۔ جا اپنے کمرے میں۔'' ایک لمبا چوڑا آدمی کندھے پر بندوق لٹکائے فوراً دروازے کو پہنچا اور اس کے راستے میں حائل ہوگیا۔

''مجھے جانے دو..... راستہ دو۔'' وہ چلائی۔

''آپ کو ادھر ہی رہنا ہے۔ چالاکی مت دکھاؤ بی بی۔ ورنہ بندوق چل جائے گی۔'' اس آدمی نے اس کو بازو سے پکڑ کر کمرے کے اندر کیا۔

''شیطان کے بچے چلاؤ بندوق۔ میں نہیں ڈرتی بندوق سے۔ مارو مجھے..... اس اذیت سے تو بہتر ہے، میں مرجاؤں۔'' وہ رو پڑی۔

''کھانا کھاؤ سکون سے۔ اور جنت بیگم! اب سے اس کو کھانا میں دیا کروں گا۔'' وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا اس عورت سے باتیں کرتا باہر نکلا اور دروازے کو بند کردیا۔ وہ دوڑ کر دروازے کے پاس آئی لیکن وہ مضبوطی سے بند تھا۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

''ان لوگوں کو نشراح بھی بہت بھا گئی ہے۔ ان کی ماں نے نشراح کا ہاتھ اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے مانگا ہے۔ کہتے ہیں عصرہ کے مایوں میں اس کے نکاح کے ساتھ نشراح کا بھی مصور سے نکاح کردیں۔ رخصتی چاہے سال ڈیڑھ بعد کریں۔''

صدف بیگم نے ساس کو چائے دیتے نئی بات کہہ سنائی۔

''وہ تو میں نے عصرہ کی منگنی میں ہی بھانپ لیا تھا کہ ماں بیٹی کو نشراح اچھی لگی ہے۔'' دادی نے چائے کی چسکی بھر کر کہا۔

''چھوٹا لڑکا کرتا کیا ہے ویسے۔''

''کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں ابھی ملازم لگا ہے۔ آپ کیا کہتی ہیں۔ ہمیں دو بچیاں ایک گھر میں بیاہنی چاہئیں۔'' صدف بیگم نے ساس کی رائے لی۔

''حرج تو کوئی نہیں۔ لوگ تو اچھے ہیں۔ لڑکے بھی عمدہ اخلاق کے باروزگار ہیں۔ نکاح نہ سہی نشراح کی منگنی ہی کرلیں گے۔ اچھا ہے، شادی کے بعد بہن کے ساتھ رہے گی ورنہ اس کے بچپنے سے مجھے ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ اگلے گھر جا کر نہ جانے کیا گل کھلائے۔'' دادی نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

''نہیں، اب ایسی بھی بے وقوف نہیں میری بیٹی۔'' صدف بیگم نے فوراً نفی کی۔

''ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتی ہے۔ مشاہدہ گہرا نہیں ہے اس کا۔ میں ڈرتی ہوں کہیں ٹھوکر نہ کھائے۔'' دادی نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اللہ نہ کرے۔'' صدف بیگم دہل گئیں۔

رباب جو برآمدے میں بیٹھی تھی یہ گفتگو سن کر اندر دوڑی۔

''نشراح آپی!''

''کیا ہوا؟'' نشراح کمرے سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ رباب سے بری طرح ٹکرا گئی۔

''کیا آفت آگئی جو گھر میں میراتھن ریس لگا رہی ہو۔'' نشراح نے کوفت سے پوچھا۔

''آپ کو ایک ضروری بات بتانا تھی۔'' رباب نے نشراح کو دھیمے سے کہہ کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

''کون سی ضروری بات؟'' نشراح کا تجسس جاگا۔ رباب نے نشراح کے کان میں دادی اور ماں کی باتیں گوش گزار کیں۔ نشراح سن کر عجیب کیفیت کا شکار ہوئی۔ نگاہوں کے سامنے مصور کا سراپا لہرایا تھا۔

''اب آپ کے خوشی والے بھنگڑے یہیں دھرے رہ گئے۔ عصرہ آپی سے آپ کی جان کبھی نہیں چھوٹنے والی۔'' رباب شرارت سے ہنسی۔ نشراح نے اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔

''ویسے مصور بھائی کا لک بالکل کسی ہیرو جیسا ہے، مطلب آپ جیسا چاہتی تھیں ویسا ہی۔'' رباب نے مزید کہا تو نشراح کو دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ مصور واقعی ایک وجیہہ نوجوان تھا۔

''اب کیا کہتی ہیں مصور بھائی کا ساتھ قبول ہے یا نہیں۔'' رباب نے اسے مستقل چپ دیکھ کر بولنے پر اکسایا۔

''گلاب کے ساتھ کانٹوں کو بھی جھیلنا ہی پڑتا ہے۔'' نشراح نے آہ بھر کر کہا تو رباب کو سمجھنے میں ایک منٹ لگا۔

''آپ عصرہ آپی کو کانٹا کہہ رہی ہیں۔ میں ابھی جا کر بتاتی ہوں۔'' وہ کہہ کر عصرہ کے کمرے کی طرف دوڑی تو نشراح اس کے پیچھے جاتے جاتے رک گئی۔

''اچھا تو مسٹر مصور! آپ نے اتنی جلدی میرا ہاتھ بھی مانگ لیا۔ آپ تو بڑے تیز نکلے۔'' وہ تصور میں مصور سے مخاطب ہو کر مسکرادی۔ دل چونکہ ابھی خالی فریم کی طرح تھا سو اس پر پہلی تصویر مصور کی با آسانی سج گئی۔

☆☆☆

”تم میرے روم روم میں بس چکی ہو پری۔ میرا دل تمہیں سامنے دیکھنے کو چاہنے لگا ہے۔“ وہ مینسجر کی کال پر اس سے مخاطب تھا۔

”ہمارے ماحول کی سختی میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ فی الحال ملنے کا کوئی چانس نہیں۔ بس میری تصویروں سے دل بہلاؤ۔“ وہ قصداً ٹھنک کر بولی۔

”تمہارے جلوے مجھے مار ڈالیں گے۔ سوچتا ہوں موبائل پر تمہارا حسن اتنا پرکشش لگتا ہے تو روبرو کیسا نظر آتا ہوگا۔“ وہ جذبات سے بھرپور لہجے میں بولا تو اس کا مسکراتا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا۔

”تم میری شخصیت سے پیار کرتے ہو۔ مجھ سے نہیں۔“ اس نے اداسی سے پوچھا۔

”اپنی شخصیت میں چھپی تم ہی تو ہو۔“ اس نے ترنت جواب دیا تو وہ مزید اداس ہوئی۔

”ایک انمول دل کی زمانے میں کوئی قدر نہیں۔ بس جوان خوب صورت چہرہ ہر آنکھ کی پہلی ترجیح ہے۔“

”نہیں پری! یہ بات ہوتی تو میری زندگی میں جوان اور خوب صورت لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ میں ان سب پر بیک وقت فدا ہوسکتا تھا۔ وہ لڑکیاں جو میری پہنچ سے بھی دور نہیں۔ مگر میں تمہارے پیچھے خجل خوار ہو رہا ہوں، پتا ہے کیوں...... کیونکہ تمہارے معصوم حسن میں ایک عجیب سی کشش ہے۔ تم سب سے الگ ہو پری۔“ وہ جذب سے بولا۔

”بات تو وہی ہوئی نا۔“ اس نے تاسف سے کہا۔

”بات وہی نہیں ہے پری! میں صرف تم پر مرمٹا ہوں جو نہ مجھ سے ملتی ہے نہ اپنا اتا پتا بتاتی ہے حتیٰ کہ مجھے اپنا فون نمبر بھی نہیں دیتی۔“ ابراہم کے لہجے میں شکوہ در آیا۔

”مجھے قریب سے جان کر کیا کرو گے۔“ اس نے دھیمے سے پوچھا۔

”تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ ہوسکتا ہے تم سے شادی کرلوں۔“ اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور ہنستی ہی چلی گئی۔

”اور اگر میں تمہیں براہ راست دیکھنے میں اچھی نہ لگی تو ہوسکتا ہے تم مجھے ریجیکٹ کر کے آگے بڑھ جاؤ پھر میرے نازک سے دل کا کیا ہوگا ابراہم! جو تمہیں بے پناہ چاہتا ہے۔“ اپنی آنکھیں ٹشو سے صاف کرتے وہ دل گرفتی سے بولی۔

”ایسا کیوں ہوگا۔ اچھا میں تمہیں زبان دیتا ہوں مجھ سے ایک بار مل تو۔ میں تم سے شادی کرلوں گا۔“ ابراہم نے جذباتی ہو کر یقین دلایا۔

”تم اتنے ضدی کیوں ہو؟“ وہ پوچھ بیٹھی۔

”میری فطرت ہے جو چیز مجھ سے جتنا چھپتی ہے، دور بھاگتی ہے، میں اس کی کھوج میں شدت سے لگ جاتا ہوں۔“ ابراہم نے جیسے اپنے مزاج سے پردہ ہٹایا۔

”یہ اچھی بات تو نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

”یار! اب تم مجھے گھماؤ نہیں۔ جلدی بتاؤ کب مل رہی ہو۔“ وہ پھر سے اپنی بات کی طرف آیا۔

”پتا نہیں۔ جب نصیب میں ہوا۔“ اس نے پھر سے گول مول بات کی۔

”اوف پری! میں تمہارا کیا کروں۔“ ابراہم بے اختیار چیخا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

☆☆☆

دن شگنا دا چڑھیا آؤ سکھیو
نی ویڑھا سجیا آہاں میرا سجنا
ملیا سجنا
ملن ودھائیاں نی ساجن ڈولی لے کے اوڑا۔

نشراح زور و شور سے ڈھولک بجاتی سکھیوں کے ساتھ مل کر سر بکھیر رہی تھی۔ پیلے اور ہرے

امتزاج کے نفیس کام والے سوٹ میں وہ محفل کی جان نظر آرہی تھی۔

آج عصرہ کا مایوں تھا۔ منزہ کی شادی کے اتنے سالوں بعد یہ پہلی گھر کی تقریب تھی جس میں نشراح اور رباب کا جوش وخروش دیکھنے والا تھا۔

''نشراح! اب اٹھو۔ رسم کے لیے عصرہ کو لے کر آنا ہے۔''

اس کی پھوپی زاد نے اس کے کان میں آکر کہا۔ وہ ڈھولک چھوڑ کر اٹھی۔ پھر نشراح، رباب اور دو کزنز نے دوپٹے کے جلو میں مایوں کے پیلے جوڑے میں ملبوس سادہ حسن بکھیرتی عصرہ کو لا کر پیلے گیندے کے پھولوں سے سجے لکڑی کے جھولے پر بٹھا دیا۔

عصرہ کی رسم کے بعد اس کی ساس نے نشراح کو مصور کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔ انگوٹھی پہنتے ہی نشراح کی کچھ دیر پہلے والی ساری شوخی ہوا ہوگئی۔ اب وہ شرمائی سی بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں بہنیں اپنے کمرے میں آئیں تو ان کی نندیں بھی پیچھے چلی آئیں۔ وہ دونوں بھی ہنسوڑ طبیعت کی تھیں۔ اور اپنے بھائیوں کی تعریف میں رطب اللساں۔

''آج مصور اپنی بھابھی کو دیکھنے کی ضد نہیں کر رہا۔'' منزہ آپی نے ہنس کر پوچھا۔

''آج وہ براہ راست اپنی منگیتر کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تو منگنی کی انگوٹھی بھی خود پہنانے پر مصر تھے مگر آپ کی دادی نے منع کر دیا تھا۔'' مصور کی چھوٹی بہن نے مسکرا کر جواب دیا۔

''شادی تک تو مصور کو نشراح کی تصویروں پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے یہاں رواج نہیں ہے منگیتر سے ملنے کا۔'' منزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں بھلا تصویروں پر کیوں گزارا کرنا ہوگا اسے تھوڑا منگیتر کا دیدار کروا دو بھئی آخر نشراح اتنی محنت سے تیار ہوئی ہے۔'' بریرہ نے فوراً کہا۔

''اور رواج کی خوب کہی، خواہ مخواہ کی پابندیوں کو رواج کا نام دیا ہوا ہے۔'' بریرہ نے تیز لہجے میں مزید کہا۔ منزہ چپ ہوگئی۔

''بھئی نشراح! سچ بتاؤ، مصور کو دیکھنے کا تمہارا بھی دل چاہ رہا ہے نا۔'' اب کے بریرہ نے نشراح سے پوچھا۔ تو نشراح بریرہ کی فضول گوئی پر پہلی بار دل میں غصہ ہوئی۔ اس کی دونوں نندیں اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

''بریرہ بجو جو ہمارا رواج ہے، میں اسی پر چلنا چاہوں گی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

کل ہی تو دادی نے بریرہ کا نام لینے پر اسے سخت سست سنائی تھی کہ سسرالیوں کے آگے اپنی آنٹی کا نام لیتے اچھی لگو گی۔ کیا سوچیں گے وہ لڑکی کو بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں۔ نشراح کو بریرہ کی ناراضی کا خیال دامن گیر تھا، وہ آنٹی کہلوانا سخت ناپسند کرتی تھیں۔ بالخصوص نشراح کے منہ سے۔ سو اس نے آنٹی کو بجو میں بدل دیا تھا۔ نہ جانے اس کی بات یا اس کا بجو کہنا بریرہ کو سخت گراں گزرا۔ وہ ایک دم اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ نشراح نے پریشان نظروں سے بریرہ کو جاتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

رات سے صبح ہوئی پھر صبح سے شام اس کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ شقی القلب انسان اس کمرے میں اسے بند کر کے خود نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ کرم داد نامی بندے نے کھانے کی جتنی ٹرے اندر رکھیں، اس نے ان کو دیکھا تک نہ تھا۔ بھوک پیاس اور نقاہت سے برا حال تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے صرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور یہ اندھیرا تو اب مقدر پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

''آج عصرہ کی شادی ہے۔'' اس نے درد سے پھٹتے سر کو ہاتھوں میں تھاما۔ ''کیا حالات ہوں گے گھر میں۔ مجھے ڈھونڈا جا رہا ہوگا۔ امی، دادی اور بابا کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ گھر میں

پھوپو کی فیملی بھی یو کے سے شادی اٹینڈ کرنے آئی ہوئی ہے۔ اور دور کے کچھ رشتہ دار بھی قیام پذیر ہیں۔ کیا سوچتے ہوں گے سب۔ اور عصرہ کے سسرالی، ان کو بابا امی کیا کہہ کر مطمئن کریں گے۔''

سر درد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''کاش مجھے یہیں موت آجائے۔ ایک جواز تو ہاتھ آئے گا دنیا کو بتانے کے لیے کہ نشراح مر گئی ہے ورنہ جواب دینا ان کو قیامت محسوس ہو رہا ہوگا۔ کیا کہتے ہوں گے دنیا سے۔'' اس نے سرخ برستی آنکھیں بند کیں۔ تصور میں تمام چہرے واضح ہوئے درد کچھ اور بڑھا۔ دفعتاً دروازے کی کنڈی باہر سے کھولی گئی وہ بنا ہلے دیوار سے ٹیک لگائے نیم مردہ سی پڑی رہی۔ دروازہ پورا کھول کر کوئی اندر آیا اور کمرے کی لائٹیں کھولیں۔ تیز روشنی براہ راست بند آنکھوں پر پڑی تھی اس نے بے اختیار اپنا بازو چہرے پر رکھا۔

''پری! یہ کیا حالت بنالی ہے۔ مائی گاڈ۔'' ابراہم تیزی سے اس کی طرف آیا اور دوزانو ہو کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''پری! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے نشراح کا بازو ہٹایا۔

''مت چھوؤ مجھے بے غیرت انسان۔ مجھے کیوں کڈنیپ کیا ہے؟ کیا قصور ہے میرا۔'' وہ نقاہت زدہ آواز میں چلائی۔ پیلا پھٹک چہرہ، خشک لب کمزوری سے چور بدن۔ ابراہم نے چونک کر میز کی طرف دیکھا جہاں مختلف کھانوں کی ٹرے پڑی سوکھ رہی تھیں۔ پانی کا جگ بھی جوں کا توں بھرا ہوا تھا۔

''یہ پانی پی لو۔'' گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا تو نشراح نے ہاتھ مار کر گرا دیا۔

''دستخط ہو جاؤ۔ نہیں پینا مجھے۔'' کانچ کا گلاس فرش پر چکنا چور ہوا

''پری کام ڈاؤن۔ مر جاؤ گی اس طرح کچھ تو کھاؤ پیو۔'' ابراہم نے ہموار لہجے میں کہا۔

''مرنے دو۔ اب میں مر ہی جاؤں تو اچھا ہے۔ مم..... میرے گھر میں مرگ پڑ گیا ہوگا۔ میری بہن کی شادی خطرے میں ہوگی۔ نہ جانے میرے بابا امی کیسے دنیا کو مطمئن کرتے ہوں گے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اس کا جسم کمزوری کے مارے کانپ رہا تھا۔ آواز ہلکی ہو چکی تھی۔ ابراہم نے ایک بار پھر پانی کا دوسرا گلاس بھرا اور اس بار اس کا چہرہ پکڑ کر لبوں سے زبردستی گلاس لگایا۔

''جنت مائی! تازہ کھانا لے کر آؤ۔'' اس نے کال پر کہہ کر موبائل جیب میں ڈالا۔ کچھ ہی دیر بعد جنت مائی مع کھانے کی ٹرے حاضر تھی۔

''رکھو ادھر اور یہ لے جاؤ۔'' وہ ایک پلیٹ میں تھوڑا سا سالن اور روٹی ڈال کر نشراح کی طرف آیا۔

''اتنا بھوکا رہ کر خود کو ٹارچر کیوں کر رہی ہو پری! لو، کچھ کھالو۔'' ابراہم پھر دوزانو بیٹھا اور پلیٹ اس کے آگے کی۔

''نہیں کھانا مجھے۔'' اس نے کمزور سا احتجاج کیا۔

''کھالو پری! مجھے زبردستی کھلانے پر مجبور نہ کرو۔'' ابراہم نے پچکار کر کہا۔ نشراح ادھ کھلی آنکھوں میں نفرت لیے اسے دیکھتی رہی۔

''پورا فنش کرنا ہے۔'' وہ کہہ کر وہیں بیٹھا رہا۔ نشراح گیلے حلق سے بہ مشکل نوالے اندر اتارتی رہی۔

''اب پلیز ادھر سے اٹھو اور فریش ہو کر آؤ۔ تمہارے صاف ستھرا چمکتا حسن دیکھ رکھا ہے، یہ رف حلیہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' اس کی بات پر نشراح نے ایک اور نفرت انگیز نظر اس پر ڈالی۔

اس کا سر چکرا رہا تھا۔ بمشکل نشراح دیوار کو پکڑ پکڑ کر چلتی واش روم کے اندر گئی اور دروازہ زور

سے بند کیا۔

''یہ میرا چہرہ ہے۔'' وہ واش بیسن کے سامنے کھڑی ہوئی تو اچنبھے میں پڑ گئی۔ ''چھتیس گھنٹوں میں کتنا بدل گئی ہوں۔ میں اتنی کمزور تو نہیں تھی نہ اندر سے نہ باہر سے۔'' اس نے نل کھول کر پانی دونوں ہاتھوں کی اوک میں بھرا اور چہرے پر ڈالا ایک تازگی کا احساس ہوا۔

''کیا یوں رونا دھونا اور بھوکا رہنا مسئلے کا حل ہے۔'' کہیں اندر سے آواز آئی۔

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔''

اس نے گیلے ہاتھ بالوں پر پھیرتے اس آواز کی نفی کی۔

''لگتا ہے اس شخص کو زبردست قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے، یہ کسی اور کے دھوکے میں مجھے ادھر لے آیا ہے۔ مجھے معاملہ کو کلیئر کرنا چاہیے۔ اس کو یقین دلانا چاہیے کہ میں وہ پری نہیں ہوں جس کی اسے تلاش ہے۔ بہت ممکن ہے، وہ یہ بات سمجھ جائے اور مجھے آزاد کردے۔'' اس نے مثبت انداز سے سوچا تو دل کو طمانیت کا احساس ہوا۔

''ہاں، مجھے اتنی جلدی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ایک کوشش کر لینی چاہیے۔'' کچھ منٹ کے بعد وہ گیلے چہرے کے ساتھ باہر نکلی۔ اور سپاٹ انداز میں آکر صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''اب لگ رہی ہو نا میری پری۔'' اس کو نسبتاً فریش دیکھ کر وہ خوش ہوا۔

''تم جو کوئی بھی ہو مسٹر۔ یہ ڈرامہ بازی اب بند کرو۔ سچ بتاؤ، مجھے کیوں کڈنیپ کیا ہے۔'' نشراح نے اپنی آواز کو حتی الامکان سخت کر کے پوچھا۔

''میں کون ہوں، تم نہیں جانتیں؟'' ابراہم نے بھی سختی سے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' نشراح نے ترنت جواب دیا۔

''فنکاری مت کرو پری!'' وہ غصہ میں آ گیا۔

''میرا نام پری نہیں نشراح ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔ ابراہم ایک لمحے کو چپ رہ گیا۔

''تمہارا اصل نام نشراح ہے تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔ کتنا کچھ چھپایا ہے مجھ سے پری۔ میں نے تو تمہیں اپنے متعلق سب سچ بتا دیا تھا۔'' اس نے افسوس سے نشراح کو دیکھا۔

''میں نے کب تم سے بات کی، کیوں مسلسل الزام لگا رہے ہو مجھ پر۔'' وہ چڑ گئی۔

''دو سال سے ہم فیس بک فرینڈ ہیں۔ سال بھر تم نے مجھ سے محبت کا ڈرامہ کیا ہے۔ رات بھر مجھ سے میسینجر پر باتیں کی ہیں۔ مجھے اپنی ہوش ربا تصاویر بھیج کر اپنا دیوانہ بنایا ہے اور اب مجھ سے پوچھ رہی ہو، کیا کیا ہے میں نے۔'' وہ اپنی نشست سے اٹھ کر اس کی طرف آیا۔

''میں نے تم سے فیس بک پر دوستی کی؟ میں نے؟'' وہ بے حد حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''تو اور کیا تمہارا بھوت تھا۔''

''میرا فیس بک پر کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے۔ تم نہ جانے کس کی بات کر رہے ہو۔''

''اچھا، اب ہر بات سے مکر جاؤ۔ بہت بڑی اسکام ہو تم تو۔ دوسروں کے جذبات سے کھیل کر لطف لیتی ہو؟ میرے علاوہ نہ جانے کتنے لڑکوں کو بے وقوف بنایا ہوگا۔ وقتی مزے لے کر دل بھر جائے یا لڑکا گلے پڑ جائے تو اکاؤنٹ بند کر دیتی ہو۔ کوئی نشان نہیں رہنے دیتیں اپنا۔ لیکن اس بار تمہارا پالا مجھ سے پڑا ہے پری! میں ابراہم کوئی عام لڑکا نہیں جسے تم نے وقت گزار کر ایک طرف کر دیا۔'' وہ بہت غصے سے بول رہا تھا۔ نشراح کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ حقیقت ہے۔ میرا سوشل میڈیا پر ذاتی کوئی اکاؤنٹ نہیں۔ ہم تینوں بہنوں کا مشترکہ اکاؤنٹ ہے۔''

''دیکھا، اب آئی ہو لائن پر۔ میں جانتا ہوں تم چار بہنیں ہو، مڈل کلاس فیملی ہے۔ ایک سیل فون

ساری بہنوں کے زیر استعمال ہے۔'' ابراہم طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ نشراح چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''اس بات سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ میں تمہاری پری ہی ہوں۔ دنیا میں درجنوں ایک جیسی فیملیز ہوتی ہیں، تمہیں دھوکا دینے والی بھی، مڈل کلاس یا چار بہنوں والی تھی تو اس میں میرا کیا قصور۔'' کچھ توقف کے بعد وہ ہموار لہجے میں بولی۔

''تم سیدھے طریقے سے مان کیوں نہیں لیتیں کہ تم ہی پری ہو۔'' ابراہم اکتا کر بولا۔

''تم مجھے ثبوت دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔'' نشراح کے ذہن نے ایک دم ہی کام کیا تھا۔

''ہاہاہا۔ اب ثبوت بھی میں دکھاؤں۔ دھوکے باز محترمہ کو۔ ٹھیک ہو گیا یہ تو.....'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''تمہارا فیس بک اکاؤنٹ تو بند ہو چکا ہے بلکہ تم نے ہی بند کیا ہے۔ مگر تمہاری ساری تصاویر اور چھوٹے چھوٹے وڈیو کلپ میں نے دل سے لگا رکھے ہیں۔ یہ دیکھو۔'' ابراہم نے اپنا آئی فون آن کیا اور گیلری اوپن کر کے مائی لو والا فولڈر کھول کر موبائل نشراح کے ہاتھ میں دیا۔

نشراح نے اسکرین پر آنکھیں جمائیں اور بھونچکا رہ گئی۔ ایک کے بعد ایک اس کی اپنی تصاویر اس کی نگاہوں کے سامنے آتی جا رہی تھیں۔ اس کی گھریلو تصاویر۔ گھومنے پھرنے کی تصاویر، ڈھیر ساری سیلفیاں اور کچھ رینڈم کلکس جو کسی مرد کو دکھانے سے پہلے وہ شرم سے مر جاتی۔ اس کا دماغ چکرانے لگا۔

''یہ..... یہ..... سب تمہارے پاس کیسے آئیں؟'' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''میری جان یادداشت کھو چکی ہو کیا۔ خود ہی تو عنایت کی تھیں خاکسار کو۔'' ابراہم نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''مگر یہ تو بریرہ کے فون سے کھینچی گئی پکس ہیں۔ ان کا فون تو ان کے پاس ہی تھا۔ کہیں چوری بھی نہیں ہوا تھا۔'' اس نے الجھ کر سوچا۔ اسے یاد تھا آخری دن تک جب وہ بریرہ کے ساتھ شاپنگ سینٹر سے نکل رہی تھی بریرہ کا موبائل بریرہ کے ہاتھ میں تھا۔

''تمہارے پاس میری تصویریں کب سے ہیں؟'' نشراح نے کانپتے دل سے پوچھا۔

''ایک سال سے تم مجھے بھیج رہی ہو پری۔ کم آن۔ اب ایکٹنگ بند کرو۔'' ابراہم نے اکتا کر اس کے ہاتھ سے فون واپس لیا۔ نشراح لب چباتے کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔

''دیکھ لیے ثبوت، اب اپنا جرم تسلیم کرو اور یہ بتاؤ جب تمہیں ریلیشن چلانا نہیں تھا تو مجھے آگے تک آنے کی دعوت کیوں دی۔ پہلے اپنی لوچ دار آواز سے مجھے اپنا دیوانہ بنایا پھر اپنی قاتل تصاویر بھیج کر گھائل کرتی رہیں اور جب میں تم سے ملاقات کرنے پر بضد ہوا تو رابطہ ہی ختم کر دیا۔ مجھے بتاؤ، یہ کھیل تم نے کھیلا ہی کیوں۔ اگر یوں کوئٹ کرنا تھا۔'' وہ جارحانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔

''میں نے تم سے کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ بلکہ میں خود کسی کے کھیل کا مہرہ بن گئی ہوں۔'' نشراح نے سفید پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''پھر وہی ڈرامہ بازی۔ دیکھو پری! آئی مین نشراح! تم اگر اس طرح انجان بن کر سمجھتی ہو میں تمہیں بخش دوں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میرے جذبات سے کھیلنے کی سزا تو تمہیں مل کر رہے گی۔'' وہ اپنی نشست سے ایک دم کھڑا ہوا تو نشراح کا دل لرز اٹھا۔

''مم..... میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے پری بن کر تم سے ریلیشن نہیں رکھا۔ مجھے یہ سوچتے ہوئے بھی شرم محسوس ہو رہی ہے مگر میرا غالب گمان یہی ہے کہ جن کے سیل فون سے یہ تصاویر اتاری گئی ہیں انہوں نے تمہیں پری بن کر میری پکس سینڈ کی ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ بہت دقت سے ادا کر رہی تھی، اس کی پلکوں سے آنسوؤں کی صورت

ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں گر رہی تھیں۔

''اب ایک نئی فنکاری۔'' وہ اسے گھورنے لگا۔

''اللہ پاک کی قسم۔ مجھ پر یقین کرو۔ میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا۔ وہ میری امی کی سگی چچازاد بریرہ احمد ہیں جن کو میں اپنی حقیقی خالہ کی طرح مان اور محبت دیتی تھی۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ میرا اعتماد یوں چکنا چور کریں گی۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ ایک غیر مرد کو میری اتنی پرسنل تصاویر سہولت سے بھیجتی ہوں گی تو باخدا میں ان کے سیل کو ہاتھ بھی نہ لگاتی۔ ہائے بریرہ..... آپ نے مجھے کس طرح استعمال کیا۔ کاش میں یہ دیکھنے سے پہلے مرجاتی۔'' نشراح دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر اس طرح بلک بلک کر روئی کہ ابراہم الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''بقول تمہارے..... تمہاری دور کی خالہ بریرہ اگر مجھ سے ریلیشن میں تھیں تو انہوں نے مجھے اپنی پکس کیوں نہیں بھیجیں۔ تمہاری کیوں بھیجیں۔'' ابراہم نے تفتیشی لہجے میں پوچھا۔

''بریرہ کی ایج ففٹی پلس ہے۔'' نشراح نے بھیگی آواز سے جتایا۔

''اوہ۔'' ابراہم کی پیشانی پر شکن پڑی۔ ''مگر اتنی بڑی عمر کی عورت مجھ سے دوستی کرکے اور مجھے تمہارا چہرہ دکھا کر اپنی کون سی حس کی تسکین چاہتی تھی۔'' اس کے لہجے میں شک کی پرچھائیں ابھی بھی موجود تھی۔

''یہی تو میں بھی سمجھ نہیں پا رہی۔ میں نے ان کا کیا قصور کیا۔ میرا کردار کیوں خراب کردیا۔ میرے منگیتر نے میری گمشدگی کس انداز میں لی ہوگی۔'' نشراح کی بات پر ابراہم کو جھٹکا لگا۔

''تم منگنی شدہ ہو؟'' اس کے استفسار پر نشراح نے روتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ آگے کیا جس کی تیسری انگلی میں ایک نازک انگوٹھی جھلملا رہی تھی۔ ابراہم ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

''تین دن پہلے میری بہن کے دیور کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے۔ بریرہ اور میں اسی بہن کی شادی کی شاپنگ کرنے مال گئے تھے کہ میں واپسی میں غلطی سے تمہاری گاڑی میں بیٹھ گئی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ بدبختی تمہاری صورت میری گھات لگائے بیٹھی ہے۔ مجھے پتا ہوتا تو میں گھر سے ہی نہ نکلتی۔'' وہ بدستور بلک رہی تھی۔ ابراہم کتنی ہی دیر لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

''مجھے بریرہ محترمہ سے ملنا ہے۔ ابھی اور اسی وقت۔'' ابراہم نے اسی سنجیدگی سے کہا تو نشراح نے چونک کر اسے دیکھا۔

''چلو اٹھو، دیکھ کیا رہی ہو؟'' وہ تحکم سے بولا تو نشراح فوراً کھڑی ہوگئی۔

اس قید خانے سے نکلنے کی نوید یوں اچانک ملی کہ حواس ہی مختل ہوگئے تھے، دروازہ کھول کر تیز قدموں سے چلتی وہ پیچھے آتے ابراہم کو بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ باہر کھڑا کرم داد اسے دیکھ کر الرٹ ہوا پھر ابراہم کو دیکھا تو دبک کر بینچ پر بیٹھا رہا۔

''کس طرف جارہی ہو، ادھر چلنا ہے۔'' ابراہم نے اس کو دوسری طرف جاتے دیکھ کر ٹوکا وہ چونک کر مڑی اور اس کے ساتھ چلتی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ ابراہم نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ وہ کافی ریش ڈرائیونگ کررہا تھا۔ نشراح گیلی آنکھوں سے تیزی سے گزرتے منظر دیکھتی رہی۔ شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ جی میں آیا فوراً گھر پہنچ جائے۔

''کس طرف جانا ہے؟'' ابراہم نے پوچھا تو وہ راستہ بتانے لگی۔ پوش علاقے کے ایک چھوٹے سے خوب صورت گھر کے آگے گاڑی کھڑی ہوئی تو وہ فوراً گاڑی سے اتری۔ ابراہم گاڑی کو لاک لگا کر اس کے پیچھے آیا۔ ڈور بیل پر ملازمہ نے دروازہ کھولا نشراح کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی۔

''بریرہ گھر پر ہیں؟'' اس نے پوچھا تو ملازمہ نے سر ہلایا۔

''میں ان کو اطلاع دیتی ہوں، آپ ادھر تشریف رکھیے۔'' دونوں خاموشی سے اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بریرہ کمرے میں داخل ہوئیں اور سیدھی نشراح کے پاس آئیں۔

''نشراح کہاں چلی گئی تھیں ڈیئر! تم جانتی ہو ہم سب تمہارے لیے کتنے پریشان ہوئے ہیں۔'' بریرہ نے فکرمند لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ نشراح اپنی جگہ سے اٹھی۔

''میں جانتی ہوں بریرہ! آپ میرے لیے کتنا پریشان ہوں گی۔'' اس نے چبا چبا کر کہا۔

''ہاں میری جان۔ میں تم سے پیار ہی اتنا کرتی ہوں۔ لاسٹ ٹائم تم میرے ساتھ تھیں تو اب سب کے سوالات کی زد میں بھی میں آئی ہوں۔'' بریرہ نے اس کا لہجہ محسوس کیے بغیر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''پھر آپ نے سب کو کیا جواب دیا؟'' نشراح نے طنز سے پوچھا۔

''میں کیا جواب دیتی۔ میرے سامنے ہی تو تم دوسری گاڑی میں بیٹھی تھیں۔ میں نے جو دیکھا وہی بتایا کہ میری گاڑی کے بجائے کسی اور کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلی گئی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی تو نشراح گنگ رہ گئی۔

''میں اتفاق سے دوسری گاڑی میں بیٹھی تھی اور آپ نے میرے گھر والوں سے کہا، میں کہیں چلی گئی ہوں۔'' نشراح صدمے میں گھر کر بولی۔

''اتفاق سے بیٹھی ہو تیں ڈیئر تو واپس اتر آتیں، تم تو بیٹھ کر چلی ہی گئیں۔ اب یہ بات چھپانے والی تو نہیں تھی نا۔'' بریرہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

''اس طرح کی اگر کوئی بات تھی، کہیں دوسری جگہ تمہارا دل اٹک گیا تھا یا اس منگنی سے تم ناخوش تھیں تو مجھ سے تو ڈسکس کرتیں نا کہ خود اکیلے ہی فیصلہ لے لیا چلے جانے کا۔ تم جانتی ہو، یہ بات سن کر تمہارے بابا کو کتنا صدمہ لگا ہے۔ وہ تو تھانے بھی رپورٹ کرانے نہیں گئے۔ میں نے کہا بھی رپورٹ کروا دیں مگر نہیں مانے بلکہ کہتے ہیں نشراح ہمارے لیے مر گئی۔ ڈھونڈا زندوں کو جاتا ہے مردوں کو نہیں۔'' بریرہ کی بات پر نشراح مرنے والی ہو گئی۔

''آپ کتنی گری ہوئی ہیں، کاش مجھے پہلے پتا چل جاتا۔ آپ تو ناگن ہیں بریرہ! اپنوں کو ڈسنے والی ناگن۔'' نشراح کی آواز صدمے سے پھٹ گئی۔

''کیا مطلب؟'' بریرہ کے ماتھے پر شکن پڑی۔

''آپ کی مہربانی سے میں اغوا ہوئی ہوں بریرہ احمد۔'' وہ چلائی۔ ''جس شخص کی گاڑی میں اتفاقاً میں بیٹھی۔ وہ آپ کا چاہنے والا نکلا۔ پھر یہ شخص مجھے پری سمجھ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ فیس بک پر پری کے نام سے اس سے دوستی آپ نے کی اور تصاویر میری استعمال کیں۔ کیوں کیا آپ نے ایسا بریرہ؟'' نشراح نے جذباتی ہو کر باتیں طرف بیٹھے ابراہم کی طرف اشارہ کیا تو بریرہ نے چونک کر ادھر دیکھا۔

''ابراہم تم یہاں.....'' بے اختیار بریرہ کے منہ سے نکلا۔

''جی ابراہم۔ آپ کا فیس بک فرینڈ ابراہم۔'' وہ اٹھا اور اپنے سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بہت چالاک نکلیں آپ تو بریرہ میڈم عرف پری۔ خوب ڈرامہ کھیلا میرے ساتھ۔'' وہ کڑی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ بریرہ سراسیمہ ہو گئیں۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا بریرہ؟ اس شخص کو میری تصاویر دکھا کر دوستی اور محبت کا ڈھونگ رچایا۔ آپ کو ایک پل کے لیے یہ خیال نہیں آیا کہ میں بدنام ہو جاؤں گی۔ میرا مستقبل سوالیہ نشان بن جائے گا۔ آپ کی چند دنوں کی وقت گزاری

میرا عمر بھر کا نقصان کردے گی۔ یہ کیوں نہیں سوچا آپ نے۔'' وہ بریرہ کے کندھے پکڑ کر انہیں جھنجھوڑ رہی تھی، رو رہی تھی۔

''مم..... مجھ سے بھول ہوگئی۔ میرا ارادہ تمہیں نقصان پہنچانے کا نہیں تھا، میں نے تو ایسے ہی۔ اس نے اس نے میرا ناک میں دم کردیا تھا مجھے دیکھنے کو بے چین ہوا جارہا تھا۔ کہتا تھا مرجاؤں گا تمہیں دیکھے بغیر، میں کیا کرتی پھر۔'' بریرہ نے گھبرا کر بے ربط بول کر ابراہم کو مورد الزام ٹھہرایا۔ ابراہم بھونچکا رہ گیا۔

''آپ اپنی عمر دیکھیں خاتون اور اپنی حرکات ملاحظہ فرمائیں۔ شرم آنی چاہیے آپ کو اپنی غلطی دوسرے پر ڈالتے۔ ہمت تھی تو اپنا چہرہ دکھاتیں۔ اس معصوم لڑکی کو کیوں سامنے کیا۔ یہ لڑکی جو رشتہ میں آپ کی بھانجی بھی ہے۔'' ابراہم نے انتہائی غصے سے بریرہ کو دیکھا۔

''اس وقت تو جان دے رہے تھے نشراح کی تصویروں پر، اب ہمدرد بن رہے ہو۔ خوش کیوں نہیں ہوتے۔ مل گئی نا یہ تمہیں۔ کہاں ایک ملاقات کے لیے ترس رہے تھے۔ اب رکھ لو اپنے پاس اسے زندگی بھر کے لیے۔ تم مرد سب ایک جیسے ہوتے ہو۔ تم لوگوں کو صرف جوانی اور حسن اپیل کرتا ہے۔'' بریرہ نے نشراح کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر نفرت سے کہا۔

''میں اپنا اصل چہرہ تمہیں دکھاتی تو تم مجھے قبول کرتے۔ بتاؤ جواب دو۔'' پھر وہ بل کھا کر ابراہم کی طرف پلٹیں اور غرا کر سوال کیا۔

''تمہاری نیت صاف ہوتی تو تم اپنا اصل ظاہر کردیتیں مجھ پر۔ تم نے شکل دکھانے سے پہلے ہی مجھ سے جھوٹ پر جھوٹ بولا۔ اپنی زندگی تم نے نشراح کی زندگی شو کی۔ چار بہنیں، گھر کا کنزرویٹو ماحول، ایک سیل فون۔ تمہارے شاطر ذہن نے پہلے دن سے سوچ رکھا تھا کہ نشراح کو استعمال کرنا ہے۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے لیکن یہ آپ کے پیروں سے عزت کی زمین کھینچ لیتا ہے میڈم۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ جب سچ سامنے آئے گا تو تم کس طرح رسوا ہوگی۔'' ابراہم برہمی سے بولا۔

''ہاں، میں نے جھوٹ بولا کیونکہ سچ سننے کی تم میں تاب نہ ہوتی۔ یہ سچ تمہیں مجھ سے دور کرسکتا تھا۔ اور میں تم سے اپنا تعلق ختم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ برسوں بعد مجھے اپنا آئیڈیل تمہاری صورت میں نظر آیا۔ میں کسی بھی طرح تم سے رابطہ ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں پری کے نام سے تم سے بات کرتی تھی، تم مجھ سے پریوں جیسے وجود کی توقع لازمی کرتے ہوگے۔ میں کیسے تمہیں اپنا عمر رسیدہ چہرہ دکھاتی۔ تم تو اسی وقت مجھے ریجیکٹ کردیتے۔ وہ جان فزا الفاظ جو تم نشراح کی صورت دیکھ کر میرے کانوں میں گھولتے تھے پھر میں کیسے سن پاتی۔ تم میرے زخمی احساس کا مرہم بن گئے تھے۔ جن لمحات میں تم مجھ سے رابطے میں ہوتے، اس وقت میں لوگوں کے دیے زخم اور خود غرضیاں بھول جایا کرتی تھی۔''

چیخ کر کہتے کہتے بریرہ کی آواز دھیمی ہوگئی۔

''کیا مجھے خوش ہونے کا حق نہیں ہے۔ کیا میں صرف سسکنے اور ترسنے کے لیے دنیا میں آئی ہوں۔ میری شادی کی عمر کو میرے سگے رشتوں نے اپنی غرض کی لاپچ میں گھلا دیا۔ میں ان کے لیے تن من دھن کی قربانی دیتی رہی۔ پھر اپنے لیے وقت ملا تو دیکھا کہ جوانی ریت کی مانند مٹھی سے پھسل چکی ہے۔ پر اس دل کا کیا کرتی۔ اسے ابھی بھی اپنے آئیڈیل مرد کی طلب تھی۔ مگر اس طلب میں میرا چہرہ اور میرا وجود سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ سو میں نے اپنی ذات چھپا کر نشراح کا چہرہ تمہیں دکھا کر تمہیں خود سے باندھنے کی کوشش کی۔ کہو کیا برا کیا؟'' وہ زمانے بھر کی مظلومیت لہجے میں سمو کر آخر میں پوچھ رہی تھی۔

ابراہم نے ایک طویل سانس بھری۔

''ان سب تاویلوں سے تم معصوم نہیں بن

جاؤ گی۔ تم مجرم ہو۔ کسی کی تصاویر اس کی اجازت کے بغیر نیٹ پر ڈالنے کی کیا سزا ہے، تم جانتی ہو۔ ابھی اور اسی وقت تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ سکتی ہو۔'' وہ غصے سے بولا۔ بریرہ بے اختیار ہنسیں۔

''اور اپنے متعلق کیا خیال ہے تمہارا ابراہم۔ ایک لڑکی کو اغوا کر کے، دو دن حبس بے جا میں رکھنے کے جرم میں تم کیا جیل کے باہر ٹہلو گے۔ تمہیں سزا نہیں ہوگی۔'' وہ کرختگی سے پوچھنے لگی۔

''مجھے تو یہ اچانک سے نظر آئی بلکہ آ کر میری گاڑی میں بیٹھ گئی۔ میرا ارادہ اسے اغوا کرنے کا نہیں تھا۔ بس مجھے غصہ بہت تھا تمہارے رابطہ ختم کرنے پر۔ سو نشراح کو اپنے سامنے دیکھ کر میں جذبات میں بے سوچے سمجھے اسے سبق سکھانے کو اپنے ساتھ لے گیا۔'' ابراہم نے دھیمے لہجے میں اپنا دفاع کیا۔

''ہاہا۔ کون مانے گا تمہاری بات۔ یہ اغوا ایک پری پلانڈ تھا ابراہم۔ ایسے اتفاق بھلا کب ہوتے ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''یہ ایک اتفاق ہی تھا۔ مگر میرا اسے اپنے فارم ہاؤس لے جانا واقعی غلط تھا۔'' ابراہم نے شرمندہ ہو کر اعتراف کیا۔

''تم نے جو غلط کیا! اب اس غلط حرکت کو اس کا پورا خاندان بھگت رہا ہے۔ اس کی بہن کو نہ جانے کس جتن سے سادگی سے رخصت کیا گیا ہے۔ اگر اس کا پہلے نکاح نہ ہوا ہوتا تو شاید اس کے سسرالی اسے میکے کی دہلیز پر پھینک کر چلے جاتے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے، اس کے گھر میں مرگ پڑ گیا ہے۔ اس کا باپ اس کو مردہ تسلیم کر چکا ہے، وہ اسے ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا۔ یہ ابھی اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو تو وہ اسے جان سے مار ڈالے گا اور.....''

''نہیں۔ میرے بابا میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔'' ایک دم نشراح چلائی۔

''صرف عماد بھائی ہی نہیں نشراح! تمہاری ماں اور دادی بھی اب تمہیں قبول نہیں کریں گی۔ تمہاری فیملی اتنی ہی دقیانوسی ہے، جتنی میں سمجھتی تھی۔ تمہاری گمشدگی نے ان عورتوں کو تم سے اتنا متنفر کر دیا ہے کہ اب وہ تمہارا نام بھی سننا نہیں چاہتیں۔'' بریرہ نے ایک اور دل خراش وار کیا۔

''میری امی مجھے نہیں بھلا سکتیں۔ وہ مجھے ہر حالت میں اپنائیں گی۔ میں ابھی جا رہی ہوں اپنے گھر۔ میں گھر والوں کو سب بتاؤں گی، آپ کی بدنیتی کا حال سن کر وہ آپ کو ملامت کریں گے۔ مجھے نہیں۔'' نشراح نے جارحانہ انداز میں قدم دروازے کی طرف بڑھائے۔

''نشراح! تمہارا باپ پے در پے صدموں میں گھرا ہوا ہے، کیوں اس کے سامنے جا کر اسے مارنا چاہتی ہو۔ تمہاری منزہ آپی کو قیصر کان سے پکڑ کر میکے چھوڑ گیا ہے۔ اس کو تو بہانہ چاہیے بیوی کو بے عزت کرنے کا۔ پہلے روپیہ پیسہ بٹورنے میکے بھیجتا تھا، اب اپنی نام نہاد غیرت دکھا کر چھوڑ گیا ہے کہ چھوٹی بہن نے گھر سے بھاگ کر گل کھلائے ہیں تو تم کم نہیں ہوگی۔ منزہ کا رو رو کر برا حال ہے۔ دور پاس کے سب لوگوں کو اس کے سسرالیوں نے تمہارے گھر سے بھاگنے کی خبر مرچ مسالہ لگا کر سنائی ہے۔'' بریرہ کی باتوں نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ وہ وہیں ساکت ہو گئی تھی۔

''اور اس سب کے ذمہ دار تم ہو ابراہم! اس لڑکی کو تم نے دربدر کر دیا۔'' بریرہ نے ڈھٹائی سے سارا الزام ابراہم پر ڈال دیا۔

''اور تم خود کو معصوم سمجھتی ہو۔'' وہ پھر بھڑکا۔

''زیادہ جرم تمہارا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''بس کیجیے۔ آپ دونوں ہی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ دونوں نے مجھے اپنی تسکین کے لیے دار پر چڑھا دیا۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں جا رہی ہوں یہاں

سے، مجھے اس دنیا میں ہی نہیں رہنا۔ مرجاؤں تو اچھا ہے۔'' وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئی۔

''نشراح۔'' ابراہم اس کے پیچھے بھاگا۔

''رکو نشراح! کہاں جارہی ہو؟'' اس نے لپک کر اس کا بازو پکڑا۔

''مجھے ہاتھ مت لگایا کرو۔'' اس نے بھڑک کر بازو چھڑایا۔

''اوکے اوکے۔'' وہ ایک دم تھوڑا دور ہٹا۔

''اب بتاؤ، کہاں جارہی ہو۔'' وہ گارڈن کی روش پر چلتی نشراح کے ساتھ چلنے لگا۔

تم اپنے گھر چلو، میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ تمہارے گھر والوں کو میں سب کلیئر کردوں گا۔ امید ہے، وہ سمجھ جائیں گے۔'' ابراہم کی بات پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ یورپ نہیں ہے ابراہم۔ یہ ہمارا معاشرہ ہے جہاں لوگ لوٹ کر آئی لڑکی کو اس کے گھر والوں سمیت طعنے تشنے دے دے کر روحانی طور پر سنگسار کردیتے ہیں۔ اگر تم ذرا بھی احساس والے ہوتے تو یہ بات سمجھتے اور مجھے لے جا کر دو دن بند نہ کرتے۔'' نشراح نے بھیگے لہجے میں کہا۔ ابراہم کا سر جھک گیا۔ وہ مین گیٹ سے باہر نکلی۔

''مجھ سے غلطی ہوئی ہے نشراح! اور میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔'' ابراہم اس کے پیچھے آیا۔

''کیسا ازالہ۔'' نشراح نے تیوری چڑھائی۔

''تم سے نکاح کرکے میں ازالہ کروں گا۔'' ابراہم کی بات پر وہ ساکت ہوئی۔

''مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔'' نشراح تیز تیز روڈ پر چلنے لگی۔

''یہ ہمدردی نہیں ہے مگر شرمندگی ضرور ہے۔'' ابراہم نے صاف گوئی سے کہا۔

''نہیں چاہیے تمہاری شرمندگی۔ اپنے پاس رکھو۔ جس شخص نے مجھے رسوا کردیا، میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور کردیا۔ اب اپنے سو کالڈ گناہ مٹانے کو مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ سن لو ابراہم! اپنی ساری زندگی اتنی نفرت میں نے کسی سے نہیں کی جتنی تم سے کرنے لگی ہوں..... بہت زیادہ..... بہت ہی زیادہ۔''

وہ بنا رکے چلتی جارہی تھی، آنسو تواتر سے اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ پوش ایریا کی یہ گلی دور تک سنسان تھی۔

''زمانہ بہت خراب ہے نشراح! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ رسان سے بولا۔

''زمانہ تم سے زیادہ خراب نہیں ہوسکتا۔'' اس نے اپنے سرخ چہرے کو ہاتھ سے رگڑ کر صاف کیا اور آگے بڑھتی گئی۔

وہ مین روڈ تک نکل آئی تھی۔ یہاں بھی ہو کا عالم تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ابراہم موجود نہیں تھا۔

''یہ میں جا کہاں رہی ہوں؟ مجھے کہاں جانا چاہیے؟'' وہ وہیں رک کر سوچنے لگی۔ آنسو ایک بار پھر آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ تو آج تک اکیلی کبھی گھر سے نکلی ہی نہیں تھی۔ ہمیشہ عصرہ، رباب یا بریرہ ساتھ ہوتی تھیں۔ اب اس وقت اس سڑک پر بالکل تنہا کھڑی وہ سراسیمہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

''میں کہاں جاؤں اب..... نہ میری کوئی گہری دوست، نہ کوئی ایسا جاننے والا جو مجھے پناہ دے دے۔'' یہ سوچ آتے ہی وہ مزید گھبراہٹ کا شکار ہوئی۔

''میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔''

ایک اور جان لیوا خیال۔ پاس سے ایک موٹر سائیکل زن سے گزری تھی۔ تھوڑی دیر بعد پھر سامنے گزری۔ تیسری دفعہ اس کے قریب آکر رک گئی۔

''میڈم! آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا کسی ایڈریس کی تلاش ہے۔'' ایک لمبا سا

لڑکا اس کے سر پر کھڑا تھا۔ نشراح نے سر اٹھایا اور غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔'' وہ اس کے آگے جھک کر پوچھنے لگا۔ نشراح نے کوئی جواب نہ دیا۔

''آیئے میرا گھر پاس ہی ہے۔ وہاں چل کر آپ کو پانی پلاتا ہوں۔''

اس نے اچانک نشراح کی کلائی تھام لی نشراح جیسے ہوش میں آئی وہ ایک دم اٹھی اپنا ہاتھ چھڑا کر ایک زوردار تھپڑ اسے رسید کیا۔ لڑکا ششدر رہ گیا۔

''اے لڑکی! تیری یہ مجال مجھ پر ہاتھ اٹھاتی ہے۔'' وہ جست بھر کر اس کے آگے آکر کھڑا ہوا۔ نشراح کے ہوش اڑ گئے آس پاس کوئی نہ تھا۔

''بچاؤ..... مجھے بچاؤ.....'' وہ لڑکے کا ارادہ بھانپ کر چلائی اور پیچھے مڑ کر بھاگنے لگی۔

''ادھر رک۔'' لڑکے نے اس کا بازو پکڑا اس کے ساتھ ہی لڑکے کی پیٹھ پر ایک زور کا گھونسا پڑا تھا۔

''آں.....'' وہ اس اچانک حملے پر درد سے بلبلا اٹھا اور نشراح کا بازو چھوڑ دیا۔ ابراہم نے اس کو سامنے سے جکڑ کر پیٹ ۔ میں تین چار گھونسے اور مارے۔

''ابھی معافی مانگ۔'' ابراہم نے اسے کالر سے پکڑا اور گھسیٹ کر نشراح کے سامنے لایا۔ جو کچھ دور کھڑی تھی۔

''مم..... مجھے معاف کردو بہن جی۔'' لڑکے نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''چل بھاگ اب۔'' ابراہم کے کہتے ہی وہ دوڑ کر اپنی بائیک پر بیٹھا اور یہ جا وہ جا۔

''ابھی تو تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ زمانے نے اپنا رنگ دکھا دیا۔'' ابراہم ہاتھ جھاڑتے اس کی طرف آیا۔

''زمانے میں تم بھی شامل ہو۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ ابراہم خاموش سا ہوگیا۔

''اس سچویشن میں تمہیں کسی ایک پر تو بھروسا کرنا پڑے گا نشراح۔ مجھ پر ہی سہی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اگر تم بہتر سمجھو تو میرے ساتھ چلو۔ تمہارے لیے ایک بہت اچھی جگہ میرے ذہن میں آئی ہے، جہاں تمہیں ٹھکانا بھی ملے گا اور تحفظ بھی۔'' ابراہم نے آفر کی تو نشراح مخمصے میں پڑ گئی۔

''مجھ پر یقین کرو نشراح! تمہیں اچھی جگہ لے کر جاؤں گا، جب تک تم اپنے متعلق کوئی فیصلہ لو تب تک کے لیے تمہیں ایک شیلٹر مل جائے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔''

اس نے اس بار بے حد رسان سے کہا تو نشراح نے کچھ سوچ کر قدم آگے بڑھائے۔

''میں تمہاری آنٹی کی گلی میں اپنی گاڑی لینے گیا تھا۔ تم مجھی ہوگی تمہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا۔'' ابراہم نے ڈرائیو کرتے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔

''بھاگ بھی جاتے تو کیا ہوتا۔ میرے لگتے ہی کیا ہو تم؟'' نشراح نے تلخی سے کہہ کر اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف موڑا۔ ابراہم نے لب بھینچ لیے۔

گاڑی کتنے ہی منظر پیچھے چھوڑتی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

گاڑی اب شہر کے اس علاقے میں داخل ہوئی جہاں متوسط طبقے کے لوگ رہائش پذیر تھے۔ ان مڈل کلاس عام سے گھروں کو دیکھ کر نشراح کو اپنا گھر یاد آیا۔ جو اسی شہر کے کسی اور کونے میں تھا۔ کاش میں اپنے گھر جاسکتی۔ اس نے کرب سے سوچا دو آنسو چپکے سے آنکھوں سے بہہ نکلے۔

''آؤ نشراح!'' ابراہم نے گاڑی روک کر اسے کہا تو وہ پلکیں جھپکتی گاڑی سے باہر نکلی۔ ابراہم نے ایک گھر کی بیل بجائی تھی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا تھا۔

''ابراہم بھائی۔'' ایک نوعمر لڑکا خوشی سے چلایا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔

''کیسے ہو طٰہٰ! دادی کہاں ہیں؟'' ابراہم نے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دادی اپنے کمرے میں ہیں۔'' طٰہٰ نے بتایا۔ نشراح نے چاروں طرف طائرانہ نظر ڈالی۔ کھلا صحن اور اس کے آگے بڑا سا برآمدہ پھر کمرے۔ کتنا ملتا جلتا تھا یہ گھر ان کے گھر سے۔

''آؤ نشراح!'' ابراہم ایک کمرے کی طرف بڑھا۔ اس نے بھی تقلید کی۔ سادہ سا کمرہ نظروں کے سامنے تھا۔ ایک بیڈ، الماری اور تین کرسیاں۔ بیڈ کے قریب ہی زمین پر جائے نماز پر بیٹھی دادی ہاتھ بلند کیے دعا میں مصروف تھیں۔ ابراہم دبے قدموں آگے بڑھا اور ان کے پیچھے دوزانو بیٹھ کر ان کی بند آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

''میرا بیٹا آیا ہے۔'' انہوں نے فوراً پہچان لیا۔

''ہاں دادی! آپ کا بیٹا۔'' ابراہم نے ان کے گرد بانہیں ڈال دیں۔

وہ انہیں ہاتھ سے تھام کر بیڈ تک لایا دادی کی نظر خاموش کھڑی نشراح پر پڑی۔

''یہ کون ہے ابراہم؟'' انہوں نے اچھنبے سے پوچھا۔

''لڑکی ہے دادی۔'' وہ مسکرایا۔

''وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے لڑکی ہے۔ پر ہے کون؟'' وہ اسے گھور کر بولیں۔

''آپ کے ساتھ رہے گی۔ یہ سب کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹائے گی اور آپ کا خیال رکھے گی۔'' وہ کہہ کر نشراح کو دیکھنے لگا جس کے تاثرات اس بات پر نا قابل فہم تھے۔

''مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ میں خود اپنا کام کرسکتی ہوں۔ اتنی ضعیف نہیں ہوئی ابھی کہ دوسروں کی محتاج ہوجاؤں۔'' وہ خفگی سے بولیں۔

''ضعیف ہوں آپ کے دشمن۔ میں تو اس دن آپ کی طبیعت کی خرابی دیکھ کر بہت پریشان ہوگیا تھا۔ ایک تو اکیلی رہتی ہیں پھر طبیعت بگڑے تو بتاتی بھی نہیں۔ کم از کم رات کو آپ کو کوئی دیکھنے والا تو ہو۔ بس اب سے یہ آپ کے پاس رہے گی۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

''یہاں آؤ بیٹی! کیا نام ہے تمہارا؟'' انہوں نے نشراح کو پاس بلایا۔

نشراح۔'' اس نے آہستہ سے کہا

''ادھر بیٹھو میرے پاس۔'' انہوں نے نشراح کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔

''نشراح نام ہے، پڑھتی ہو۔'' وہ نرمی سے پوچھنے لگیں۔

''انٹر میں ہوں۔'' نشراح نے بتایا۔

''بہت اچھی بات پھر پڑھائی چھوڑ کر نوکری کرنے کیوں نکلی ہو۔ میرے ساتھ دن رات رہو گی، والدین نے اجازت دے دی اس بات کی۔'' وہ نشراح کو دیکھنے لگا۔ جو سچ بتانے ہی والی تھی۔

''کچھ مجبوریاں انسان کو وہ کچھ کرنے پر مجبور کردیتی ہیں دادی! جن کو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔'' نشراح نے دھیرے سے کہا تو ابراہم کا سانس بحال ہوا۔

''اللہ رحم۔ ایسا کیا اکال پڑ گیا کہ جوان جہان اور اتنی خوب صورت لڑکی کو ماں باپ نے کمانے اور زمانے کے دھکے کھانے کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور کردیا۔'' دادی نے اس کے ملگوتی حسن کو افسوس سے دیکھا۔

''دادی! یہ بہت ہی غریب فیملی سے ہے۔ میرا دوست ہے نا ارحم، اس کی کزن کے پڑوس میں رہتی ہے۔ گھریلو مسائل کی وجہ سے نوکری کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔'' ابراہم نے جھوٹ گھڑنے میں دیر نہیں لگائی، نشراح کڑے تاثرات سے اسے دیکھنے لگی۔

''بس بھئی اللہ کے بھید ہیں، حسن کا خزانہ دیا تو دنیاوی دولت سے محروم کردیا۔'' انہوں نے

ٹھنڈی سانس بھری۔

''آپ یہ سب چھوڑیں دادی۔ یہ آپ کی کیئر ٹیکر ہے بس یہ یاد رکھیں۔'' ابراہم نے ان کو مزید کھوج سے روکا۔

''یہ میری کیا ہے؟'' دادی الجھیں۔

''میرا مطلب آپ کو کمپنی دینے آئی ہے۔'' ابراہم نے وضاحت کی۔

''اچھا اچھا میری بہوؤں کو تو توفیق نہیں ہوئی کمپنی دینے کی۔ اب تنخواہ پر یہ بچی لے آئے ہو۔'' وہ سادگی سے ہنسیں۔

''آپ کوئی موقع جانے مت دیجیے گا بہوؤں کو بے عزت کرنے کا۔'' ابراہم نے انہیں چھیڑا۔

''دادا کی یادوں سے خود لپٹ کر بیٹھی ہیں پھر الزام دیتی ہیں بہوؤں کو۔''

''آج میری بہوؤں سے بڑی ہمدردی جاگی ہے۔'' انہوں نے پوتے کو گھورا۔

''ہاہا آپ کی بہوؤں سے میرا ابھی کچھ رشتہ ہے۔'' وہ ہنسا۔

''آہ تمہاری سگی ماں زندہ ہوتی تو قسم اٹھا کر کہتی ہوں، میرے ساتھ یہیں اس عام سے گھر میں رہ رہی ہوتی۔ بس اچھی روحیں جلدی واپس لوٹ جاتی ہیں۔'' دادی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں تو ابراہم چپ سا ہو گیا۔

کچھ دیر بوجھل خاموشی رہی پھر ابراہم اپنی جگہ سے اٹھا۔

''دادی! کچھ کام ہے میں چلتا ہوں۔ کل پھر آؤں گا۔''

''ارے کھانا تو کھا کر جاؤ، میں نے مٹر پلاؤ بنایا تھا۔''

''نہیں دادی! ابھی نہیں، ویسے بھی کسی سے بحث مباحثے میں۔ بہت ٹائم ویسٹ ہوا ہے، آپ نشراح کو کھلا دیجیے گا۔'' وہ آگے بڑھا پھر پلٹا۔

نشراح کو بغور دیکھا جو دادی کے برابر میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' دادی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آ..... ہاں ..... کچھ نہیں۔'' ابراہم نے اسے مخاطب کرنے کا ارادہ ترک کیا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

''جھلا ہے بالکل۔ آدھی باتیں دل میں آدھی زبان پر۔'' وہ محبت سے پوتے کو جاتے دیکھنے لگیں۔

''تم کیوں اداس بیٹھی ہو بچی۔'' پھر وہ نشراح کی طرف متوجہ ہوئیں جو اپنی ہتھیلیوں پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

''ایسے ہی میری کیری ٹکر بننے آئی ہو نہ کوئی بیگ نہ شاپر۔ کپڑے لتے کہاں ہیں؟'' ان کو یکا یک خیال آیا تو حیرت سے پوچھا۔

''گھر پہ رہ گئے دادی۔'' نشراح نے سر اٹھایا تو آنکھیں بھیگی اور آواز گیلی تھی۔

''اے لو، اس میں رونے کی بھلا کیا بات ہے۔ میں لے دوں گی۔ میرے بیٹے مجھے بہت پیسے بھیجتے ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتے۔ بس وقت نہیں دے سکتے۔ کیا کریں بے چارے مصروف بہت ہیں۔ مگر مجھ سے فون پر بات کرتے ہیں۔ تمہارا بتاؤں گی تو اور پیسے بھجوا دیں گے۔'' وہ اسے پچکار کر بولیں تو نشراح ان کی سادگی پر پھیکا سا مسکرائی۔

''یہ ہوئی نا بات۔ اسی طرح مسکراتی اچھی لگتی ہو۔ آؤ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ بیڈ سے نیچے اتریں اور نشراح کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''جی۔'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دادی اسے لے کر کچن کی طرف آئیں۔ ''یہاں بیٹھو۔'' انہوں نے ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی اسے پیش کی۔ اور خود برنر پر چڑھی ایک دیگچی کا ڈھکن اٹھایا ایک اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی۔

وہ رکابی میں پلاؤ نکالنے لگیں۔ نشراح ان

کے پاس آئی۔
''میں مدد کرواؤں۔''
''یہ پلیٹیں ٹیبل پر رکھ دو اور چمچ بھی۔'' نشراح نے پلیٹیں چمچ ٹیبل پر رکھے۔ دادی فریج سے پودینے کی چٹنی اور سلاد بھی نکال کر لے آئیں۔
''آرام سے کھانا شاباش۔'' وہ پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔ پھر خود ہی اس کی پلیٹ میں اچھے خاصے چاول نکالے۔
''ارے بس دادی۔'' نشراح نے ان کا ہاتھ روکا۔
''کھا کر دیکھو، ایسا ذائقہ ہے میرے ہاتھ میں، سارا چٹ کر جاؤ گی۔'' وہ ہنس کر بولیں تو نشراح نے پلاؤ کا ایک چمچ منہ میں رکھا۔ ذائقہ واقعی لاجواب تھا۔
''بہت ٹیسٹی ہے۔'' اس نے کہا تو دادی بچوں کی طرح خوش ہوگئیں۔
''ابراہم بھی میرے ہاتھ کا کھانا بہت شوق سے کھاتا ہے۔ نہ جانے آج اسے جانے کی کیوں جلدی تھی ورنہ ہمیشہ کھانا کھا کر جاتا ہے۔ یہ ایک واحد میرا پوتا ہے جو مجھے یاد رکھے ہوئے ہے۔ جو عید بقرعید کے علاوہ بھی مجھ سے ملنے آجاتا ہے۔ اس کے لیے مجھے سال بھر کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔'' بہت محبت سے پوتے کا ذکر کرتے ان کی آواز بھیگ گئی تھی۔ نشراح کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔ وہ کھانسنے لگی۔
''ارے آرام سے۔ لو پانی پیو۔'' انہوں نے اس کی پیٹھ سہلاتے پانی کا گلاس دیا۔
''اچھا لگا ہے تو آرام سے کھاؤ، کہیں بھاگا تھوڑی جارہا ہے۔'' وہ یہی سمجھ سکیں۔
''جی۔'' نشراح نے باقی بچا ہوا پلاؤ دادی کی خوشی کی خاطر کھایا۔

☆☆☆

کچن سے اٹھ کر یہ دونوں پھر کمرے میں چلی آئیں۔ نشراح واش روم سے ہاتھ منہ دھو کر آئی تو دادی ایک طرف پڑے سنگل بیڈ پر چادر بچھا رہی تھیں۔
''آپ ہٹیں دادی! میں بچھاتی ہوں۔'' اس نے دادی کے ہاتھ سے چادر لے لی۔
''تمہارا بستر تیار کر رہی تھی۔ ادھر ہی سوؤ گی نا۔ ورنہ تو ایک کمرہ اور بھی ہے۔''
''ادھر ہی ٹھیک ہے، اکیلے کمرے میں سونے کی عادت نہیں مجھے۔ ہم تینوں بہنیں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔'' وہ روانی سے کہہ گئی۔
''اچھا تین بہنیں ہو۔'' دادی نے پوچھا۔
''تین نہیں چار، ایک شادی شدہ ہیں۔'' نشراح نے سانس بھر کر بتایا۔
''اور بھائی کتنے ہیں؟'' دادی سوالات کے موڈ میں آئیں۔
''بھائی کوئی نہیں دادی۔ وہ ہوتا تو شاید آج کام آتا۔'' نشراح نے اداسی سے کہا۔
''نہ بیٹا! ایسے نہیں کہتے۔ اللہ کی تقسیم پر راضی رہنا ہے۔ یہ شیطان کا حربہ ہے جو دل میں ڈالتا ہے وہ ہوتا تو کام آتا، اب نہیں ہے تو کام نہیں آتے۔ توبہ کرو۔ اللہ کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ کسی انسان کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھائی بھی اللہ کی مخلوق اور اسی کا محتاج ہوتا جیسے کہ تم ہو۔'' دادی نے نشراح کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔
''میرے تین بیٹے ہیں۔ اللہ کے فضل سے کھاتے پیتے بڑے عہدوں پر۔ اللہ ان کو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش رکھے۔ کبھی میں نے ان پر فخر کیا نہ یہ سمجھا کہ یہی میرا سہارا ہیں۔ مجھے پتا ہے میرا پالن ہار تو اوپر بیٹھا ہے، یہ دنیاوی نعمتیں ہیں۔ اور آزمائشیں بھی۔ ہر وقت دعا کرتی رہتی ہوں میری اولاد کو کوئی تکلیف، پریشانی نہ آئے۔ شاد رہیں۔''
''آپ بیٹوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں دادی۔'' نشراح نے حیرت سے پوچھا۔

''بس بچی۔ وہ اپنے گھر خوش ہیں میں اپنے گھر خوش۔'' وہ پھیکا سا مسکرا کر اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گئیں۔

''پھر بھی۔ ایسی کیا بات ہے دادی۔ جو آپ کو بھرے پرے گھر میں رہنے کے بجائے اکیلے رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ میری بھی دادی ہیں جو ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ اگر اتفاقاً کسی تقریب وغیرہ میں اکٹھے گھر کے افراد چلے جائیں اور ان کو اکیلے رہنا پڑے تو دو چار گھنٹے بھی نہیں رہ سکتیں، ان کا دم گھٹتا ہے۔ بابا کی جان ہے ان میں۔ اور ان کی بابا میں۔ کبھی اپنے بیٹے کو نظروں سے دور نہیں کیا۔ ہم پوتیوں پر سختی ضرور کرتی ہیں پر بے انتہا ہمیں چاہتی بھی ہیں۔'' وہ اپنی دادی کا ذکر حسرت سے کرنے لگی۔

''ماشاء اللہ۔ اللہ تمہارے بابا کو سلامتی دے۔ ایسے بیٹے نصیب والیوں کو ملتے ہیں۔'' دادی کی آواز بھیگ گئی۔

''ہم سادہ لوگ ہیں، پیچھے ہے دیہاتی پس منظر والے زمین دار۔ ابراہم کے دادا بیٹوں کی تعلیم کی خاطر اپنی کافی زمینیں بیچ کر ہمیں شہر لے کر آئے۔ یہ پہلا گھر تھا جو ہم میاں بیوی نے شہر میں بنایا۔ کئی برسے بھلے دن رات اسی چھت تلے گزارے۔ کبھی ہنسے کبھی روئے بھی۔ بچوں کو زینہ بہ زینہ تعلیم کی منازل طے کرتے دیکھا۔ بڑے ہی ذہین بیٹے ہیں میرے۔ ایک نے مقابلے کا امتحان دیا سخت محنت کی۔ الحمدللہ کامیاب ہوا اور اونچا عہدہ مل گیا۔ دوسرے نے بڑے بھائی کی دیکھا دیکھی مقابلے کا امتحان دیا اور پاس ہوا۔ تیسرے کو دونوں نے بزنس کروا دیا۔ بڑے بیٹے کی شادی میں نے اپنی بھانجی سے کی، بہت بھلی لڑکی تھی ابراہم کی ماں۔ پر زندگی کم لکھوا کر لائی تھی۔ ابراہم دو سال کا تھا کہ چل بسی۔ ابراہم کے باپ نے دوسری شادی اونچے گھرانے کی ماڈرن لڑکی سے کرلی۔ ابراہم کو تین سال میں نے اسی گھر میں پالا جبکہ میرا بڑا بیٹا اسلام آباد شفٹ ہو گیا تھا نئی بیوی کو لے کر۔

پھر ابراہم پانچ سال کا ہوا تو وہ اسے لے گیا کہ اس کی تعلیم اچھی جگہ ہو۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا مگر بچے کو باپ کے ساتھ بھیجنا ہی تھا۔ اس کے جاتے ہی مانو گھر کی رونقیں ہی روٹھ گئیں۔ دونوں چھوٹے بیٹوں نے بھی اونچے گھروں سے دو بہنیں پسند کیں اور شادی سے پہلے ہی اپنے سسرال کے قریب گھر لے لیا۔ یہ گھر ان کو پرانا اور دقیانوسی لگ رہا تھا۔ اور شاید ہم دونوں بھی۔ ہم میاں بیوی نے دل پر پتھر رکھ کر ان کو رخصت کیا۔ اگر ان کی بیویوں کی خواہش ہمارے ساتھ رہنے کی نہیں تھی تو ہماری خواہش بھی اپنا آشیانہ چھوڑنے کی نہیں تھی۔ بس پھر ابراہم کے دادا اور میں رہ گئے اس گھر میں۔ ہمارا گھونسلہ خالی ہو گیا۔ ہم نے پھر گاؤں جانا چاہا مگر بیٹوں نے جانے نہ دیا۔ سو یہیں وقت گزارا۔''

وہ اتنی بات کر کے ہانپ سی گئیں۔ نشراح کو ان کی کہانی سن کر افسوس سا ہوا۔

''آپ نے بیٹوں کے لیے اتنی قربانیاں دیں اور انہوں نے کیا صلہ دیا دادی۔ اس عمر میں تنہائی جھیل رہی ہیں۔''

''صلہ تو اللہ دیتا ہے بچی اور وہ دے رہا ہے۔ ابراہم کے دادا کے گزرنے کے بعد ابراہم کے باپ نے بہت کہا کہ اماں میرے پاس رہنے آجاؤ پر میں نہیں گئی۔ اپنے میاں کی یادوں کے ساتھ میں خوش ہوں۔ تینوں بیٹے مجھے اتنا خرچا دے دیتے ہیں کہ میں دوسروں کو کھلا کر کھاتی ہوں۔

پھر میرا ہیرے جیسا پوتا ابراہم ہے میری فکر کرنے کو۔ اللہ نے اسے ایسا خوب صورت دل دیا ہے کہ روز مجھ سے ملنے آتا ہے۔ سوموار کی رات میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ طٰہٰ نے اسے فون کر کے بتایا، میرا پوتا بھاگا بھاگا آیا۔ مجھے اسپتال لے گیا، ساری رات جاگ کر گزاری۔ اگلی

رات تک میرے ساتھ رہا، اللہ اسے خوش رکھے۔''
ان کی بات پوتے کی محبت پر ختم ہوئی تو نشراح کا منہ کڑوا سا ہوگیا۔
''کتنا پیار کرتی ہیں ابراہم سے، اسے فرشتہ سمجھتی ہیں، ان کو اس کے کارنامے پتا نہیں۔'' اس نے جل کر سوچا۔
''اور اگر میں اس کے کارنامے بتا دوں کہ لڑکیوں سے دوستیاں کرتا پھرتا ہے اور پھر سامنے آنے پر غوا بھی کر لیتا ہے تو اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی دادی کی نظروں میں۔''
ایک خیال نے اسے لطف دیا۔ مگر پھر دادی اسے بُرا بھلا — کہیں گی اور وہ انتقاماً مجھے یہاں سے نکلوا دے گا۔ پھر میں کہاں جاؤں گی۔ دوسری سوچ نے اس کا لطف جھاگ بنا دیا۔
''اب سو جاؤ بچی! رات بہت ہوگئی ہے میرے قصے تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ بڑھاپے میں بس یادیں ہی رہ جاتی ہیں سنانے کو۔'' ان کی بات پر نشراح خیالوں سے چونکی۔
''جی دادی۔'' وہ تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔
اور لیٹتے ہی ایک تھکن کا احساس روم روم میں در آیا۔ دو دن پہلے سوچا بھی نہیں تھا کہ جیتے جی اپنوں سے یوں دور ہو جاؤں گی، ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی ان سے مل نہیں پاؤں گی۔ نشراح نے کرب سے سوچا تو دو آنسو چپکے سے پلکوں سے پھسل کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

☆☆☆

دوسرے دن اس کی اٹھتے ہی وال کلاک پر نظر پڑی تھی پانچ کے ہندسے پر سوئی دیکھ کر لگا فجر ہو رہی ہے۔ وہ وضو کرنے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جسم اب بھی تھکا تھکا سا تھا۔ واش روم سے وضو کر کے باہر آئی تو دادی کمرے کے اندر آ رہی تھیں۔
''بہت سوئی ہو بچی۔ ایسا لگتا ہے کئی دنوں کی جاگی ہوئی تھیں۔'' انہوں نے اسے دیکھ کر مسکرا کر کہا۔
''دادی رات کو سوتے سوتے ایک تو بج ہی گیا تھا بس چار گھنٹے سوئی ہوں۔'' نشراح نے جائے نماز اٹھائی۔
''چار گھنٹے۔ ارے عصر کا وقت ہو چلا ہے پگلی۔'' وہ اس کی بے خبری پر ہنسیں۔
''عصر.....'' نشراح نے بے یقینی سے پوچھا۔
''تو اور کیا۔ نماز پڑھ لو پھر کھانا کھا لو۔'' وہ شفقت سے بولیں تو نشراح نے جلدی سے جائے نماز بچھا کر نماز ادا کی۔ پھر نماز کے بعد دادی کے ہاتھ کا بنا بھنڈی گوشت کھایا۔
''یہ میں آج اتنی دیر تک کیسے سوئی رہی۔ کیا سوچتی ہوں گی دادی بھی۔ کیئر ٹیکر بن کر آئی ہوں یا مہمان۔'' کھانے کے برتن سمیٹتے اس نے شرمندگی سے سوچا۔
''السلام علیکم دادی۔'' وہ کچن میں برتن رکھ کر نکلی تو بیرونی دروازے سے ابراہم اندر آیا۔
''بھیا آ گئے۔'' طٰہٰ حسب عادت چیخا۔
''تم بھیا کے منادی۔ سارا دن گلیوں میں پھرتے ہو۔ میں نے تمہیں دادی کے ساتھ رہنے کو رکھا ہے یا باہر گھومنے کے لیے۔'' اس نے طٰہٰ کا کان پکڑ لیا۔
''کیا کروں گھر میں بیٹھ کر۔ دادی ڈانٹتی رہتی ہیں۔'' وہ منہ بسور کر بولا۔
''لو میں ڈانٹتی ہوں یا بوڑھی دادی کے ساتھ دل نہیں لگتا، یہ کہو۔'' دادی نے بھی اسے گھورا۔
''ارے بوڑھے ہوں آپ کے دشمن ابھی تو آپ جوان ہیں۔'' وہ کچھ شاپرز ہاتھ میں اٹھائے ان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں اپنے بیڈ پر نشراح ٹانگیں لٹکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔
''تو اب اس ٹھکانے میں اس ناپسندیدہ شخص کو روز برداشت کرنا ہوگا۔'' وہ سر جھکائے سوچنے لگی۔ کل رات سے دادی کے ساتھ رہ کر جو دل سنبھلا تھا، وہ ابراہم کو دیکھ کر پھر سے اداس ہو گیا۔

''پھر کوئی خدمت وغیرہ کی آپ کی کیئر ٹیکر نے۔''

''میری خدمت کیا کرنی بس مجھے دوسرا ہٹ کا احساس دیا۔ یہی بہت ہے۔ خدمت تو میں تجھ سے بھی نہیں لینا چاہتی۔'' دادی نے بے لاگ کہا۔

''چلیں، آپ کی تنہائی تو دور ہوئی۔ کسی سے بہوؤں کی برائی کر کے دل تو ہلکا کریں گی۔ میں تو سنتا نہیں تھا۔'' ابراہم نے چھیڑا۔

''ہاں، مجھے تو جیسے بہت شوق ہے بہوؤں کی غیبت کرنے کا۔'' وہ خفا ہوئیں۔

''مذاق کر رہا تھا۔'' ان نے پھر نشراح کو دیکھا جو ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

''کیسی ہو نشراح؟'' آخر اس نے پوچھ لیا۔ نشراح بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ دادی کے سامنے شرمندہ ہوا۔

''ابھی نیند سے اٹھی ہے، اسی لیے سست ہو رہی ہے۔ رات دیر تلک ہم دونوں نے باتیں کی تھیں۔'' دادی نے نشراح کی بد دلی کو سستی کا نام دیا۔

''اوہ۔'' ابراہم نے لب سکوڑے۔

''آج رات کا کھانا کھا کر جانا۔ بتاؤ کیا کھاؤ گے۔'' انہوں نے محبت سے پوچھا۔

''جو دوپہر کو بنایا وہی چلے گا، آپ خواہ مخواہ زحمت نہ کریں۔''

''بس بس اب تکلف نہ کرو مجھ سے۔'' دادی نے آنکھیں دکھائی۔

''دوپہر کو جو بنایا تھا اس کے ساتھ شامی کباب تل دیجیے گا بس۔''

''سوجی کا حلوہ بناؤں، تو شوق سے کھاتا ہے نا۔'' دادی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ آپ اپنے شوق میری آڑ لے کر پورے کیوں کرتی ہیں سویٹ دادی۔'' وہ شرارت سے ہنسا تو وہ ہنس کر باہر نکل گئیں۔

دادی کے جاتے ہی وہ اپنی نشست سے اٹھا اور ایک شاپر اٹھا کر اس کے پاس آیا۔

''نشراح! یہ کچھ ریڈی میڈ کپڑے ہیں۔ اپنے طور پر تمہارے ناپ کے لایا ہوں۔'' اس نے شاپر سے پلاسٹک بیگ نکال کر بیڈ پر رکھنے شروع کیے۔ نشراح نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بیڈ پر رکھے بیگز کو۔ مشہور برانڈ کا نام اور کپڑوں پر لکھی قیمت واضح نظر آ رہی تھی۔ اسے تین دن سے تن پر پہنے ایک ہی جوڑے سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ پر دوسرے کپڑے میسر نہیں تھے اور اب یہ بندہ یہ برانڈڈ سوٹ لے کر چلا آیا تھا۔

''یہ کپڑے تم اپنی سوکالڈ شرمندگی کو مٹانے کی کوشش میں لائے ہو تو آئم سوری۔ میں نہیں لے سکتی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''اچھا تو قرض سمجھ کر رکھ لو۔ دادی کی کیئر کرنے کی جو سیلری ملے گی۔ اس میں سے پیسے دے دینا۔'' ابراہم نے حل نکالا۔

''کتنی سیلری دو گے مجھے؟'' وہ بدستور سخت لہجے میں مخاطب تھی۔

''جتنی تمہیں ضرورت ہو۔'' وہ فاصلہ رکھ کر بیڈ پر بیٹھا۔

''میری ضرورت کو جانے دو۔ سیلری بتاؤ۔''

''تیس ہزار ٹھیک رہیں گے۔'' وہ اسے بہ غور دیکھ کر بولا۔

''تیس ہزار۔'' نشراح کچھ حیران ہوئی۔

''یہ مناسب نہیں۔'' نشراح نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر چالیس لے لو۔'' ابراہم نجانے کیا سمجھا۔

''تم اپنی امارت کی شوبازی بند کرو ابراہم۔ تم اور میں اچھی طرح یہ بات جانتے ہیں کہ اپنی زیادہ سیلری اس جاب کو سوٹ نہیں کرتی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اوکے پھر بیس ہزار ٹھیک رہیں گے۔'' وہ مصالحانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ نشراح خاموش

رہی۔

''چلو جی، ڈن ہوگیا۔'' وہ خوش ہوا۔

''یہ ایک سوٹ دس ہزار کا ہے، پانچ سوٹ پچاس ہزار کے ہوجائیں گے۔ میری تقریباً ڈھائی ماہ کی سیلری تمہارے قرض میں نکل جائے گی۔'' وہ جتا کر بولی۔

''مجھے صرف دو سوٹ دو۔ اور آئندہ ایسی سخاوت مت دکھانا پھر اس نے احسان عظیم کرتے دو سوٹ اٹھا لیے۔ ابراہم کا منہ ہلکا سا کھلا پھر کسی مصلحت کے تحت بند ہوا۔

''بہت ضدی ہو۔'' وہ باقی سوٹ شاپر میں ڈالتے بڑبڑایا۔

''اب ان تین سوٹوں کا کیا کروں۔ اپنی بیوی کے لیے رکھ لیتا ہوں۔'' وہ نشراح کو دیکھ کر مسکرایا۔

''بھاڑ میں ڈال دو، مجھے کیا۔'' نشراح چڑ گئی۔

''ویسے اخلاق میں تمہاری آنٹی تم سے نمبر لے گئیں، کیا ہی شستہ انداز میں بات کرتی تھیں مجھ سے۔'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ بریرہ کے ذکر پر نشراح کا چہرہ یک دم تاریک ہوا۔

''ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا۔ تم چاہو تو میری آنٹی سے اپنا تعلق بحال کر سکتے ہو۔ اسی شستہ لہجے کو پھر سے اپنی سماعتوں میں انڈیل لو۔'' اس نے تلخ ہو کر کہا۔

''استغفراللہ۔ نہیں بھئی اب نہیں۔ میرا دل تو لہجے سے زیادہ چہرے پر آیا تھا۔ اور وہ چہرہ اب میرے سامنے ہے۔'' ابراہم نے اس کو بغور دیکھ کر کہا تو وہ جل اٹھی۔

''تم مجھے یہاں اس لیے لائے ہو کہ اپنی اس قسم کی باتوں سے مجھے ٹارچر کرو۔ یاد رکھو وہ چہرہ میرا تھا لیکن میں وہ نہیں تھی۔ مجھے تم سے ذرا برابر دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں نفرت کہہ سکتے ہو جو تمہارے لیے میرے دل میں ہے۔ اسی لیے برائے مہربانی اپنے یہ ڈائیلاگز مجھ پر ویسٹ مت کرو۔ یہ لفظوں کا کھیل تم وہاں کھیلو جہاں پسند کیا جائے۔'' نشراح مارے غصے کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابراہم بھی شرمندہ سا اپنی جگہ سے اٹھا۔

''آئم سوری نشراح! میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو.....''

''مجھے رہنے کا کوئی دوسرا ٹھکانا مل جائے تو میں ادھر سے چلی جاؤں گی تاکہ تمہاری شکل ہی نہ دیکھنی پڑے۔ میرے زخموں کو ہرا کرنے کے لیے تم نے یہ گھر چنا ہے جہاں روز آ کر مجھے ذہنی اذیت دو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''باخدا میری نیت بالکل ایسی نہیں ہے۔ یہاں میں تمہیں میں صرف تمہارے تحفظ کے لیے یہاں لایا ہوں۔ تمہیں ٹارچر کرنے نہیں۔'' ابراہم نے دھیمے لہجے میں وضاحت کی نشراح خفگی سے رخ موڑ کر دیوار کو دیکھنے لگی۔ ابراہم کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر کافی دیر تک باہر سے دادی اور پوتے کی آوازیں آتی رہیں۔ دادی نے طٰہٰ کے ہاتھ اسے کھانے کا کہلوایا مگر نشراح نے انکار کر دیا۔ وہ سر شام کھانا کھا کر بیٹھی تھی، اسی لیے دادی نے مزید اصرار نہ کیا۔ ابراہم نہ جانے کب واپس گیا، نشراح تو عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی۔

☆☆☆

مہرالنساء بیگم کے گھر میں ان کی کیئر ٹیکر بن کر نشراح کی زندگی بہ ظاہر سپاٹ انداز میں گزر رہی تھی۔ دادی کا رویہ بہت شفقت آمیز تھا۔ گھر میں کوئی خاص کام بھی نشراح کے سپرد نہیں کیا گیا تھا۔ برتن، کپڑے، صفائی وقتی ملازمہ آ کر کر جاتی۔ کوکنگ دادی خود بہت شوق سے کرتی تھیں اور اس شوق کی وجہ ابراہم کی ذات تھی۔ وہ پوتے کے لیے اس کی پسند کو مدنظر رکھ کر ہر چیز پکاتیں۔ نشراح سویرے آنکھ کھلتے ہی اس وقت کا انتظار شروع

کر دیتیں جب وہ ان کے پاس آتا تھا۔

ہر وقت نشراح کو اس کے بچپن کے قصے سناتیں۔ اپنی پیدائش سے لے کر پانچ سال تک اس گھر میں بتائے ننھے ابراہم کے دن رات۔ اس کا رونا، ہنسنا، پاؤں پاؤں چلنا۔ پہلا لفظ بولنا۔ ان کا اسے گودوں کھلانا۔ تمام تر باتیں پوری جزئیات کے ساتھ ان کو یاد تھیں۔ اور ان باتوں کو بار بار دہرا کر وہ بے انتہا خوش ہوتیں۔ نشراح ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر یہ ابراہم نامہ سنتی۔ بظاہر وہ پرسکون نظر آتی تھی پر اس کے باطن میں جو تلاطم برپا تھا وہ اسے کسی پل چین نہ لینے دیتا۔ کسی اور کے کیے جرم کی سزا وہ بھگت رہی تھی اور مجرم معاشرے میں باعزت طریقے سے جی رہے تھے۔

نہ بریرہ کو کوئی فرق پڑا تھا نہ ابراہم کو۔ برباد تو صرف وہ ہوئی تھی بنا جرم کے معتوب ٹھہرائی گئی تھی۔ اپنوں سے دور رہ کر ایک غیر یقینی زندگی گزار رہی تھی۔ آنے والا کل اس کے لیے ایک سوالیہ نشان تھا۔ نہ تعلیم مکمل تھی کہ کسی ملازمت کے لیے ہاتھ پاؤں مار لیتی۔ نہ ہی حالات سازگار تھے کہ اپنی ادھوری تعلیم کا سلسلہ پھر سے جوڑ لیتی۔

"بریرہ آپ نے میرے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔" وہ دل برداشتہ ہو کر تصور میں بریرہ کو مخاطب کرتی۔ دل تو چاہتا تھا بریرہ کا گھناؤنا چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کر دے۔ مگر پھر اپنی بیٹی کا خیال آتا کہ بریرہ سارا الزام اس کے سر ڈال کر اس کو اور اس کی بہنوں کو بدنام کر سکتی تھیں۔ کئی بار دادی کے فون سے گھر کال ملائی تھی مگر ہر بار موبائل بند ملا تھا۔ شاید نمبر بدل دیا ہوگا۔ وہ پریشانی میں رات بھر کروٹ پر کروٹ بدلتی تھی۔ اس گھر میں پہلی رات نہ جانے کیسے وہ جی بھر کر سوئی۔ اس کے بعد تو نیند ہی نصیب میں نہیں تھی۔

ابراہم کے ساتھ بھی پہلے دن کی تلخ کلامی کے بعد دوبارہ بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی دادی سے ملنے بلانا غہ آتا مگر نشراح سے مخاطب ہونے سے احتراز برتتا۔ اسے بھی اس شخص پر بے انتہا غصہ تھا جو اسے دیکھ کر خود بہ خود اس کی آنکھوں میں اتر آتا تھا۔

☆☆☆

"ارے یہ پالک اس طرح نہیں کاٹتے۔ مجھے دو، میں نفاست سے بنا کر دکھاتی ہوں۔"

دادی مہرالنساء نے نشراح کے ہاتھ سے چھری اور سبزی والی ٹوکری لے کر اپنے سامنے رکھی اور پالک کی گٹھی میں سے ایک ایک پتا چن کر برابر کاٹنے لگیں۔ نشراح نے غور سے ان کا انداز دیکھا۔

"یوں تو غریب کی بیٹی ہو پر کاموں میں اناڑی پن بالکل امیر زادیوں جیسا ہے۔ غربت میں تو لڑکیوں کو سب سیکھنا چاہیے بیٹا! چاہے سینا پرونا ہو یا کھانا پکانا۔ آگے کام آتا ہے۔"

دادی نے مصروف انداز میں نصیحت کی۔

"وقت کا ویسے ہی کچھ پتا نہیں چلتا۔ اور بیٹی کا نصیب تو وقت سے بڑھ کر ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔" انہوں نے مزید کہا تو نشراح اداس سی ہوگئی۔

"ارے منہ کیوں اتر گیا تمہارا۔ میں نے تو بھلی بات کہی ہے بچی۔ تمہاری ماں نے شاید تمہاری شہزادیوں جیسی صورت دیکھ کر سوچا ہوگا، اس کو چولہے چکی میں نہیں جھونکتی، دودھ ملائی جیسی رنگت خراب ہو جائے گی۔ یہی بات ہے نا۔" انہوں نے دانستہ بات کو مذاق کا رنگ دیا

"شاید۔" نشراح نے یک لفظی جواب دیا اور سر جھکا لیا۔

"میری دادی بھی آپ کی طرح مجھے بہت نصیحتیں کرتی تھیں۔ کاش میں ان کی نصیحتوں پر کان دھر لیتی۔" وہ دھیمے سے بڑبڑائی تھی۔

"کیا بولیں بیٹا۔" دادی نے اس کے ہلتے لب دیکھ لیے۔

''دادی! میں اتنی بھی پھوہڑ نہیں۔ آپ کو پتا ہے، چائنیز کھانے بہت اچھے بناتی ہوں۔'' اس نے سر اٹھایا اور موڈ بدل کر کہا۔

''آج میں آپ کو چائنیز رائس اور شاشلک بنا کر کھلاؤں گی۔ یہ پالک آپ کل کے لیے اٹھا رکھیں۔'' پھر وہ ایک جوش سے اٹھی۔

''ٹھیک ہے بنالو، آج اپنی پسند کا کچھ۔'' دادی نے اس کی چمکتی صورت دیکھی۔

''آپ چائنیز فوڈ کھاتی تو ہیں نا۔'' وہ کچن کی طرف جاتے جاتے پلٹی۔

''کھالوں گی بیٹا۔'' انہوں نے رسان سے کہا۔

''طٰہٰ کہاں ہے۔'' تھوڑی دیر میں ہی وہ کچن سے نکلی۔

''ادھر ہی ہوگا۔ طٰہٰ بیٹا..... طٰہٰ!''

''جی دادی۔'' دادی کی آواز پر وہ چھت سے دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتا نیچے آیا ہاتھ میں پتنگ اور ڈور تھی۔

''شاباش ہے۔ صبح سے صرف اوپر پتنگیں ہی اڑا رہا ہے۔ نہ کام کا نہ کاج کا۔'' دادی نے اسے دیکھ کر سر ہلایا۔

''دادی چائنیز بنانے کے لیے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ طٰہٰ سے منگوا دیں۔'' نشراح نے ایک کاغذ دادی کو تھمایا۔

''آج چائنیز کھانا بنے گا باجی۔'' طٰہٰ نے خوش ہو کر پوچھا۔

''ہاں ہاں چٹورے لڑکے! یہ چیزیں جلدی لے آ۔'' دادی نے اسے کاغذ دیا تو وہ فوراً باہر بھاگا۔ پھر مطلوبہ اشیاء کے آتے ہی نشراح نے بہت کم وقت میں کھانا بنالیا۔ وہ کھانا میز پر چن رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

یہ ابراہیم کی مخصوص دستک تھی۔ طٰہٰ دوڑ کر گیا اور دروازہ کھول دیا۔

''دادی! ابراہیم بھائی آئے ہیں۔'' وہ چیخا۔

''یہ تم روز اتنی زور سے میرے آنے کی خبر دادی کو سناتے ہو یا پڑوسیوں کو۔'' ابراہیم نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

آج خلاف معمول وہ دوپہر میں آیا تھا۔

''میرا ابراہیم آیا ہے، بہت اچھے وقت پر آئے۔ ہاتھ منہ دھو کر آؤ، کھانا لگ گیا ہے۔'' دادی پوتے کو دیکھ کر شاد ہو گئیں۔

''ہاتھ منہ دھلے ہوئے ہیں دادی۔ اپنے آفس سے خالی پیٹ نکلا ہوں۔ گھر جاتے جاتے بس ادھر آنے کا خیال آ گیا۔ میرا وجدان کہتا تھا دادی نے ضرور کچھ بہت اچھا بنایا ہوگا۔'' وہ ہنس کر کہتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور بے تکلفی سے ایک پلیٹ میں چائنیز رائس ڈالے۔

''دادی قربان میرے بچے پر۔ نشراح! ابراہیم کو سالن نکال کر دو۔'' دادی نے خوش ہو کر نشراح سے کہا جس کے ہاتھ سست پڑ چکے تھے۔ اس نے سالن کا ڈونگہ ابراہیم کے سامنے رکھا۔

''اس میں ڈال دیجیے۔'' ابراہیم نے مسکرا کر پلیٹ آگے کی۔ نشراح نے ناچار کچھ سالن نکال کر پلیٹ میں ڈالا۔

''ہم..... بہت ٹیسٹی۔ کیا لذیذ کھانا بنایا ہے دادی! ذرا اپنے ہاتھ دکھائیں، میں چوم لوں۔'' اس نے پہلا نوالہ لیتے ہی دادی کا ہاتھ تھام لیا۔

''ارے میں نے نہیں بنایا۔ مجھے کیا پتا یہ بدیسی کھانے کیسے بنتے ہیں۔ یہ تو اپنی نشراح نے بنایا ہے۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر بتایا تو ابراہیم نے پاس کھڑی نشراح کو دیکھا جو لاشعوری طور پر پیچھے ہٹی تھی۔ ایک بے ساختہ مسکراہٹ ابراہیم کے لبوں پر آئی۔

''اتنا عمدہ کھانا کھلانے کے لیے آپ تو انعام کی حق دار ہیں محترمہ۔ کہیے، کیا انعام لیں گی۔'' ابراہیم نے مسکراتی نظریں اس پر جما کر پوچھا۔

''انعام تو آپ مجھے زندگی بھر کا دے ہی چکے

ہیں۔ دربدری کا، درماندگی کا۔ مجھے اور کسی انعام کی حاجت نہیں ہے۔''

نشراح کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ ابراہم بہ مشکل سن پایا۔ اور سن کر وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ نشراح کی آنچ دیتی نظریں اس کے آر پار ہو رہی تھیں۔ دادی تک نشراح کے الفاظ تو نہیں پر نگاہوں کی حدت ضرور پہنچی تھی۔ انہوں نے بہت توجہ سے پوتے کی بدلتی رنگت بھی دیکھی۔

''کھاؤ نا بیٹا! رک کیوں گئے۔'' ان کے کہنے پر ابراہم نے بد دلی سے چاولوں میں چمچ گھمایا۔

''نشراح! تم کہاں جارہی ہو۔ ادھر بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔'' پھر انہوں نے مڑ کر جاتی نشراح سے کہا۔

''جی دادی۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے پلٹی اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ماحول ایک دم خاموش سا ہوگیا تھا۔ میز پر اب صرف طٰہٰ رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔ دادی کو اس بھید بھری چپ نے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

''نشراح بیٹی! تم اپنے گھر ہر ماہ پیسے بھجوا دیتی ہو، خود کیوں نہیں جاتیں۔ ماں باپ یاد کرتے ہوں گے۔'' تیسرے ماہ دادی مہرالنساء نے نشراح سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''ادھر آپ کے پاس دل لگ گیا ہے دادی۔ کیا کروں وہاں جا کر۔'' نشراح نے بہ ظاہر بے نیازی سے کہا۔

''پھر بھی ماں کو تو تمہاری صورت دیکھنے کی ہڑک اٹھتی ہوگی۔ اس کا دل ٹھنڈا کر کے آؤ بچی۔ پیسے اولاد کا نعم البدل تو نہیں ہوتے۔''

انہوں نے اصرار کیا تو نشراح کی آنکھیں ماں کے ذکر پر بھیگنے لگیں۔ اس کا دل چاہا دادی کے آنچل میں منہ چھپا کر اتنا روئے کہ یہ ہجر کا درد آنسوؤں کے ریلے میں ہمیشہ کے لیے بہہ جائے۔ اپنے دل میں چھپے ناسور کو ان کے سامنے عیاں کر کے کسی مرہم کا سامان کرلے۔

''دادی میں گھر جانا چاہتی ہوں مگر.....'' نشراح نے گیلی آواز میں بات ادھوری چھوڑی۔

''ہاں تو ہو آؤ نا، کیا مسئلہ ہے۔'' دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ پگھل کر ان سے لپٹ گئی۔

''ارے رے..... یہ کیا؟ پگلی روتی کیوں ہو۔ میں ابھی ابراہم کو فون کر کے کہتی ہوں، تمہیں تمہارے گھر والوں سے ملوا لائے۔'' انہوں نے گھبرا کر کہا۔

''دادی! مم..... میں کیسے جاؤں۔'' نشراح نے شدت سے روتے ہوئے پوچھا۔

''کیسے جاؤں..... مطلب.....''

''ابراہم کے ساتھ گاڑی پر ہو آؤ۔'' وہ اسے پچکار کر بولیں۔

''مگر اس حادثے کے بعد.....''

نشراح کی بات دروازے کی تیز دستک میں ادھوری رہ گئی۔

''ابراہم بھائی آئے ہیں۔'' طٰہٰ نے دروازہ کھول کر حسب عادت نعرہ لگایا۔ وہ مسکراتا اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں — فروٹس کے تھیلے تھے۔

''السلام علیکم دادی۔'' اس نے برآمدے میں آکر کچھ حیرت سے دادی کو سلام کیا۔ جو روتی ہوئی نشراح کی پیٹھ سہلاتے پریشان نظر آرہی تھیں۔

''خیریت تو ہے؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''شاباش ہے بیٹا تمہیں! بچی کے ساتھ بہت اچھا کیا ہے۔'' دادی نے افسوس سے کہا تو ابراہم کا دل زور سے دھڑکا۔

''کک..... کیا مطلب۔'' وہ بوکھلایا۔

''اتنے دن ہوگئے، اس کو اس کے گھر والوں سے ملوانے کی توفیق نہیں ہوئی تمہیں۔ جیتی جاگتی لڑکی ہے کوئی گڑیا نہیں جسے میرا دل بہلانے کو لے

آئے ہو۔ پیچھے اس کا بھی کوئی گھر ہے، گھر والے ہیں جن کی یاد اسے بے قرار کرتی ہوگی۔ یہ بچی دل پر جبر کرکے مجھے اپنے گھر جانے کا کہتی ہی نہیں۔ تم نے ہی سمجھایا ہوگا۔ دادی کو چھوڑ کر نہیں جانا۔'' انہوں نے اپنے آنچل سے نشراح کے اشک صاف کرتے پوتے کو لتاڑا تو ابراہم کا سانس بحال ہوا۔

''اوہ، تو یہ بات ہے۔''

''یہی بات ہے۔ چلو ابھی اور اسی وقت نشراح کو اس کے گھر لے کر جاؤ۔ اپنے گھر والوں سے مل کر واپس آنا چاہے یا دو ایک دن وہیں رہنا چاہے، تم بالکل منع مت کرنا۔'' دادی نے رعب سے کہہ کر نشراح کو کندھوں سے پکڑا۔

''بس اب بند کرو یہ رونا۔ جا کر مل آؤ اپنے گھر والوں سے۔'' ان کی بات پر نشراح نے ایک بے بس نظر ان پر ڈالی۔ عین وقت پر ابراہم نہ آتا تو وہ ان سے اپنے دل کا درد کہہ چکی ہوتی۔

''چلو اٹھو اب، جا کر منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ شاباش۔'' ان کے اصرار پر وہ اٹھی اور کمرے میں چلی گئی۔

''بہت بری بات ہے بیٹا! اپنے مفاد کے لیے دوسرے کی بچی کو جبر سے اپنے پاس بٹھائے رکھنا۔ تین ماہ ہوگئے، بچی کیا محسوس کرتی ہوگی۔'' دادی نے ابراہم سے دھیمی آواز سے کہا۔

''وہ خود جانا نہیں چاہتی دادی۔'' ابراہم نے بہانا بنایا۔

''لو یہ کیا بات ہوئی۔'' دادی مہرالنساء نے سر جھٹک کر نشراح کو دیکھا جو روئے روئے چہرے کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی۔

''ابراہم! اب اٹھو، نشراح کو لے جاؤ۔'' ان کے کہتے ہی وہ فرماں برداری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلیے میڈم۔'' ہاتھ میں گاڑی کی چابی جھلاتا وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

''جاؤ بیٹی۔ اگر دو تین دن رہنا چاہو تو بے شک رہ لینا۔'' دادی نے فراخ دلی سے کہا۔ نشراح نے پریشانی سے ان کو دیکھا۔

''آؤ نشراح۔'' ابراہم نے زور سے پکارا تو نشراح کو غصہ آگیا۔

''طٰہٰ! وہ فروٹ کے تھیلے ادھر لاؤ۔'' ایک دم دادی کو خیال آیا۔ طٰہٰ نے فوراً کچن سے لا کر دیے۔

''بیٹی یہ اپنے گھر لے جاؤ، خالی ہاتھ جاتے اچھا نہیں لگتا۔'' انہوں نے اپنے بٹوے سے کئی ہرے نوٹ نکال کر نشراح کے ہاتھ میں دبا دیے۔ اور فروٹ سے بھرے شاپر بھی دیے۔

''دادی یہ کیا۔''

''بس اب جاؤ۔ اللہ کی امان۔'' انہوں نے کچھ پڑھ کر پھونکا۔ نشراح نے قدم ناچار دروازے سے باہر نکالے۔ کچھ فاصلے پر ابراہم کار کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ ایک سانس بھر کر اس کی طرف آئی۔

''یہ شاپر دو مجھے۔'' ابراہم نے اس کے ہاتھ سے شاپر لے کر پچھلی سیٹ پر رکھے۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس کو یونہی کھڑا دیکھ کر وہ بولا۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ ''نشراح! کم آن۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' ابراہم نے آس پاس دیکھا۔

''بدنامی سے ڈرتے ہو۔ ابھی تک خوش نام ہونا۔ دنیا کے آگے، دادی آگے سر اٹھا کر چلتے ہو۔ تمہارے اندر کے گھٹیا انسان کی کسی کو آگاہی نہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔ ''معتوب تو میں ٹھہری ہوں، نہ گھر رہا، نہ ہی نیک نامی۔ اپنوں سے دور ہوئی، ان کی نگاہوں سے گر گئی ہمیشہ کے لیے۔'' نشراح کی آواز میں نمی گھل گئی تھی۔ ''صرف تمہاری وجہ سے۔''

پھر اس کی آنکھوں میں آگ بھر گئی۔ ابراہم کو اس کی نظریں بھسم کرتی محسوس ہوئیں۔ اس نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

''جو بولنا ہے، جتنا مجھے لعن طعن کرنا ہے، تم گاڑی میں بیٹھ کر کرسکتی ہو۔ پلیز آکر بیٹھ جاؤ۔''

ابراہم نے التجا کی۔

''مجھے نہیں بیٹھنا تمہاری گاڑی میں۔ تمہارا کیا بھروسا پھر سے مجھے کہیں لے جاؤ۔ دادی سمجھیں، میں اپنے والدین کے گھر گئی ہوں۔'' وہ بے مروتی سے کہہ کر پیدل آگے بڑھی۔

''نشراح! مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو۔'' ابراہم نے افسوس سے کہا۔

''بہت زیادہ..... بہت ہی زیادہ۔'' نشراح غصے میں تیز چلنے لگی۔ ابراہم کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر وہ اس کے ساتھ چلتا رہا۔ دونوں چلتے چلتے مین روڈ پر نکل آئے۔

''نشراح! کب تک چلتی رہو گی۔ آؤ اس کیفے میں بیٹھ جاتے ہیں، وقت گزاری بھی ہو جائے گی اور میں کچھ باتیں تم سے کلیئر بھی کر لوں گا۔''

ابراہم نے رسان سے کہا تو نشراح کو احساس ہوا وہ بے مقصد تپتی دھوپ میں چلتی چلی جا رہی ہے۔ دادی کی تسلی کے لیے ایک ڈیڑھ گھنٹہ تو گھر سے دور رہ کر گزارنا ہوگا۔ لیکن کڑی دوپہر میں چلتے رہنا عقل مندی نہیں تھی۔ اس نے کیفے کی طرف قدم بڑھائے تو ابراہم نے سکھ کا سانس لیا۔ کولڈ ڈرنک اور اسنیکس کا آرڈر دے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو منہ پھلا کر بے نیاز بیٹھی تھی۔

''نشراح! میری بات سنو۔ تم چاہو تو میں تمہاری فیملی سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ میں تمہاری پاکیزگی کی گواہی دے کر اپنا گناہ قبول کرلوں گا پھر مجھے جو بھی سزا ملے، میں بھگتنے کو تیار ہوں۔'' ابراہم کی بات پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نشراح کے لبوں پر آئی۔

''اب میں دودھ میں نہالوں تب بھی پاک صاف نہیں کہلائی جا سکتی ابراہم۔ تم نے مجھے کیچڑ میں دھکیل دیا ہے۔ اس کیچڑ کا میل میرے بدن سے مر کر بھی نہیں اترے گا۔'' وہ بولی تو لہجے میں کانچ ٹوٹا تھا۔ ابراہم کی نظریں میز کی سطح پر ٹک گئیں۔

''نشراح! یقین کرو، میں نے زندگی میں یہ پہلی غلط حرکت کی تھی جس پر قدرت کی پکڑ اس طرح ہوئی ہے کہ میں بے انتہا شرمندہ ہو کر رہ گیا ہوں۔ تمہارے مسلسل میری پہچان سے انکار پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔ ورنہ میرا ارادہ تمہیں کڈنیپ کرنے کا نہیں تھا۔ تم سے کچھ حساب کتاب بے باق کرنے تھے، اسی لیے کچھ دیر کے لیے ایسی جگہ لے گیا جہاں تمہارے ساتھ تسلی سے بات ہو سکے۔ ورنہ گاڑی میں تو تم نے مجھے چیخ چیخ کر لوگوں کے ہاتھ پٹوا ہی دینا تھا۔ فارم ہاؤس تک تم سے باز پرس کرتے اچانک طٰہٰ کی کال آ گئی۔ دادی کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ میں الٹے قدموں دادی کے پاس دوڑا۔ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور گھر میں طٰہٰ کے سوا کوئی دوسرا ان کی مدد کے لیے نہیں تھا۔ میرے ہوش اڑ گئے تھے ان کو ہاسپٹل لے جاتے ان کی ٹریٹمنٹ کرواتے۔ میرے ذہن سے تم بالکل محو ہو گئی تھیں۔ بس دادی کی زندگی کی بھیک اللہ سے مانگ رہا تھا۔ وہ بہت کڑا وقت تھا۔'' ابراہم ہاتھ ملتے دھیمے سے بتانے لگا۔

''تمہارا کڑا وقت میرا کڑا امتحان بن گیا۔'' نشراح نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ویٹر کھانے پینے کی اشیاء لے آیا تھا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔

''یہ لو۔'' ابراہم نے اس کے آگے کولڈ ڈرنک رکھی۔ نشراح نے چپ چاپ اٹھا کر اسٹرا منہ سے لگا لی۔ اندر آگ سی بھڑک رہی تھی جس کو نکلنے کا راستہ میسر نہ تھا۔ نہ کوئی درد سننے والا تھا نہ زخم پر مرہم رکھنے والا۔

☆☆☆

''ہو آئیں اپنے گھر سے۔ دل خوش ہوا۔ ماں کے کلیجے کو بھی ٹھنڈک ملی ہوگی۔'' ایک گھنٹے بعد وہ واپس آئی تو دادی نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بہت خوش ہوئیں اس کی امی۔'' ابراہم نے نشراح کو خاموش دیکھ کر جواب دیا۔

''چلو اچھا ہوا۔'' انہوں نے نشراح کا ہاتھ

پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

''سچ کہوں بیٹا تو اس ایک گھنٹے میں اس گھر کی روشنی ماند پڑ گئی تھی۔ میں نے تمہیں وہاں رہنے کا کہہ تو دیا مگر تمہارے جانے کے بعد اتنا دل اداس ہوا کہ سوچا ابراہم کو فون کر کے کہہ دوں، تمہیں جلدی میرے پاس واپس لے آئے۔'' دادی نے بہت محبت سے نشراح کا ہاتھ دبایا۔ نشراح کی آنکھیں ان کی محبت پر نم ہو گئیں۔

''دادی میرے لیے تو آپ کو ایسی فیلنگز کبھی نہیں آئیں کہ کال کر کے مجھے واپس بلوالیں۔'' ابراہم مصنوعی ناراضی دکھا کر ان کے دوسری طرف بیٹھا۔

''تو تو میری جان ہے، تیرا کوئی مقابلہ نہیں۔'' دادی نے اپنا بازو ابراہم کے گرد لپیٹا۔

''پیاری دادی۔'' ابراہم نے اپنا سر ان کے کندھے پر ٹکایا۔

''دادی! فریش ہو کر آتی ہوں۔'' نشراح نے اپنا ہاتھ نرمی سے چھڑایا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

''ابراہم۔'' دادی نے پکارا۔

''جی دادی۔''

''بیٹا! نشراح تم سے بہت ناراض دکھائی دیتی ہے۔ کیا بات ہے۔'' دادی کے سوال پر وہ چونک گیا۔

''مخالف جنس کے ساتھ اس کا ایٹی ٹیوڈ ایسا ہی ہے، لڑکوں سے سخت لہجے میں بات کرتی ہے تاکہ اگلے کے دل میں خوش فہمی نہ جاگے۔'' ابراہم نے سوچ کر بہانا گھڑا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔ عورت کو اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ مگر میں دیکھ رہی ہوں، اس کے اس کڑے رویے کے باوجود تم اس کی طرف ملتفت ہو۔'' دادی کی بات پر وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا دادی۔''

''تمہاری آنکھیں کہتی ہیں۔'' دادی نے ترنت جواب دیا، ابراہم چپ سا ہوا۔ وہ اس کے اندر تک جھانک رہی تھیں۔

''اچھی لگتی ہے تمہیں۔ کہو تو رشتے کی بات چلاؤں۔'' انہوں نے ابراہم کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

''نن..... نہیں دادی۔''

''کیوں نہیں۔ فیصل سے ڈرتا ہے۔ اس سے میں خود بات کرلوں گی۔ بڑا آیا اسٹیٹس اسٹیٹس کرنے والا۔ گاؤں کے کچے مکان میں پیدا ہوا، بیس سال وہیں رہا۔ پچیس سال میں صاحب بنا تو سب بھول گیا۔ غربت کوئی عیب نہیں ہے۔ بہو کے اطوار و کردار دیکھنا چاہیے۔ پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ اور نشراح! اطوار و کردار کے علاوہ صورت سے بھی شہزادی ہے۔'' وہ اس کا کندھا دبا کر بولیں۔

''دادی میں مالی طور پر اتنا خود مختار ہو چکا ہوں کہ پاپا میرے فیصلوں کے آگے دیوار نہیں بن سکتے۔ اٹس مائی لائف اینڈ مائی اون چوائس۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا تو دادی بے طرح خوش ہوئیں۔

''تو پھر کیسی پریشانی۔ اپنے دل کی خواہش پوری کرو۔ اور نشراح کو اپنالو۔''

''نہیں دادی! نشراح نہیں مانے گی۔'' ابراہم نے اداسی سے کہا۔

''کیسے نہیں مانے گی، بھلا میرے پوتے میں کیا کمی ہے، لاکھوں میں ایک ہے۔'' دادی کو برا لگا۔

''اسے کمی لگتی ہے نا۔ آپ بس اسے کچھ مت کہنا۔'' ابراہم کے اصرار پر دادی چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

''نشراح۔'' وہ رات کو دادی مہرالنساء کی ٹانگیں دبا رہی تھی جب دادی نے پیار سے پکارا۔

''جی دادی۔'' نشراح خیالوں سے چونکی۔

''بیٹا! ایک بات کہوں۔''

''کہیے دادی۔''

''میرا پوتا ابراہم تمہیں کیسا لگتا ہے۔'' ان کے سوال پر نشراح اپنی جگہ پر ہل گئی۔

''کک..... کیا مطلب دادی؟''

''ارے سیدھا سا سوال پوچھا ہے، اب مطلب کہاں سے بتاؤں۔'' وہ اپنی ٹانگیں سمیٹ کر اٹھ کر بیٹھیں۔

''صحیح ہیں۔'' اس نے محتاط انداز اپنایا۔

''لو یہ کیا بات ہوئی۔ کھل کر رائے دو۔'' دادی برامان گئیں۔

''کیا کہوں دادی۔''

''اپنے دل کی کہو بیٹی۔ ابراہم میرا لاڈلا پوتا تمہیں پسند ہے یا نہیں۔''

''آپ مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' نشراح نے الجھ کر ان کو دیکھا۔

''کیونکہ میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کروانا چاہتی ہوں۔'' دادی کی بات پر نشراح گنگ رہ گئی۔

''ریونیو افسر ہے میرا پوتا۔ اس کے علاوہ اپنا بزنس بھی چلا رہا ہے۔ باپ سے علیحدہ رہتا ہے۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں، نہ کوئی بری لت لگی ہے۔ کردار، شرافت کی گارنٹی میں دیتی ہوں۔'' انہوں نے انگلیوں پر خوبیاں گنوائیں اور بغور نشراح کو دیکھا۔ جیسے جانچ رہی ہوں اتنا پر اثر تعارف سننے کے بعد وہ کیسا رسپانس دیتی ہے۔ مگر وہ سپاٹ انداز میں ان کو دیکھتی رہی۔

''میں جانتی ہوں، میرے پوتے میں اتنے گن ہیں کہ تم اسے ناپسند کر ہی نہیں سکتیں۔'' انہوں نے زور دے کر کہا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ ناپسند تو بہت چھوٹا لفظ ہے میں آپ کے پوتے سے نفرت کرتی ہوں پھر.....'' یکا یک نشراح نے زہر زہر ہو کر کہا تو دادی کا منہ کھل گیا۔

''کیا مطلب.....؟''

''طلب آپ اپنے پوتے سے پوچھیے۔'' نشراح کہہ کر پلنگ سے اٹھنے لگی۔

''وہ یہاں نہیں ہے، میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ بتاؤ مجھے۔'' دادی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آپ کا فرشتہ صفت پوتا آپ کو اچھے طریقے سے اپنے کارنامے سنا سکتا ہے۔ میں جو بھی کہوں گی، آپ کو جھوٹ لگے گا۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''سچ جھوٹ کی پہچان ہے مجھے۔ تم صرف وہ بات بتاؤ جس نے تمہیں ابراہم سے نفرت کرنے پر مجبور کیا ہے۔'' دادی کی گرفت اس کے ہاتھ پر سخت ہوئی۔

''میں جو سہہ چکی ہوں، وہ سن سکیں گی آپ۔'' نشراح نے سرخ آنکھیں ان پر جمائیں۔

''سن لوں گی۔ تم نے سہہ لیا، میں کیا سن بھی نہیں سکتی۔'' دادی نے اس کے رخسار پر ہاتھ پھیرا نشراح پگھلنے لگی۔

''دادی میرا نام نشراح عماد ہے۔ ہم چار بہنیں ہیں، بابا بینک میں ملازم ہیں۔ میری امی کی چچازاد کزن بریرہ جن کو میں اپنی خالہ اچھی دوست ایک بہن اور نہ جانے کیا کچھ سمجھتی تھی۔ انہوں نے.....''

نشراح نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا۔ الف سے لے کر یے تک وہ اپنی ذات پر بیتی زخموں کی داستان بہتے آنسوؤں میں انہیں بتاتی چلی گئی۔ بریرہ اور ابراہم کا ذکر جہاں جہاں آتا، وہ سسک پڑتی۔ اپنا دل ان کے آگے کھول کر رکھتے اسے احساس نہیں ہوا کہ دادی کے چہرے کی رنگت خطرناک حد تک پیلی پڑ چکی ہے۔ ان کی آنکھوں میں بے یقین سا دکھ تیر رہا ہے۔ ان کی سانس کی رفتار بڑھتے بڑھتے اکھڑنے لگی ہے۔ نشراح کو ان کا ہاتھ پسینے سے تر محسوس ہوا تو وہ چونکی۔ دادی ایک طرف لڑھک رہی تھیں۔

''دادی.....'' نشراح نے بے ساختہ چیخ ماری اوران کو بانہوں میں سنبھالا۔

''طٰہٰ.....جلدی آؤ۔'' اس نے گھبرا کر طٰہٰ کو پکارا۔

''کیا ہوا نشراح باجی۔'' طٰہٰ اندر آیا تو دادی کی حالت دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''طٰہٰ! ابراہیم کو فون کرو۔'' نشراح نے روتے ہوئے دادی کا گال تھپتھپایا۔

''دادی اٹھیے پلیز۔''

''ابراہیم بھائی! دادی کی طبیعت خراب ہے جلدی آیئے۔'' طٰہٰ نے دادی کے موبائل سے ہی نمبر ملا کر ابراہیم کو اطلاع دی۔

''طٰہٰ ان کو کیا ہو رہا ہے، یہ آنکھیں نہیں کھول رہیں۔'' وہ گھبرا کر پوچھنے لگی۔

''یہ تو اس دن والی حالت ہے، جب دادی کو اٹیک آیا تھا۔'' طٰہٰ نے قریب آ کر کہا تو نشراح کا دل لرز گیا۔

''اللہ نہ کرے۔'' یہ اس دن بے ہوش نہیں ہوئی تھیں۔ آج کیوں ہوئیں؟'' طٰہٰ خود گھبرایا ہوا تھا۔

دروازے پر زور سے دستک ہوئی تو طٰہٰ بھاگ کر باہر گیا۔

''کیا ہوا دادی کو؟'' چند لمحوں میں ابراہیم تیز رفتاری سے اندر آیا۔

''دادی.....دادی.....'' وہ بے ہوش دادی کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔ پھر ان کا کمزور وجود بانہوں میں بھر کر کھڑا ہوا۔ ''طٰہٰ میں ان کو اسپتال لے کر جا رہا ہوں۔''

وہ باہر نکلتا چلا گیا۔ نشراح نے لپک کر اپنا دوپٹہ اوڑھا اور اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ دادی کو کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا رہا تھا۔ نشراح دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھی اور دادی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ابراہم نے اگلی سیٹ سنبھالی اور گاڑی فل اسپیڈ سے بھگا دی۔

☆☆☆

اسپتال کی ایمرجنسی میں فوری طور پر دادی کو داخل کیا گیا۔ اور ان کی ای سی جی اور مختلف ٹیسٹ لیے گئے۔ وہ کسی شاک کے زیر اثر بے ہوش ہوئی تھیں۔ اور اب ان کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی جا رہی تھیں۔ نشراح پریشان حال کھڑی تھی جب ابراہم سرخ آنکھیں لیے اس کی طرف آیا۔

''دادی ٹھیک تو ہیں ابراہم!'' اس نے بھیگی آواز سے پوچھا۔

''ایسا کیا کہہ دیا تم نے دادی سے کہ وہ صدمے سے ہوش کھو بیٹھیں۔'' وہ پاس آ کر غرایا تھا۔

''مم..... میں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ گھبرا گئی۔

''تو وہ بے ہوش کیوں ہوئیں۔ میں جب تک بیٹھا رہا تب تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔ مجھے بتاؤ نشراح! میرے جانے کے بعد تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔'' ابراہم نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ تم سے شادی کرنے پر اصرار کر رہی تھیں تو میں نے.....''

''تو تم نے میری اصلیت ان کے سامنے کھول کر رکھ دی۔'' ابراہم نے اس کی بات کاٹی۔ نشراح نے سر جھکا لیا۔

''کیا ملا تمہیں۔ ان کو یہ سب بتا کر۔'' ابراہم افسوس سے کہہ کر بینچ پر پڑھے گیا۔

''اس سے اچھا ہوتا تم مجھے گولی مار دیتیں۔ کہہ تو رہا تھا میں ہر قسم کی سزا کے لیے تیار ہوں۔ میری کمزور دادی کو یوں موت کے منہ میں تو نہ پہنچاتیں۔ انہوں نے تمہیں کتنا پیار دیا، کتنا مان دیا اپنی بیٹی کی طرح اپنے پاس رکھا۔ کچھ تو خیال کرتیں۔'' وہ اپنا سر پکڑ کر بھیگی آواز میں بولا۔

نشراح کی شرمندگی میں اضافہ ہوا۔ واقعی ایک بزرگ خاتون کو ان کے لاڈلے پوتے کی منفی

باتیں بتانا ان کو مار دینے کے مترادف تھا۔

''میری دادی کو اگر کچھ ہوا نا نشراح! تو یاد رکھنا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ابراہم جھٹکے سے اٹھا اور اسے دھمکی دے کر ایمرجنسی کی طرف چلا گیا۔ وہ ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتی آنسو بہاتی وہیں کھڑی رہ گئی۔ درماندہ زندگی میں ایک ہی تو گھر ملا تھا جس میں وہ خود کو مکمل محفوظ سمجھتی تھی۔ دادی مہرالنساء کا چھاؤں جیسا وجود ملا تھا جس کے سائے تلے وہ سستا رہی تھی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو کھو دیا تھا۔

کاش اے کاش وہ اپنی زندگی کا بدصورت سچ ان کے سامنے بیان نہ کرتی۔ نہ دادی کو صدمہ ہوتا نہ وہ ہوش سے بے گانہ ہوتیں۔ نشراح دیر تک خود کو ملامت کرتی دادی کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی۔ ابراہم بے قرار سا ڈاکٹرز کے پیچھے پھر رہا تھا۔

رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی خوف کے سائے نشراح کو اپنی گرفت میں لینے لگے تھے۔ دادی کے مرنے کا خوف، اپنے تنہا رہ جانے کا خوف۔ وہ رو رو کر ادھ موئی ہو چکی تھی۔ دعا کرتے لب سوکھ گئے تھے جب ایک نرس نے اس کو زندگی کی نوید دی۔

''آپ کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ ان کو کمرے میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔'' وہ یہ الفاظ سنتے ہی جیسے جی اٹھی۔

''کس طرف..... کہاں؟'' اس کی بے قراری پر نرس نے روم نمبر بتایا۔ نشراح اڑتی ہوئی وہاں پہنچی۔ مگر دروازے پر ہی ابراہم نے اسے روک لیا۔

''ہٹو ابراہم! مجھے دادی کو دیکھنا ہے۔''

''وہ تمہیں دیکھ کر ڈسٹرب ہوں گی۔ میں نہیں چاہتا، وہ پھر بے ہوش ہوں۔'' ابراہم نے خشک لہجے میں کہا۔

''وہ تمہیں دیکھ کر ڈسٹرب نہیں ہو رہیں۔ جس کا یہ سب کیا دھرا ہے۔ میں نے کیا قصور کیا ہے۔'' نشراح نے غصے سے اسے ایک طرف دھکیلا اور اندر داخل ہوئی۔ دادی نیم وا آنکھیں کھولے لیٹی ہوئی تھیں۔

''یہ اس وقت دواؤں کے زیر اثر ہیں نشراح! ڈاکٹرز کہتے ہیں انہیں مزید کوئی ٹینشن نہیں دینی۔'' ابراہم نے ایک بار پھر اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

''میں ان کو کچھ نہیں کہہ رہی ابراہم! بس دور بیٹھی رہوں گی۔'' نشراح نے چڑ کر اپنا بازو چھڑایا۔ اور کاؤچ پر جا کر بیٹھ گئی۔

''تم گھر چلو۔ میں ہوں ان کے ساتھ۔'' ابراہم نے پھر کہا۔

''کون سا گھر..... میرا کوئی گھر نہیں۔ سب رشتے چھڑا دیے تم نے۔ اب تو دادی ہی میرا سب کچھ ہیں۔ ان کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔'' نشراح بھیگی آواز میں بولی تو ابراہم اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اوکے۔ پھر رہو یہیں۔'' وہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

نشراح نے دادی کو دیکھا جو چند گھنٹوں میں انتہائی کمزور نظر آ رہی تھیں۔ اس نے دل ہی دل میں ان سے معافی مانگی اور کاؤچ پر نیم دراز ہو کر اپنی ہتھیلی گال کے نیچے رکھ دی۔ دادی کو یک ٹک دیکھتے نہ جانے کب اس کی آنکھیں بند ہوئیں پتا ہی نہ چلا۔

☆☆☆

''نشراح۔'' اس کو کسی نے دھیرے سے پکارا تھا۔ نشراح نے بہ مشکل نیند سے بھری آنکھیں کھولیں۔ ابراہم پینٹ کی جیبوں میں انگوٹھے پھنسائے سامنے ہی کھڑا تھا۔ وہ ایک دم اٹھی اور سرہانے پڑا دوپٹہ اوڑھا۔

''اگر سونا ہی تھا تو گھر جا کر سو جاتیں۔'' وہ ناراض لہجے میں بولا۔

''سوری، نیند آ گئی۔''

''دادی کیسی ہیں؟'' نشراح نے بیڈ پر نظر کی

جہاں دادی تکیوں کے سہارے بیٹھی نرس کی مدد سے سوپ پی رہی تھیں۔

''بہتر ہیں۔ چند ٹیسٹس کی رپورٹس آنی ہیں پھر دادی کو ڈسچارج کردیں گے۔'' ابراہم نے بتایا تو نشراح نے بے اختیار شکر کا سانس بھرا پھر وہ فریش ہوکر واپس آئی تو دادی پھر سے لیٹی ہوئی نظر آئیں۔ ابراہم ان کے بیڈ کے برابر میں کرسی لگائے بیٹھا تھا۔

''ناشتہ کرلو۔'' اسے دیکھ کر ابراہم نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے آکر کاؤچ پر بیٹھی اور ناشتہ کرنے لگی۔

ایکسکیوزمی۔'' نرس اندر داخل ہوئی۔

''آیئے سسٹر۔'' ابراہم اپنی جگہ سے اٹھا۔ نرس نے دادی کے بیڈ کے ساتھ لگے اسٹینڈ میں ڈرپ کی بوتل لگائی اور دادی کی طرف بڑھی۔

''ابراہم بیٹا! مجھے نہیں لگوانی ڈرپ۔'' دادی نحیف آواز میں بولیں۔

''یہ انجکشن ڈرپ میں ڈالنا تھا۔ مس ہوگیا آپ اسٹور سے لے آئیں۔'' نرس نے ایک چٹ پر کچھ لکھا اور ابراہم کو دیا۔

''نہیں ابراہم! تم یہیں رہو۔ یہ مجھے سوئی لگا دے گی۔'' دادی نے ابراہم کا بازو دبوچ لیا۔

''اف دادی آپ بھی۔ نشراح! یہ انجکشن تم لے آؤ۔ میڈیکل اسٹور سیکنڈ فلور پر ہے۔'' ابراہم نے چٹ اور کچھ پیسے نشراح کی طرف بڑھائے۔ نشراح کمرے سے نکلی اور لفٹ کے ذریعہ سیکنڈ فلور پر واقع اسپتال کے میڈیکل اسٹور پر آئی۔ مطلوبہ انجکشن لے کر واپس مڑی تو سامنے سے گزرتی عصرہ کو دیکھ کر ٹھٹک کر وہیں کھڑی ہوگئی۔

عصرہ اپنے شوہر کے ساتھ تھی، ان کا رخ گائنی وارڈ کی طرف تھا۔ نشراح کا دل تیز دھڑکنے لگا۔ اتنے عرصہ بعد اپنی ماں جائی کو دیکھا تھا دل چاہ رہا تھا دوڑ کر گلے لگالے پر درمیان میں زمانہ حائل تھا۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھی۔ عصرہ کا شوہر اسے لیڈیز ویٹنگ روم میں چھوڑ کر خود باہر بیٹھ گیا تھا۔ نشراح تیز تیز قدموں سے لفٹ کی طرف بڑھی اوپر پہنچ کر انجکشن ابراہم کو تھمایا اور عجلت میں پھر سے باہر نکل آئی۔ اس بار اس نے دوپٹہ چہرے پر نقاب کی طرح اوڑھ لیا تھا۔ صرف آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ نیچے ویٹنگ روم میں داخل ہوئی تو بہت کم پیشنٹ دکھائی دیے۔ عصرہ پیشنٹ فائل اپنے سینے سے لگائے دائیں طرف بیٹھی تھی۔ اس کے برابر والی خالی جگہ پر نشراح چپ چاپ آکر بیٹھ گئی۔

''ڈاکٹر ابھی نہیں آئی۔'' نشراح نے اسے متوجہ کرنے کو پوچھا۔ عصرہ اس آواز پر بے طرح چونکی اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ڈھکا چھپا چہرہ مگر بڑی بڑی لائٹ براؤن چمکتی آنکھیں۔ وہی آنکھیں جن کو دیکھے جیسے صدیاں بیت گئی تھیں۔

''نش..... راح.....'' عصرہ کی آواز کپکپا کر نکلی۔ لائٹ براؤن آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

''نشراح.....! تم کہاں چلی گئی تھیں..... کیوں گئیں..... تم تو خوش تھیں نا اپنی منگنی سے پھر یہ اچانک کیا کردیا۔'' عصرہ نے بے قراری سے بہن کا ہاتھ پکڑ کر شکوہ کیا۔

''تمہیں پتا ہے تمہارے پیچھے ہم مرگئے ہیں..... سب مرگئے ہیں۔ اپنے اپنے کاندھوں پر صرف زندہ لاشیں اٹھائے پھرتے ہیں۔'' عصرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''میں بھی مرگئی ہوں عصرہ! تم سب تو ساتھ ہو۔ ایک دوسرے کی لاشیں ڈھونے کے لیے کندھے بدل لیتے ہوگے۔ میں نے تو اپنی لاش تنہا اٹھائی ہے۔ سب ملامت اکیلے سہی ہے۔'' نشراح دبے دبے انداز میں سسکنے لگی۔

''کیوں سہی ملامت..... کیوں اپنی بربادی کا سامان کیا۔ سب کچھ تو تمہاری مرضی سے ہورہا تھا۔ اگر تم مصور کے رشتے سے انکار کرتیں تو بھی کوئی کچھ نہیں کہتا۔ تمہیں قربانی دینے کے لیے تو

کسی نے نہیں بولا تھا۔ مجھے چپکے سے اپنی پسند بتا دیتیں، میں کوشش کر کے امی، بابا کو راضی کر کے تمہارا وہیں رشتہ کروا دیتی۔ یا بریرہ کو ہی دل کا راز بتا دیتیں، ان سے تو بہت کلوز تھیں نا۔'' عصرہ کی بات پر وہ تلخی سے مسکرائی۔

''بریرہ سے کلوز ہونے کی تو سزا بھگتی ہے۔''

''کیا مطلب.....'' عصرہ نے حیرت سے پوچھا۔

''بریرہ نے اپنے سوشل اکاؤنٹ سے ایک لڑکے سے دوستی کی مگر اسے تصاویر میری دکھائیں۔ ایک سال تک دوستی اور پیار کا کھیل رچا کر جب فیڈ اپ ہو گئیں اور اس لڑکے کے ملاقات کرنے کے اصرار سے تنگ آ گئیں تو اپنا اکاؤنٹ بند کر دیا۔ لیکن وہ انا کا مسئلہ بنا کر ان کو ڈھونڈتا پھرا۔ اس دن شاپنگ مال سے واپسی پر میں بریرہ سے آگے نکل گئی اور غلطی سے ان کی گاڑی سمجھ کر اسی لڑکے کی کار میں بیٹھ گئی۔ بس یہیں سے میری بدبختی کا آغاز ہوا، وہ مجھے بریرہ سمجھ کر غصے میں اپنے ساتھ لے گیا۔''

نشراح نے بھیگی آواز سے کتھا سنا کر ایک بڑا سانس بھرا۔ عصرہ حیران ہو کر سن رہی تھی۔

''بریرہ اتنا کر سکتی ہیں کبھی سوچا نہ تھا۔ اور..... ہمیں رو رو کر تمہارے کسی اور کے ساتھ فرار ہو جانے کی اطلاع دے رہی تھیں۔'' عصرہ نے صدمے سے کہا۔ ''بابا، امی کے تو سر جھک گئے نشراح! دنیا نے ان کی تربیت پر لعنت ملامت کی۔ ان تین ماہ میں کیا کچھ نہیں سہا ہم نے۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولی پھر خیال آنے پر چونک کر بہن کو دیکھا۔

''نشراح! وہ لڑکا تمہیں کہاں لے گیا۔ تمہاری عزت.....''

''الحمدللہ میری عزت اللہ نے محفوظ رکھی ہے۔ وہ لڑکا اس غلط فہمی پر بہت شرمندہ ہے۔ میں اس کی دادی کے ساتھ ان کے گھر رہ رہی ہوں۔ وہ اپنی طبیعت خرابی کی وجہ سے ادھر ایڈمٹ ہیں۔ اللہ ان کو صحت دے۔'' نشراح فوراً بولی۔

''آمین۔ سن کر اطمینان ہوا کہ تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔'' عصرہ نے دھیرے سے کہا۔

''ہم بریرہ کے پاس بھی گئے تھے عصرہ! میرا مطلب میں اور ابراہم اور ان سے بہت لڑے۔ مگر وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوئیں۔ وہ عجیب۔ نفسیاتی عورت ہیں۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا، ان کے اندر کتنی تشنگی بھری ہوئی ہے۔ رباب کو ان سے دور رکھنا۔ بلکہ تم سب ان سے تعلق توڑ لو۔ میرے ساتھ تو برا ہوا سو ہوا کسی اور کے ساتھ نہ ہو۔'' نشراح نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''بریرہ آنٹی کو تو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔'' عصرہ نے غصے سے کہا۔

''ان کو سزا مل بھی جائے تو میری واپسی تو اپنے گھر ناممکن ہے۔'' نشراح نے آہ بھری۔ عصرہ چپ ہو گئی۔

''امی، بابا کیسے ہیں؟ اور دادی اور رباب؟ مجھے یاد کرتے ہیں؟'' نشراح نے حسرت سے پوچھا۔

''بابا تو بہت خاموش ہو گئے ہیں۔ وہ بیمار رہنے لگے ہیں۔ باقی امی، دادی، رباب اور میں..... تمہیں یاد نہیں کرتے۔ تمہیں روتے ہیں نشراح! میری شادی کے اولین دن تمہاری گمشدگی کے طعنوں کی نذر ہوئے۔ میری ساس تم سے نفرت کا اظہار کر کے شکر کرتی ہیں کہ ان کے بیٹے کو تم جیسی ہلکے کردار کی لڑکی نہیں ملی۔'' عصرہ نے کرب سے بتایا۔

''اور مصور.....!'' نشراح نے بے اختیار پوچھا۔

''وہ تو ساس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ نہ جانے کیا کچھ کہتا رہتا ہے۔'' عصرہ نے دکھ سے بتایا۔

''مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے نشراح! پلٹ کر تو

شاید تم کبھی نہ آسکو۔ پر اپنی زندگی کو مزید خراب مت کرنا۔ تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے ابراہم نام کا لڑکا معقول ہے، تم اسی کے ساتھ شادی کرلو۔'' پھر اس نے بے قراری سے بہن کا ہاتھ دبایا تو نشراح اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میرا اتنا بڑا نقصان کرنے والا میرا مسیحا کیسے بن سکتا ہے عصرہ!'' وہ کرب سے بولی۔

''نقصان تو تمہارا ہو ہی چکا ہے۔ اب ازالے کی فکر کرو نشراح! یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ تمہیں رول کر رکھ دے گی۔'' عصرہ نے خلوص سے سمجھایا۔ ایک لایعنی خاموشی دونوں کے درمیان آ گئی۔

''آپ کا نام عصرہ ہے آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔'' ایک خاتون نے متوجہ کیا تو دونوں چونکیں۔ ہال کمرہ مریضوں سے بھر چکا تھا۔

''اچھا نشراح! اپنا خیال رکھنا۔'' عصرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے اچھے مستقبل کے لیے دعا گو رہوں گی۔'' دونوں بہنیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

''عصرہ! دادی اور امی بابا کو بتانا کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ مجھے قبول بھلے ہی نہ کریں مگر مجھے مجرم بھی نہ سمجھیں۔'' نشراح نے بھرائی آواز میں کہا۔

''تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں نشراح! میں ضرور بتاؤں گی۔ ہمارے والدین مجبور ہیں نشراح! کہ بے قصور بیٹی کو دوبارہ گھر میں بسا نہیں سکتے۔'' عصرہ نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ دونوں بھرے دل سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئیں۔ نشراح نے پھر سے نقاب اوڑھ لیا۔ آخری نظر بہن پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکلی۔ اس کا رخ لفٹ کی طرف تھا۔ جیسے ہی لفٹ کھلی، وہ جلدی سے اندر داخل ہوتے کسی سے بری طرح ٹکرائی۔

''نشراح.....'' ابراہم نے اس کو لڑکھڑا کر گرنے سے بچایا۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم۔ میں نے سارا ہاسپٹل چھان مارا۔ تیسری بار اسی لفٹ سے نیچے آیا ہوں۔'' وہ بے قراری سے بولا تو نشراح نے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

''یہیں تھی۔ کہاں جاؤں گی۔'' اس نے گیلی آنکھیں جھپک کر آنسوؤں کو چھپانے کی سعی کی۔

''میں تو پریشان ہو گیا تھا نشراح! تھینکس گاڈ تم مل گئیں۔'' ابراہم نے بے ساختہ کہہ کر اطمینان کا سانس بھرا۔ اس کے لہجے کی سچائی نشراح نے شدت سے محسوس کی۔

لفٹ کھل گئی تھی۔ دونوں دادی کے روم کی طرف ایک ساتھ بڑھے۔ دادی کی ٹیسٹ رپورٹس آ گئی تھیں اور سب کلیئر تھیں۔ ان کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ گھر واپس آ کر سب سے پہلے نشراح نے دو نفل شکرانے کے ادا کیے اور پھر گھر کے کاموں میں لگ گئی۔ آج ملازمہ نے چھٹی کر لی تھی سو وہ صفائی، برتن وغیرہ صاف کر کے دوپہر کا کھانا پکانے کھڑی ہو گئی۔ ابراہم سارا وقت دادی کے پاس بیٹھا تھا۔

''کھانا تیار ہے۔'' نشراح نے کمرے کے دروازے سے سر نکال کر اطلاع دی۔ دادی تکیوں کے سہارے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ اور ابراہم ان کے پیر دبا رہا تھا۔ دونوں نے نشراح کی طرف دیکھا۔

''دادی کا پرہیزی کھانا بنایا ہے، ابھی کھائیں گی یا دیر سے۔'' نشراح نے اسی پوزیشن میں مزید پوچھا۔

''تیرا مجھ سے کوئی پردہ ہے کیا نشراح۔ کل سے چھپتی پھر رہی ہے۔'' دادی مہرالنساء کی بات پر وہ جھینپ کر کمرے کے اندر آئی۔

''آ میرے پاس..... آ کر بیٹھ۔'' انہوں نے سرک کر اپنے برابر میں جگہ بنائی۔ نشراح جھجک کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ دادی نے اپنا ہاتھ اس کی پیٹھ پر پھیرا۔

''ابراہم! نشراح ایک ہیرا لڑکی ہے۔'' پھر انہوں نے پوتے کو مخاطب کر کے کہا۔ پوتے نے

سر اثبات میں ہلایا۔

''میں جانتا ہوں دادی۔'' اس نے بغور نشراح کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ نشراح کنفیوز سی ہوگئی۔ آتے ہی وہ موضوع گفتگو بن گئی تھی۔

''بیٹا! تم نے اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ بہت برا کیا۔ میرا پوتا ایسا نکلے گا، میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔'' دادی کی اگلی بات پر ابراہم کا سر جھک گیا۔

''دادی! کب سے آپ سے معافی مانگ رہا ہوں۔ آپ مزید بے عزتی کیے جا رہی ہیں۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''مجھ سے کیا معافی مانگتا ہے اس بچی سے مانگ۔ جس کا اتنا بڑا نقصان کیا ہے۔'' دادی نے خفگی سے کہا۔

''اس سے تو میں پہلے دن سے معافی مانگ رہا ہوں۔ بے شک اس سے پوچھ لیں۔ اتنی اچھی تجویز بھی دی کہ مجھ سے شادی کرلو مگر نہیں مانی۔'' ابراہم نے ترنت کہا۔

''ایسے سڑک پر کھڑے ہوکر شادی کی پیشکش کی جاتی ہے۔ تیری دادی مر گئی تھی۔ مجھ سے کہتا، میں بچی سے بات کرتی۔'' دادی مہرالنساء نے اسے گھر کا تو نشراح سمجھ گئی کہ وہ صبح سے کمرے میں گھسا دادی کو ساری باتیں بتا چکا ہے۔

''تو بچی سے بات کی نا آپ نے بھی۔ پھر کون سا اس نے آپ کو اپنی رضامندی دے کر ہار پھول پہنا دیے۔'' ابراہم منہ پھلا کر بولا۔

نشراح، دادی پوتے کے بیچ خود کو حد درجہ آکورڈ محسوس کر رہی تھی۔

''اب دیکھ کیا رہا ہے، باہر جا۔ میں بچی سے رشتے کی بات کروں۔'' دادی نے اسے گھورا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''جا رہا ہوں دادی۔ مگر اس بار ناں نہیں ہونی چاہیے۔'' ابراہم نے بظاہر دادی کو مخاطب کیا پر دیکھا نشراح کی آنکھوں میں تھا۔ نشراح نے بے ساختہ نظریں جھکا لیں۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ دادی نے اس کے جاتے ہی نشراح کا ہاتھ اپنے کمزور ہاتھ میں لیا۔

''نشراح بیٹا۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ ابراہم کی ہر غلطی کی معافی میں تم سے مانگتی ہوں۔''

''نہیں دادی! آپ کیوں معافی مانگیں۔ آپ نے کیا کیا ہے؟'' نشراح نے ان کا ہاتھ سہلایا۔

''وہ میرا پوتا ہے نا۔ اس کا کوئی بھی جرم میرے خون پر ملامت ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوئیں۔ نشراح ان کی خاموشی سے گھبرائی۔ ان کو ٹینشن نہیں لینی تھی مگر وہ ان ہی باتوں کو دہرا رہی تھیں۔

''دادی! آپ چھوڑیں ان باتوں کو۔''

''نشراح بیٹا! میں نے تمہیں اپنی بیٹی کہا ہی نہیں بلکہ سمجھا بھی ہے۔'' انہوں نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔ ''میرے ساتھ میرے گھر میں تم قطعی محفوظ ہو۔ مگر میں بہت ہی کمزور ہوں۔ تم مجھے گرتی دیوار سمجھو۔ کب کس وقت ڈھے جاؤں، کوئی بھروسا نہیں۔'' وہ سانس بھر کر بولیں۔

''اللہ نہ کرے۔'' نشراح نے بے اختیار کہا تو وہ پھیکا سا مسکرائیں۔

''یہ حقیقت ہے اور حقیقت سے نظریں چرانا عقل مندی نہیں۔ تمہیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے بیٹی۔ جو تمہاری ڈھال بنے۔ اور دنیا کے سرد و گرم سے تمہیں محفوظ رکھ سکے۔ ابراہم وہ سہارا بن سکتا ہے۔'' وہ بغور نشراح کو دیکھنے لگیں جو لب کاٹ رہی تھی۔

''تم اگر اسے معاف کر کے اس کی ہمراہی قبول کر لو تو یہ تمہارے حق میں بہت اچھا ثابت ہوگا۔ باقی میں تمہیں زبردستی مجبور نہیں کر رہی۔'' ان کی بات پر نشراح چپ رہی۔ دادی نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر مایوس ہو کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکا لیا۔

''دادی۔'' نشراح نے ان کو پکارا۔

''جی بیٹی۔'' انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''دادی! آپ جو میرے لیے مناسب سمجھیں وہ کریں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں ابراہم میرے لیے بہتر ہے تو ٹھیک ہے۔'' وہ سوچ سوچ کر بولی۔

''ارے میری بچی! جیتی رہو۔'' دادی خوشی سے ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھیں۔

انہوں نے نشراح کے چہرے کو ہاتھوں سے تھام کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہیں۔

''اللہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں تم دونوں کی خوشیاں دیکھ سکوں۔'' انہوں نے جذب سے دعا کی۔ نشراح نے فوراً آمین کہا پھر جھینپ گئی۔

''دادی۔ اگر آپ کی چہیتی نے مجھ سے شادی کی منظوری دے دی ہے تو میں اندر آجاؤں۔'' ابراہم نے ایک دم ہی کمرے میں آکر شرارت سے پوچھا۔

''تم اندر آچکے ہو بیٹا۔ اور کان لگا کر ہماری باتیں بھی سن چکے ہو۔'' دادی نے مسکرا کر کہا تو وہ ٹھوڑی کھجانے لگا۔

''کیا کروں، تجسس ہی اتنا تھا۔''

''اب جلدی سے اپنے بیاہ کی تیاری شروع کرو۔ میں بھی دو ایک دن میں گھر میں ڈھولک رکھواتی ہوں۔ آس پڑوس کی لڑکیاں بالیاں گانے بجانے آجائیں گی۔'' دادی نے خوش گوار لہجے میں پروگرام ترتیب دیا۔

''میری شادی اور اتنی سادگی۔ نہیں پیاری دادی! میں ہوٹل میں ارینجمنٹ رکھواتا ہوں۔ آپ اپنی لڑکیوں بالیوں کو لے کر وہیں چلیے گا۔'' ابراہم نے فوراً اعتراض کیا۔

''لو گانا بجانا تو گھر سے شروع ہوگا۔ ہوٹل میں مہندی مایوں رکھ لینا۔'' دادی نے مشورہ دیا۔

''اونہوں ڈھولکی بھی وہیں ہوگی کیوں نشراح! میں صحیح کہہ رہا ہوں نا۔'' ابراہم نے براہ راست نشراح کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ پہلی بار اس کی چمکتی نگاہوں سے پزل ہوئی۔

''نشراح بیٹی! میرا مشورہ ٹھیک ہے نا ڈھولک سب سے پہلے گھر آنگن میں رکھی جاتی ہے۔ ہوٹل وغیرہ میں بڑے ڈھول ڈھمکے ہوتے ہیں۔'' دادی نے اس کا بازو پکڑ کر سادگی سے رائے لی۔ نشراح دادی اور پوتے کے درمیان پھنس گئی تھی۔

''جو آپ کو بہتر لگے! وہی کیجیے۔'' وہ دھیمے سے کہہ کر کمرے سے باہر بھاگی۔

''ارے بھئی کسے بہتر لگے، مجھے یا دادی کو۔ کھل کر بتاؤ۔'' ابراہم نے پیچھے سے آواز لگائی۔

''وہ مجھ سے کہہ کر گئی ہے۔ بہت فرماں بردار بچی ہے۔'' دادی نے وثوق سے کہا۔

نہیں اس نے مجھ سے کہا ہے۔ ''تابعدار بیوی بننے کی پریکٹس کر رہی ہے۔'' ابراہم نے ہنس کر کہا تھا۔ نشراح کو دادی اور پوتے کی نوک جھونک کچن تک سنائی دے رہی تھی۔

ایک اطمینان بھری مسکراہٹ اس کے چہرے سے چھلکی۔

☆

قانتہ رابعہ

مٹھی میں ریت

''مینا تم آج کل فارغ ہی ہو ناں! اگر چھوٹا سا کام کہوں جس کا اجر بے حد حساب ہے؟''

تنزیلہ بھابھی نے اپنی نند سے کہا۔ جس نے حال ہی میں ایم ایس سی مکمل کیا تھا اور اب ایم فل کے لیے پر تول رہی تھی۔

مینا نے ایک لمحہ سوچے بغیر اقرار میں گردن ہلادی۔ ماں کی وفات کے بعد جس طرح تنزیلہ بھابھی نے اس کا اور اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھا تھا۔ وہ اس کے بدلے میں تو نہیں اس کے اعتراف میں ان کے ہر حکم کی تعمیل کو فرض سمجھتی تھی۔

اس کے فوری اقرار پر تنزیلہ بھابھی مسکرائیں۔

''مینے تم نے کام کی نوعیت بھی نہیں پوچھی؟ کیا پتا کام مشکل ہی ہو۔''

''مجھے پتا ہے آپ مجھے وہ کام کہہ ہی نہیں سکتیں جو میرے لیے مشکل ہو۔'' مینا نے جواب دیا۔

''چلو پھر تو شکر ہے...... اب کام کی نوعیت بھی سن لو اگر اوپر والے کو خوش کرنے کے لیے کیا تو درجہ بھی بہت بلند ملے گا۔ سمجھ گئیں؟'' انہوں نے علامتوں کا سہارا لیا لیکن مینا سمجھ گئی تھی۔

''جی ضرور...... کون ہے؟ کس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے؟''

''میری دوست کی بیٹی ہے بائیو میں ذرا کمزور ہے اور انگلش تو بے چاری کی ہے ہی خراب، میٹرک میں دو دفعہ دونوں مضامین میں فیل ہو چکی تھی۔ پھر تمام سبجیکٹ بدلے تو بس سمجھو گزارے جوگے نمبروں سے ہی نکلی ہے۔ اب دو چار ماہ کے بعد اس کے فرسٹ ایئر کے امتحانات ہیں مگر انگلش میں بہت پیچھے ہے۔ مالی حالات بس ٹھیک ہیں، سلسلہ چل رہا ہے دن رات کا مگر پورے شہر میں صرف لڑکیوں کے لیے کوئی اکیڈمی یا ٹیوشن سینٹر نہیں ہے۔ مخلوط اکیڈمی میں وہ بچی کو بھیجنا نہیں چاہتے۔ اس کا ذہن کوئی بہت اچھا نہیں ہے۔ براوقت بتا کے تو نہیں آتا، بہرحال احتیاط تو والدین کو ہی کرنا ہوتی ہے۔'' بھابھی نے بچی کے لیے ٹیوشن کی ضرورت کا پس منظر بتایا۔

مینا کی رضا مندی کے بعد انہوں نے اپنی دوست سے رابطہ کیا۔ اسی سہ پہر وہ دوست اپنی بیٹی اور کتابوں کے بھاری بھرکم بیگ کے ساتھ حاضر ہو گئیں۔

مینا نے خلوص نیت اور خوش دلی کے ساتھ اسے پڑھانا شروع کیا مگر بہت جلد اسے اندازہ ہوا کہ بچی، جس کا نام فاریہ تھا کند ذہن، ڈل، ڈفر، نالائقی کے مفہوم پر پورا اترتی تھی۔ پورا گھنٹہ مغز ماری کر کے وہ جو کچھ سمجھاتی، اگلے دن صفا چٹ اور ذہن صاف سلیٹ ہوتا۔ کئی دفعہ مینا کے جی میں آتا کہ ایک تھپڑ لگائے۔ مینا پڑھاتے ہوئے نوٹ کرتی وہ پوری دل

جمعی اور یک سوئی سے سن رہی ہے جب اسے سنانے کے لیے کہا جاتا تو وہ مہا ہونق بن کے آنکھیں کھول کے اسے دیکھنے لگتی۔ دو ہفتوں کے بعد مینا نے پڑھانے کا طریقہ بدلا اور سننے کے بجائے لکھنے پر متوجہ کیا۔ یہ ٹھیک ہے علم سننے اور دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے مگر علم کو محفوظ تو یاد کر کے اور لکھ کے کیا جاتا ہے۔ جب لکھنا پڑا تو شروع میں رزلٹ بہت ہی تکلیف دہ تھا۔ بس پوچھے گئے سوال ہی کو اپنی طرف سے خوب صورت ترین بنا کے لکھا ہوتا تھا۔

مینا کو اس کی نفسیات سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ رٹا پروگرام تھی اور رٹا سسٹم کی سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ اگر یاد کی گئی چیز کا پہلا لفظ ذہن سے نکل گیا تو باقی کبھی بھی آپ کو یاد نہیں آئے گا۔ اس ناکامی کے بعد مینا نے طریقہ کار بدلا اور پڑھائے جانے والے سبق کا کونسیپٹ آسان فہم الفاظ میں اس کی کھوپڑی میں منتقل کرتی جہاں پر اسے اب شبہ تھا کہ دماغ نام کی کوئی چیز ہے بھی کہ نہیں۔

مینا کی محنت کا اتنا سا رزلٹ سامنے آیا کہ وہ نصابی کتب کے الفاظ کے بجائے اپنے الفاظ میں کچھ نہ کچھ لکھنے لگی۔ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والی فضا بدل گئی تھی۔ مینا کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ کہنے کو وہ صرف ڈیڑھ گھنٹہ کہ جس کا نصف صرف اور صرف پینتالیس منٹ ہوتے ہیں پڑھاتی تھی مگر مینا اس کے جانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتی۔ صبح کو بھگوئے بادام کی گریاں کھائی..... کبھی کبھار کام والی ماسی کو پچاس کا نوٹ دے کے سر کی خوب مالش کرواتی مگر اپنا دماغ ہی لگتا تھا اب کھوتا دماغ بنتا جارہا ہے۔ سوچتی خدا خدا کر کے اس کے امتحانات ہوں اور وہ معذرت کرلے۔ ذہنی طور پر وہ تھک جاتی تھی۔

دوسری بات یہ کہ پہلے سے اس کا رزلٹ بہت اچھا تھا۔ پچھلے ماہانہ ٹیسٹ میں اس نے صرف پاس ہو کے نہیں دکھایا تھا بلکہ کلاس کی ابتدائی پچیس لڑکیوں میں اس کا نمبر تھا۔

فاریہ کو پڑھاتے ہوئے اس کو چکر آتے۔ دماغ گھومتا محسوس ہوتا۔ وہ شربت بادام، ملک شیک بنالی تو ایک گلاس اس کا بھی لانا پڑتا۔ یہ اسے اس کی مرحومہ ماں نے بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ رزق میں حصہ دار کو ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔ وہ خود بسا اوقات چلن کے دینے والے کے پاس آتا ہے۔ فاریہ اس عرصے میں کسی نہ کسی طور پر بہر حال مینا کے رزق میں حصہ دار ہی رہی۔

پھر فاریہ کی ڈیٹ شیٹ آگئی۔ ہفتہ بعد اس کا پہلا پیپر ہی انگلش کا تھا۔ مینا اسے پچھلے پانچ سالوں کے سارے تعلیمی بورڈ کے پیپر حل کروا کے دیکھ چکی تھی۔ دونوں کی محنت رنگ لائی تھی۔ مینا کا گرینڈ ٹیسٹ کا رزلٹ ناقابل یقین حد تک شاندار تھا۔ اس نے انگلش میں سو میں سے نوے نمبر لے کے کلاس میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی۔

ان گزرے تین چار ماہ میں واقعی مینا نے خلوص دل سے پڑھایا۔ بھابھی اسے اکثر شاباش دیتیں شکریہ ادا کرتیں لیکن فاریہ نے اس پورے عرصہ میں مجال ہے جو بھی زبان سے شکریہ کا ایک لفظ کہا ہو۔ کبھی اظہار تشکر کے طور پر آتے ہوئے کوئی چھوٹی موٹی چیز لائی ہو۔ جس علاقے میں فاریہ کا گھر تھا وہاں کی بریانی اور آئس کریم پورے شہر میں سب سے زیادہ مشہور تھی۔ مجال ہے جو بھی آئس کریم کا ایک کپ یا بریانی کی پلیٹ ہی پیک کروا کے لے آتی۔

پڑھانے کا ثواب اجر اپنی جگہ پڑھنے والے کی خصلت بھی تو احسان مندی کی ہونی چاہیے۔ دل ہی دل میں وہ بھابھی کی اس دوست کی بیٹی کو شوہدی، کنجوس جیسے چالیس القابات دے چکی تھی۔

پھر یہ ہوا کہ اس کا ٹیوشن کا آخری دن بھی طلوع ہوگیا۔ اس نے خود ہی بھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا۔

''مینا آپی! مجھے آدھ گھنٹہ آتے میں اور آدھ گھنٹہ جانے میں لگتا ہے رکشہ والا بہت پیسے مانگتا ہے،

مجھے اللہ کا شکر ہے اب یاد ہو جاتا ہے اب میں ٹیوشن کے لیے نہیں آؤں گی۔''

پڑھنے کے دوران وہ بار بار بھیگی آنکھوں کو صاف کرتی رہی لیکن زبان گنگ ہی رہی۔ جاتے ہوئے تنزیلہ بھابھی اور مینا سے وہ خوب پلٹ پلٹ کے ملی۔ ''آپ دونوں کا شکریہ'' جیسے الفاظ بھی ادا کیے۔ آج اس کا باپ اسے لینے آیا تھا۔ ایسے ہی مینا کے دل میں آیا، اس کی جتنی دوستیں بھی ٹیوشن پڑھانے کا کام کرتی ہیں وہ اکثر بتاتی تھیں کہ اپنی فیس کے علاوہ بھی شاگرد لڑکیاں کچھ نہ کچھ لے کے آیا کرتی تھیں۔ عید پر گفٹ بھی دیتی تھیں۔ اور تو اور خاندانی تقریبات میں مدعو کرتیں، کھانا وانا بھی پیک کروا کے بھیجتیں، ایک پتا نہیں ہماری بھابھی کو یہ مہا کنجوس شاہکار کہاں سے ملا۔

''حد ہوگئی حد، بے شرمی اور احسان فراموشی کی۔ آپ دونوں کا بے حد شکریہ۔'' چار ماہ کی ریاضتوں کا بس یہ چار الفاظ میں صلہ، اندر تک مینا کلس کے رہ گئی۔ نیکی کر تو لی مگر اب قائم رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ ٹھیک ہے وہ بھوکی نہیں تھی۔ اسے معاوضے کا لالچ بھی نہیں تھا مگر چار ماہ کی محنت پر کچھ نہ کچھ دینا تو بنتا تھا۔ اس نے کون سا رکھ ہی لینا تھا۔ فیس ہوتی یا تحفہ وہ واپس کر دیتی مگر شاگرد دیتی تو سہی!

دل اتنا برا ہوا کہ وہ کمرے میں بند ہوگئی۔ موبائل کھولا اسٹیٹس چیک کیے اور کچھ سوچ کے سٹیٹس ٹائپ کرنے لگی۔

''کچھ لوگ بہت بے مروت ہوتے ہیں، احسان ماننا تو درکنار تسلیم ہی نہیں کرتے۔ جیسے ہماری نالائق شاگرد جسے پوری آب وتاب سے پہلے دس نمبروں میں شامل کروایا مگر..... (اس کے بعد کانوں کو ہاتھ لگانے والی امجیز، ایک دو تین چار.....'')

ایک دو لمحہ کچھ سوچا پھر اپ لوڈ کر دیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ ''پھوپھو جانی پھوپھو جانی بابا بلا رہے ہیں۔'' مینا کا چار سالہ بھتیجا اس کو بلانے آیا۔ مینا وہاں پہنچی تو بھابھی جان بریانی اور آئس کریم کے بڑے بڑے پیک لے کے کھڑے تھے۔

''چلو بھئی مینا شہزادی! جلدی سے کھانا لگاؤ۔''

مینا نے جلدی سے برتن دستر خوان پر رکھے۔ بھابھی بھی نماز پڑھ کے آئیں۔ بریانی کھول کر ڈش مین رکھی، آئس کریم فریزر میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''تمہاری شاگرد کے والد صاحب دے کے گئے ہیں۔ اور یہ فاریہ تمہارے لیے دے کے گئی ہے کہہ رہی تھی میرے جانے کے بعد دیجیے گا۔'' مینا نے کھانا بھول کے کاغذ کھولا۔

''پیاری مینا آپی! میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھول سکتی۔ پاؤں کے نیچے دب جانے والے ذرے کو آپ نے چمکا کے آسمان کا ستارہ بنا دیا۔ مجھے شکریہ ادا کرتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔ یہ حقیر سا تحفہ ہے، اصل تحفہ تو اللہ جی دے سکتے ہیں میں بس روزانہ دو نفل پڑھ کے آپ کے لیے بے پناہ اجر کی دعا کرتی ہوں اور ان شاء اللہ مرتے دم تک کرتی رہوں گی۔ ہم مزدور لوگ ہیں، رکشہ والا پانچ ہزار مانگتا تھا مہینہ کے میں روزانہ پیدل آتی اور جاتی اس طرح میرے پاس بیس ہزار جمع ہوگئے۔ کچھ میرے پاس جمع شدہ رقم تھی جو عید پر ملی تھی۔ یہ سونے کی انگوٹھی ہمیشہ آپ کو میری نالائقیاں اور اپنی محنت یاد کروائے گی..... امی آپ کو رزلٹ کے بعد تحائف دیں گی۔ میں نے سوچا انعام نتیجے پر نہیں محنت پر دیا جائے۔ آپ کی محنت اور محبت کے لیے چھوٹا سا تحفہ قبول کیجیے۔ والسلام نازیہ۔''

جگمگ کرتی سبز اور سفید موتی والی سونے کی انگوٹھی کاغذ سے نکل کے اس کی گود میں آ گری تھی۔ اس نے بھاگ کے موبائل اٹھایا۔ اوہ میرے خدا کہیں فاریہ نے اسٹیٹس چیک نہ کر لیا ہو۔

جونہی اس نے اسٹیٹس والا آپشن ڈلیٹ کرنے کے لیے کھولا اسٹیٹس دیکھنے والوں میں دو منٹ پہلے سب سے اوپر فاریہ رمضان کا نام تھا۔

☆

نمرہ احمد

حالم

چونتیسویں قسط

"کیوں؟ کیا ہو جاتا ہے چھ سال میں؟ کیا قتل کے الزامات مٹ جاتے ہیں؟ کیا پولیس کیس بند ہو جاتے ہیں؟ کیا چھ سال کسی کو بھلا دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟ کیا چھ سالوں میں کسی سے محبت کہنا چھوڑ جا سکتی ہے؟ کچھ بھی نہیں بدلتا چھ سال میں۔ وقت نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔" تلخی سے کہہ کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک بات۔" ان کی آواز پہ وہ بادل نخواستہ رکی۔

☆☆☆

اب آسمان صاف ہو چکا تھا۔ بارش رکے بیس منٹ ہوئے تھے لیکن سورج جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور احمد نظام کا لان چمکیلی دھوپ سے منور ہو گیا تھا۔

وہ لان کے دہانے پہ احمد نظام کے ساتھ کھڑی ان کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ اس نے ہڈ سر پہ لے رکھی تھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

"کیا آپ میرا کیس لیں گے؟" اس نے انہیں امید سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنا ہائی پروفائل کیس میں ضرور لوں گا' چے تالیہ۔ میں نے آپ کو پچھلے دو گھنٹے یہ فیصلہ کر کے ہی دیے تھے۔"

وہ مسکرادی۔ "میں اور آپ مل کے کورٹ میں میری بے گناہی ثابت کریں گے۔ کیونکہ وقت کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا اور میرے ساتھ وقت بہت مہربان رہا ہے۔"

"کچھ دیر پہلے آپ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔"

تالیہ نے چمکتی روشنی سے منور لان کو دیکھا۔ "سمجھیں ایک لمحے میں میرا دل بدل گیا ہے۔"

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیے۔ "اب آپ کہاں جائیں گی؟"

"پارلیمان ہاؤس۔ وہاں پردھان منتری اپنے منسٹرز کے ساتھ آج اجلاس میں شرکت کرنے آئیں گے۔ میں نے صبح نیوز میں دیکھا تھا۔"

"اتنے رش میں وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں پائیں گے۔ لیکن اگر کسی اور نے دیکھ لیا تو آپ گرفتار ہو سکتی ہیں۔"

"تو آپ ہیں نا میرے وکیل۔ میری ضمانت کے کاغذات تیار رکھیے گا۔" معنی خیز نظروں سے ان کو دیکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

پارلیمان کی عمارت میں کافی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ یا شاید وقت بدل گیا تھا۔ یہی لفٹ تھی' یہی در و دیوار تھے جہاں وہ وان فاتح کی کافی پکڑے اس کے پیچھے تیز تیز چلا کرتی تھی۔ فاتح' تالیہ' باڈی مین' گارڈ' سب ایک ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے تھے۔ ایک ساتھ نکلتے تھے۔ راستے میں وہ ان کو مختلف کاموں سے آگاہ کرتی جاتی تھی۔

مگر تب فاتح کے اردگرد اتنا رش نہیں ہوتا تھا جتنا آج تھا۔ لفٹ کے دروازوں کے سامنے ہجوم اکٹھا تھا۔ صحافی' کیمرہ مین' سیکیورٹی کا عملہ.... سب تیار بیٹھے تھے کہ ادھر پردھان منتری لفٹ سے نکلیں'

اور ادھر وہ ان پہ ٹوٹ پڑیں۔

وہ کاریڈور کے دوسرے سرے پہ کھڑی تھی۔ سر پہ ہڈ ڈالے' سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے لفٹ کے بند دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلے گا' راہداری پار کرے گا' اور سامنے والے دروازوں کے پار گم ہو جائے گا۔ ایک راہداری پار کرنے میں اسے چھ سیکنڈ لگنے تھے۔ تالیہ کو چھ سال لگے تھے۔ لیکن وقت وقت کی بات تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ اندر سے وان فاتح چار پانچ افراد کے ہمراہ نکلا۔ وہ نکلتے ہی مسکرا کے رپورٹرز کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔ اس کے قدم راہداری پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ رپورٹرز مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔

ایک سیکنڈ.... دو سیکنڈ.... پانچ سیکنڈ.... اور وہ دروازے کے پار گم ہو گیا۔ اس نے تالیہ کو نہیں دیکھا۔

فاتح کے پیچھے چلتے اشعر کو رپورٹرز نے گھیر لیا۔ وہ مسکرا کے ان سے بات کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ راہداری کے وسط میں تھا جب رپورٹرز کے ہجوم سے دور کونے میں کھڑی لڑکی پہ اس کی نظر پڑی۔ سیاہ ہڈ کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر مسکرا کے رپورٹرز کو ہاتھ ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

وہ تین قدم چلا۔ پھر رکا۔ ذہن نے اس چہرے کو پہچاننے میں چند لمحے لیے تھے۔

وہ ایک دم چونک کے مڑا۔

وہ ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر لڑکی گویا کرنٹ کھا کے گھوم گئی۔ رپورٹرز کا ہجوم راستے میں آ گیا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے اسے تلاشنا چاہا۔ رپورٹرز سامنے سے ذرا ہٹے تو اس نے دیکھا.... وہ لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔

وہ زیادہ دیر وہاں نہیں کھڑا ہو سکتا تھا کہ رپورٹرز پھر سے سوالات اس کی جانب پھینکنے لگے تھے۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ البتہ اس کا سارا وجود گہرے تعجب کے زیر اثر تھا۔ کیا اس نے واقعی تالیہ مراد کو دیکھا تھا یا یہ اس کا گمان تھا؟

☆☆☆

ڈائننگ ہال میں ناشتہ چنا تھا اور ہر روز کی طرح سر براہی کرسی پہ وان فاتح بیٹھا چائے پینے کے ساتھ موبائل پہ مصروف نظر آتا تھا۔ اشعر اور جولیانہ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ بیٹھے تھے۔ اشعر کافی کپ میں چمچ ہلا رہا تھا اور جولیانہ تیز تیز دلیہ کھا رہی تھی۔ وہ سیاہ لمبے بالوں اور اداس آنکھوں والی ٹین ایج لڑکی تھی جس کا سر عموماً جھکا رہتا تھا۔ اس میں عصرہ کی شباہت واضح محسوس ہوتی تھی۔

دروازہ بٹلر کے ساتھ کھلا۔ تینوں نے چہرے اٹھا کے دیکھا تو سامنے بیشا کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

''سوری میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔'' اس نے ہونٹ باہم ملا کے خفت سے کندھے اچکائے۔ گرے منی کوٹ پہ شہد رنگ بالوں کو دونوں طرف سے ٹوئسٹ میں باندھے' اس نے کانوں میں موٹے موٹے سفید موتی پہن رکھے تھے۔ چمکدار سیاہ جوتوں سے چلتی وہ ان کے قریب آئی اور معذرت چاہی تو جولیانہ مسکرا دی۔

''نو پرابلم میم۔ میں بس ناشتہ ختم کرنے والی ہوں۔'' ساتھ ہی جولیانہ نے وال کلاک کو دیکھا۔

''نہیں۔ تم آرام سے ناشتہ کرو۔ میں خود ہی جلدی آئی تھی۔ مجھے دانتو سری سے بات کرنی تھی۔'' وہ لب کاٹتی' شرمندگی اور جوش کے ملے جلے تاثر کے ساتھ فاتح کو مخاطب کر کے بولی تو اس نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے عام حالات میں بے حد بر اعتمادی بیشا پردھان منتری کے سامنے اپنا اعتماد کھو دیتی تھی۔ شاید بہت سے لوگ کھو دیتے تھے۔

''شیور۔ سب خیریت ہے' مسز بیشا؟'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''آپ ادھر آ جائیں۔'' جولیانہ اپنی کرسی سے

اٹھی اور ادب و اپنائیت سے میشا کو جگہ پیش کی۔ فاتح نے مسکرا کے جولی کے انداز کو دیکھا۔ جب سے میشا اس کی ٹیوٹر بنی تھی' جولیانہ کے انداز میں بہت رکھ رکھاؤ آ گیا تھا۔ تمیز' تہذیب' آداب۔ وہ علم ٹین ایجرز کی طرح سلینگ نہیں بولتی تھی۔ ٹیکسٹ لکھتی تو پورے الفاظ لکھتی۔ بولتی تو گاڑھی زبان بولتی۔ اب بھی فاتح نے دیکھا کہ میشا' جولیانہ کا شکریہ ادا کر کے کرسی پہ بیٹھی اور جس نفاست سے اپنا ہیٹ ایک طرف رکھا اور پرس دوسری طرف' جولیانہ اس کا انداز کسی مشاق طالب علم کی طرح نوٹ کیے جا رہی تھی۔

''میں دراصل ایک درخواست کرنا چاہتی تھی۔''

''جی بتایئے۔'' فاتح نے کپ نیچے رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

اشعر نے مسکرا کے جولیانہ کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں نے معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا اور سر جھکا لیا۔ ادھر میشا کہہ رہی تھی۔

''اور آپ بغیر کسی مروت کے انکار کر سکتے ہیں۔''

''ظاہر ہے میں انکار کر سکتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

میشا کے گال سرخ ہوئے۔ اس کا رہا سہا اعتماد بھی متزلزل ہونے لگا۔

''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے.... میں ایک فوٹو گرافر بھی ہوں۔ میں اپنی ایک ایگزیبیشن منعقد کر رہی ہوں۔ اگلے ہفتے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس میں شرکت کریں۔'' اس نے بیگ سے ایک کارڈ نکال کے سامنے رکھا۔ فاتح نے کارڈ تھاما اور کھول کے سرسری سا دیکھا۔

''اتوار کو؟''

''جی۔ اتوار کو۔ کیا آپ وقت نکال سکیں گے؟'' وہ امید سے پوچھ رہی تھی۔ انکار کا خوف بھی تھا۔

فاتح نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو اشعر تیزی سے بولا۔ ''اتوار کو بیس پچیس منٹ کے لیے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہے' آبنگ۔ آپ آسانی سے وقت نکال لیں گے۔''

جولیانہ نے مسکرا کے سر مزید جھکا دیا۔ فاتح نے البتہ صرف ایک گہری نظر اشعر پہ ڈالی اور پھر میشا کو دیکھا۔

''نمائش کس بارے میں ہے؟''

''میری فوٹو گرافی کلیکشن کے بارے میں۔''

''آپ کیا فوٹو گرافی کرتی ہیں؟''

''قدرتی مناظر میں نظر آتے جانور۔''

''کون سے جانور؟''

''گھوڑے۔ دراصل.... نمائش گھوڑوں کی تصاویر کے بارے میں ہے۔ سیاہ اور سفید گھوڑے۔ زیادہ سیاہ۔'' وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ اب وہ پرجوش نظر آنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''سیاہ گھوڑے کیوں؟ لڑکیاں تو سفید گھوڑے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ فیری ٹیلز کے جیسے۔'' اس نے کپ سے آخری گھونٹ بھرا اور ساتھ ہی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے اب جانا تھا۔

''جس زمانے میں فیری ٹیلز لکھی گئی تھیں' تب شاید انسانوں کو ان کی سفیدی کی وجہ سے پسند کیا جاتا تھا۔ اب ہم مختلف زمانے میں رہ رہے ہیں' داتو سری۔ ہم بطور انسان ڈارک ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی سیاہی کو قبول کر لینا چاہیے۔'' (توقف سے بولی) ''کیا میں توقع رکھوں کہ آپ میری نمائش کا فیتا کاٹیں گے؟'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''اور میں آپ کے عہدے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی۔ نہ ہی آپ کو بطور پردھان منتری بلا کے اپنی نمائش کو مشہور کروانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ زیادہ تر میرے اسٹوڈنٹس کے پیرنٹس ہیں۔''

''پھر تو ربن کوئی دوسرا پیرنٹ بھی کاٹ سکتا ہے۔''

''کوئی دوسرا پیرنٹ پردھان منتری ہے کیا؟'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ اب کے مسکرا بھی رہی تھی۔

''او کے۔ آپ یہ کارڈ میرے پروٹوکول آفیسر کو دے دیں۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو۔''

''آپ کو معلوم ہے میرا پروٹوکول آفیسر کون ہے؟''

''نہیں۔'' میشا نے شرمندگی سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دانتوں سے لب بھی کاٹے۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''آپ جب گھر میں داخل ہوئی ہوں گی تو سامنے....''

''آپ رہنے دیں۔ میں دے دوں گا۔ میں پی ایم کا چیف آف اسٹاف ہوں۔ یہ کام بھی میری جاب ڈسکرپشن میں آتے ہیں۔'' اشعر نے جلدی سے کارڈ پکڑ لیا اور شائستگی سے بولا تو میشا مسکرا دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو۔ آپ آئیں گے نا؟'' وہ کسی فین گرل کی سی ایکسائٹمنٹ سے پوچھ رہی تھی۔ انگلیاں باہم ملا رکھی تھیں۔

''میں کوشش کروں گا۔'' وہ رسماً اتنا بولا۔ جولیانہ ناشتہ ختم کر چکی تھی۔ وہ میشا کو لیے وہاں سے رخصت ہوگئی تو اشعر کھنکھارا۔

''آپ کو اس لڑکی کے لیے ٹائم نکالنا چاہیے' آبنگ۔''

''میں سمجھ رہا ہوں' جو تم کر رہے ہو۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے سر جھٹک کے اٹھا تو اشعر بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

''لیکن آپ مجھے روک نہیں رہے۔ میں بھی سمجھ رہا ہوں۔''

فاتح بس مسکرا کے آگے بڑھا جب اشعر کو یاد آیا۔

''سچ.... مجھے یاد آیا.... پتا ہے کل میں نے پارلیمان میں کس کو دیکھا؟''

فاتح نے مڑ کے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تمہاری ایکس وائف؟''

''نہیں۔'' اس نے برا منہ بنایا۔ پھر سر جھٹکا اور دبے دبے جوش سے بولا۔

''میں نے کل تالیہ مراد کو دیکھا۔''

وہ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑا' گردن موڑ کے اشعر کو دیکھ رہا تھا۔ ان الفاظ پہ اسی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا اگلا سانس لیے۔

وقت جیسے تھم گیا تھا۔ گھڑی کی سوئی رک گئی تھی۔ ساری دنیا دم سادھے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

پھر فاتح کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے تعجب سے دہرایا۔ ''تم نے.... تالیہ مراد کو دیکھا؟ تالیہ؟ ہماری تالیہ؟''

''جی۔ پارلیمان ہاؤس میں۔ آئی مین....'' اشعر اسے اتنا سنجیدہ دیکھ کے ہکلایا۔ ''مجھے ایک لڑکی کو دیکھ کے لگا کہ وہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے میز پہ ہتھیلیاں رکھیں اور اس کے سامنے جھکا۔

''اشعر محمود.... تم نے تالیہ کو دیکھا.... یا نہیں؟''

اس کی آواز' انداز' آنکھیں... ان سب میں اتنی سنجیدگی تھی کہ اشعر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

''مجھے.... گمان گزرا... کہ وہ تالیہ تھی۔ ایک سیکنڈ کے لیے اسے دیکھا لیکن پھر وہ مڑ گئی۔ آئی ڈونٹ نو۔ شاید وہ تالیہ نہیں تھی۔'' اس نے لہجے کو عام سا تاثر دینے کی کوشش کی۔ فاتح سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔ اتنا ڈسٹرب کہ اشعر متعجب رہ گیا تھا۔

وان فاتح خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے وہ ابھی تک اشعر کی بات پہ یقین نہ کر پا رہا ہو۔

اس کے جانے کے بعد اشعر نے تیزی سے فون نکالا اور ایک نمبر ملایا۔

''فوراً میرے پاس آؤ۔ مجھے پارلیمان جانا ہے۔ ہاں سب خیریت ہے۔ بس ایک اشتہاری مجرم کو میں نے کل وہاں دیکھا تھا۔ اس کی گرفتاری کے لیے کچھ اقدامات کرنے ہیں۔ جلدی آؤ۔''

فون رکھ کے اس نے نمائش کا دعوت نامہ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائننگ ہال سے نکل کر جو راہداری تھی وہاں میشا ایک کرسی پہ بیٹھی کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی جب جولیانہ اندر داخل ہوئی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسے میز پہ رکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ میشا نے نظر اٹھائی تو اس کا سفید چہرہ دیکھ کے چونکی۔

''جولی.... تم پانی لینے گئی تھیں۔ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟'' نرمی سے استفسار کیا۔

جولیانہ نے بے چینی سے لب کاٹے۔ ''اشعر انکل ڈیڈ سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تالیہ مراد کو دیکھا۔''

''تالیہ مراد کون؟'' میشا نے الجھ کے اسے دیکھتے ہوئے کتاب بند کی۔

''جس پہ میری ماما کے قتل کا الزام تھا۔ وہ کئی سال پہلے یہاں سے چلی گئی تھی۔ شاید ملک سے بھاگ گئی تھی۔''

''اچھا ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا ایک دفعہ۔ وہ داتو سری کی چیف آف اسٹاف ہوتی تھی۔''

''اب کیا وہ ہماری زندگیوں میں واپس آجائے گی؟'' وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''جولیانہ۔'' میشا نے نرمی سے اس کے یخ ہوتے ہاتھ تھامے اور اس کی طرف جھکی۔ ''کوئی آئے یا جائے' اس سے تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم سب تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔''

''اس پہ میری ماما کا قتل ثابت نہیں ہوا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے اس نے ماما کا قتل کیا ہوگا؟'' جولیانہ عجیب سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''دیکھو بچے! بغیر ثبوت کے کسی پہ الزام لگانا گناہ ہوتا ہے۔ ہمیں کیا معلوم اس نے قتل کیا تھا یا نہیں؟ یہ ثابت کرنا عدالت کا کام ہے۔ تم نے ان باتوں کا اثر خود پہ نہیں لینا۔ یہ داتو سری کا مسئلہ ہے۔ وہ ہینڈل کر لیں گے۔ تم نے ٹیسٹ تیار کرنا ہے ابھی۔ ٹھیک؟'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ جولیانہ نے سر جھکا کے گردن ہلائی۔

☆☆☆

لفٹ کے دروازے کھلے تو تالیہ نے قدم باہر رکھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر پہ ہڈ پہنے' وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتی باہر نکلی۔ سامنے دو طرف مڑتی راہداریاں تھیں جن میں اپارٹمنٹس کے دروازے کھلتے تھے۔

ایڈم کا دروازہ بالکل سیدھ میں تھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔ اس دروازے کی گھنٹی پہ ہاتھ رکھنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔ یونہی پیچھے مڑ کے دیکھا تو لفٹ جو نیچے جا چکی تھی اب واپس اوپر آرہی تھی۔ چار منزلوں کا فرق رہ گیا تھا۔ سرخ ہندسہ ہر سیکنڈ تبدیل ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے دوسری راہداری کی اوٹ میں ہو گئی۔ جانے کون اندر سے نکلے۔

دروازہ کھلا اور صوفی باہر نکلی۔ چھوٹے بالوں اور گول بالیوں والی صوفی فائلز کا پلندہ اٹھائے' جھنجھلاتی ہوئی ہینڈ بیگ بھی سنبھال رہی تھی۔ اس کا اسٹریپ بار بار کہنی سے لٹک جاتا۔ تالیہ نے اوٹ سے دیکھا' وہ ایڈم کے دروازے کی سمت میں جا رہی تھی۔ یکا یک بیچ راہداری کے اس کا بیگ پھسلا۔ اس کو سنبھالتے سنبھالتے ساری فائلز نیچے جا گریں۔

''یا اللہ۔'' وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے غصے سے بولی۔ دفعتاً ایڈم کے دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ اوٹ سے دیکھتی تالیہ فوراً پیچھے ہو گئی۔ دل بری طرح دھڑکا۔

''اوہ۔ میں تمہیں بلانے نیچے آنے لگا تھا۔ کب سے انتظار....'' ایڈم کی آواز ٹوٹ گئی۔ ''یہ کیا کیا تم نے؟ کافی تو نہیں گرادی میرے پیپرز پہ؟ یا

اللہ صوفی....''

''کافی لائی ہی نہیں۔ سوچا پیپرز پکڑا آؤں پھر لاتی ہوں۔ آپ کی مہمان آ گئی؟''

''نہیں۔ اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔'' آوازوں سے محسوس ہوتا تھا دونوں نیچے بیٹھے ایک ساتھ پیپرز چن رہے ہیں۔ ''تم نے ساری ترتیب ہی بگاڑ دی۔ ان کو اسٹیپل تو کر لینا تھا۔''

''سوری باس۔'' پھر وہ توقف سے بولی۔ ''میں نے تالیہ مراد کی جو فائل بنائی تھی وہ پڑھ لی آپ نے؟''

''ہاں پڑھ لی۔ کیا یہ واقعی سچ ہے کہ وہ کون آرٹسٹ تھی؟'' آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ تالیہ دیوار سے کان لگائے سانس روکے سنے گئی۔

''جی باس۔ اس نے صوفیہ رحمٰن سے سرکاری معافی نامہ لیا تھا عصرہ کو قتل کرنے سے پہلے۔''

''یعنی عصرہ کا قتل اس نے معافی نامے کے بعد کیا۔ چچ چچ۔'' وہ ایک اجنبی سا تبصرہ تھا۔

''مگر سوال یہ ہے صوفی کہ وہ مجھے اپنی کہانی کیوں بتانا چاہتی ہے؟ وہ کسی بھی اینکر کے پاس جا سکتی تھی۔ میں ہی کیوں؟''

''کیونکہ آپ مس مراد کو جانتے تھے۔ آپ کی مختلف پارٹیز میں اکٹھی تصاویر بھی ہیں چھ سال پہلے کی۔''

''وہی تو مسئلہ ہے۔ جب عورتوں نے سنا کہ ایڈم کی یادداشت کھو گئی ہے تب سے اتنی عورتیں آ کے دعوا کرنے لگیں کہ میں ان کو جانتا ہوں۔ کسی کو میں نے ادھار دیا تھا' کسی کو میں نے پرپوز کیا تھا' اور پتا نہیں کیا کیا۔'' وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ''اتنی مشکل سے یہ سلسلہ رکا تھا۔ اب معلوم نہیں مس مراد کو میں کیوں جانتا تھا اور اس کے ساتھ میں نے کیوں پارٹیز اٹینڈ کی تھیں۔''

''آپ نے اپنی والدہ سے پوچھا؟''

''ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب میں وان فاتح کا باڈی مین تھا' تب وہ ان کے امیر فیملی فرینڈز میں سے ایک تھی اور کبھی کبھی مجھ سے ملنے گھر بھی آتی تھی۔ اب پتا نہیں اس کا بیان کیا ہوگا۔'' وہ جھنجھلایا ہوا لگتا تھا۔

''ریلیکس باس۔ اگر جھوٹ بول رہی ہوگی تو معلوم ہو جائے گا۔''

''پھر بھی اس کی مزید چھان بین کرو۔ وہ کرمنل رہ چکی ہے۔ اس کا کوئی خفیہ ایجنڈا بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ دونوں اب اندر جا رہے تھے۔ دروازہ بند ہوا تو تالیہ نے آنکھیں کرب سے بند کیں۔ ''اوہ ایڈم....!''

ایڈم کی ڈور بیل بجانے کا وقت آ گیا تھا۔

صوفی اسے خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتی اندر لے آئی۔ تالیہ نے ہڈ پیچھے گرا دی تھی اور سیاہ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس رکھے تھے۔ طائرانہ نگاہوں سے اس پرتعیش اپارٹمنٹ کا جائزہ لیتی وہ صوفی کے پیچھے اسٹڈی میں آ گئی۔ وہاں اجلے سفید صوفے رکھے تھے جن پہ سیاہ اور پیلے کشن رکھے تھے۔ کتابوں کے شیلف دونوں اطراف میں سجے تھے۔

ایڈم ایک صوفے پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔ اسے صوفی کے پیچھے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور ہلکی مسکرایا۔

''خوش آمدید' مس مراد۔'' اس کا چہرہ اجنبی تھا۔ وہاں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

''وقت دینے کا شکریہ' ایڈم صاحب۔'' تالیہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی سامنے بیٹھی۔ ہلکی بڑھی شیو' آنکھوں پہ چشمہ' اور نیلی جینز کے اوپر پوری آستین کی سبز ہائی نیک شرٹ اسے بہت سوبر بنا رہی تھی۔ البتہ چہرے کی سادگی آج بھی ویسی ہی تھی۔

''مس مراد۔ میں کافی لینے جا رہی ہوں۔'' صوفی نے ایک اچھے میزبان کی طرح اسے مخاطب کیا۔ ''آپ کس قسم کی کافی پسند کریں گی؟''

''جس کو لانے میں آپ کو کافی دیر لگے۔'' اس نے صوفی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سے انداز میں کہا۔

لڑکی کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔ پھر اس نے ایڈم کو دیکھا۔ اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کے زبردستی مسکرائی۔

''اسپریسو کے ڈبل شاٹ ٹھیک رہیں گے۔''

اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دونوں اب اسٹڈی روم میں اکیلے بیٹھے تھے۔ آمنے سامنے۔ درمیان میں میز حائل تھی۔ تالیہ کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ایڈم کی سادہ نظریں بھی اس پہ جمی تھیں۔

''آپ نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروا رکھی ہے' مس مراد؟'' وہ ریکارڈر کا بٹن دباتے ہوئے بولا۔

''چھ سال پہلے آپ مجھے چے تالیہ کہتے تھے۔ مس مراد قدرے مغربی طرز تخاطب ہے۔ لیکن خیر.... ملائیشیاء کافی مغربی ہوتا جارہا ہے۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے بغور اسے دیکھا۔

''آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ کافی عرصے بعد ملائیشیاء آئی ہیں۔ کیا آپ نے ضمانت کروا رکھی ہے' مس مراد؟''

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ چھ سال پہلے آپ مجھے کیسے جانتے تھے؟''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پلک جھپکے بنا۔ کتابیں سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ ایک معروف سوشلائٹ تھیں۔'' اس نے انداز کو سرسری بنایا۔

''آپ کے فرار کے بعد پولیس نے مجھ سے بھی کئی ایک بار آپ کے متعلق پوچھا تھا۔''

''آپ جانتے ہیں یا آپ کو ''یاد'' ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرائی۔

ایڈم کے چہرے پہ بے زاری سی ابھری۔ اس نے پہلو بدلا۔ ''اوکے فائن۔ میری یادداشت ایک حادثے میں متاثر ہوئی تھی۔ اس لیے اگر میں نے ان چھ ماہ میں آپ سے کوئی معاہدہ کیا تھا تو آپ مجھے ابھی بتادیں۔ میں پہیلیوں کا شوقین نہیں ہوں۔ لیکن ہاں.... آپ کو کسی بھی معاہدے کا تحریری ثبوت دینا ہوگا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''نہیں۔ آپ کا میرے اوپر کوئی ادھار نہیں ہے۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی معاہدہ' کوئی وعدہ نہیں ہوا تھا۔ بس چند ایک دفعہ پارٹیز میں ملاقات ہوئی تھی۔ دیٹس اِٹ۔'' اس نے بھی انداز کو اجنبی بنالیا۔

ایڈم نے گہری سانس لی۔ اسے جیسے ڈھیروں اطمینان ملا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اسٹوری کو کور کریں اور حقائق عوام کے سامنے لائیں۔''

''سچ کیا ہے' اس کا فیصلہ عوام کرتے ہیں۔ میرا کام دونوں اطراف کی کہانی کو عوام کے سامنے لانا ہے۔ اگر آپ کا کیس چلتا ہے تو میں پراسیکیوشن کا بیانیہ سامنے لانے کا بھی پابند ہوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسٹڈی روم میں خاموشی چھا گئی۔

''اوکے۔ آپ بتائیں۔ آپ کا سچ کیا ہے۔''

ایڈم ٹانگ پہ ٹانگ جما کے ٹیک لگا کے بیٹھا اور گھٹنے پہ نوٹ بک رکھ کے قلم کھول لیا۔

''آپ کو میں واقعی یاد نہیں ہوں؟'' پتا نہیں اس نے کس آس کے تحت پوچھا۔

ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''نہیں۔ آئی ایم سوری۔ لیکن مجھے اردگرد کے لوگوں نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں وان فاتح کا باڈی مین تھا ایک زمانے میں۔''

''ایک زمانے میں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''وہیں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور ایک پارٹی میں آپ نے وان فاتح کے بااثر مہمانوں کے سامنے میری حمایت کی تھی۔ یاد نہیں کس بات پہ۔'' سادگی سے شانے اچکا دیے۔

''یہ آپ کو آپ کی والدہ نے بتایا ہوگا یقیناً۔''

وہ زخمی سا مسکرائی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ہمارے درمیان اس سے زیادہ بھی کچھ تھا؟'' اس کی آنکھوں میں تجسس کی چمک در آئی۔ جیسے وہ اس لڑکی کو جاننے کا خواہشمند ہو۔

''نہیں۔ بس ایک اچھی شناسائی تھی۔ اور ایک سفر ہم نے اکٹھا کیا تھا۔''

''جنگل کا؟'' وہ چونک کے بولا تو وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے وہ سفر؟'' الجھ کے پوچھا۔

ایڈم کھنکھارا' اور پھر الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔

''مس مراد میں آپ سے ملنے پہ اس لیے راضی ہوا ہوں کیونکہ میں نے ایک عرصہ اپنے اردگرد آپ کا ذکر سنا ہے اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کس قسم کا تعلق تھا۔ کیونکہ میری یادداشت کے متاثر ہونے کے بعد میں۔ نے چند ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ عجیب سی بات ہے لیکن ہم دونوں ہمیشہ ایک نہ ختم ہونے والے جنگل میں سفر کر رہے ہوتے تھے۔''

''صرف ہم دونوں؟''

''جی۔ صرف ہم دونوں۔ کیوں؟ کیا کوئی اور بھی تھا؟'' وہ آگے کو ہوا۔

''میں آپ کے سارے سوالات کے جوابات دے دوں گی لیکن پہلے آپ کو میری کہانی لوگوں کو بتانی ہوگی۔ ڈیل؟''

ایڈم بن محمد کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ وہ جیسے پرجوش نظر آنے لگا تھا۔

''ڈیل۔'' پھر توقف سے بولا۔ ''یعنی آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھ چھ سال پہلے کیا ہوا تھا؟ میری یادداشت کیوں کھوئی تھی؟''

''جی۔ میں آپ کو تھوڑا بہت بتائے دیتی ہوں۔ ہم ایک سفر پہ گئے تھے۔ اور آپ کو جنگلی جڑی بوٹیوں کے علم پہ عبور حاصل تھا۔ سفر کے آخر میں آپ نے مجھے کچھ بتانا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم جنگل کے اس پار جا کے اس بارے میں بات کریں گے۔ ایک بات کا ادھار تھا آپ کے اوپر بس۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اس لمحے کے آنے سے ڈرتے تھے۔ آپ کا دل اتنی بری طرح ٹوٹا تھا کہ آپ نے ایسی دوا بنا کے کھائی تھی جس سے آپ کی مخصوص وقت کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ آپ نے اپنی یادداشت کو خود کھویا ہے۔ جان بوجھ کے۔''

''یہ ناممکن ہے۔ کوئی دوا ایک مخصوص وقت کی یاداشتیں کیسے ختم کر سکتی ہے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''تو پھر آپ کی یادداشت کیسے کھوئی؟ آپ نے یہ اپنے ساتھ خود کیا تھا۔ آپ ایسے تجربے کرتے رہتے تھے دواؤں کے ساتھ۔ یادیں تکلیف دیتی ہیں' ایڈم صاحب۔ اس لیے دیکھیں.... آج آپ کتنے خوش اور مطمئن ہیں۔ ایک شخص کو ذہن سے مٹا دینے سے کتنے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔''

ایڈم کی آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔ ''اوکے۔ مجھے اس بات پہ یقین نہیں آیا لیکن وقت کم ہے اس لیے آپ کے کیس کے بارے میں بات کرتے ہیں۔'' اس نے گھڑی دیکھ کے سوالات کا آغاز کیا۔ ''آپ اپنے دفاع میں کیا کہیں گی؟''

''عصرہ محمود نے خودکشی کی تھی۔'' صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھی لڑکی اطمینان سے بولی۔ ''وہ اپنی زندگی سے مایوس تھیں۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسانے کا بندوبست کیا تھا۔''

وہ لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔ قلم رکھ دیا۔ پھر ریکارڈر کا بٹن بند کیا۔

''مس مراد.... آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کوئی بھی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

''اور عصرہ کو یہ معلوم تھا۔ وہی اصل قاتل ہیں۔ میں مشکل میں اس لیے ہوں کہ کوئی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

اسٹڈی روم کی فضا میں تناؤ سا در آیا۔ ایڈم کے چہرے پہ اکتاہٹ پھیلنے لگی۔

''آپ میرا وقت تو نہیں ضائع کر رہیں؟''

تالیہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جس لمحے میڈیا کو معلوم ہوگا کہ پردھان منتری کی بیوی کی قاتل تالیہ مراد ملائیشیا واپس آ چکی ہے.... اور میرے اوپر مقدمہ چلے گا.... اس وقت سارے چینلز میرا چہرہ دکھائیں گے۔ سارے رپورٹرز مجھ سے بات کرنا چاہیں گے۔ لیکن میں صرف ایک اینکر سے بات کروں گی۔ اگر آپ وہ ایک رہنا چاہتے ہیں اور اپنے کیریئر کی سب سے سنسنی خیز اسٹوری کور کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنا وقت مجھ پہ صرف کرنا پڑے گا۔'' اس کا لہجہ ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایڈم کے انداز میں واضح تبدیلی آئی۔ اس نے پہلو بدلا اور جلدی سے بولا۔

''ظاہر ہے میں آپ کی اسٹوری کور کرنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں ہے کہ میں آپ سے متفق ہوں لیکن میں آپ کی کہانی ضرور آگے بتاؤں گا۔ کیا آپ اپنے دعوے کو ثابت کر سکتی ہیں؟''

''عصرہ یہ کام اکیلے نہیں کر سکتی تھیں۔ کوئی تھا جس نے ان کی مدد کی۔ مجھے اس شخص کو ڈھونڈنا ہے۔''

''یعنی ابھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے؟''

''آپ ثبوت ڈھونڈنے میں میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ آپ انویسٹی گیٹو جرنلسٹ ہیں۔ اپنے پرتعیش آفس سے باہر نکلیں اور میرے ساتھ سڑکیں ماپیں' ایڈم صاحب۔ بغیر محنت اور تفتیش کے اتنی بڑی اسٹوری آپ کو کیسے مل سکتی ہے؟''

''میں تیار ہوں۔'' اس نے برا مان کے کندھے اچکائے۔ ''لیکن آخر میں آپ مجھے میرے سوالات کا جواب ضرور دیں گی۔ اور پلیز یہ کوئی جڑی بوٹیوں والی کہانی نہیں سنائیں گی۔''

وہ چند لمحے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔ اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''

''پھر آپ فرار کیوں ہوئیں؟ اور اتنا عرصہ آپ کہاں تھیں؟'' اس نے ریکارڈر پھر سے آن کیا' نوٹ بک کھولی اور لکھنے لگا۔

''میں اس بات کا جواب صرف کورٹ میں دوں گی۔ بس یوں سمجھیں کہ وقت نے میرے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔''

''مہربانی کیسے؟''

''میرے چھ سال ضائع کروا کے۔'' وہ پورے دل سے مسکرائی۔

''چھ سال ضائع کرنا مہربانی تو نہیں ہوتی۔ بلکہ.....''

''آپ مجھے وان فاتح سے ملوا سکتے ہیں؟''

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔ ایڈم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ''وہ آپ کو دیکھتے ہی پولیس بلوا لیں گے۔''

''وہ ایسا نہیں کریں گے۔ آپ ان سے میٹنگ کا وقت لے سکتے ہیں؟''

''میں وان فاتح کا نقاد ہوں اور اونچی کرسی والوں کو نقاد پسند نہیں ہوتے۔ وہ مجھے مہینوں میٹنگ کا وقت نہیں دیں گے۔''

''مجھے ان سے صرف پانچ منٹ کے لیے ملنا ہے۔ وہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی سیاسی گیدرنگ میں مدعو ہوتے ہیں۔ آپ مجھے کسی ایسی محفل کا دعوت نامہ دلوا سکتے ہیں؟''

''میں ان کے پروٹوکول آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں۔'' وہ سر جھکا کے فون پہ پیغام بھیجنے لگا۔ کتابیں خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں۔

''آپ کے والدین کہاں ہیں؟ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے؟''

ایڈم نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا اور پتلیاں سکوڑیں۔ ''وہ اپنے پرانے گھر میں رہتے ہیں۔ کیوں؟''

''جہاں مرغیاں اور چوزے ہوا کرتے تھے؟''

وہ کچھ یاد کر کے مسکرائی۔ ایڈم نے محض ہنکارا بھرا۔ وہ ابھی تک لیا دیا انداز اپنائے ہوئے تھا۔

پھر وہ اس سے کیس کے متعلق مزید سوالات پوچھنے لگا۔ وہ جواب میں عصرہ کا سارا پلان بتاتی گئی۔ ایڈم کو یہ سب ہضم کرنے میں وقت پیش آ رہی تھی لیکن وہ ضبط سے ایک ایک چیز نوٹ کرتا گیا۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔

''پی ایم کے پروٹوکول آفیسر نے میرے ایک پرانے فیور کا لحاظ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پی ایم اس ہفتے ایک آرٹ نمائش میں شرکت کر رہے ہیں۔ پرائیوٹ محفل ہے۔ تھوڑے لوگ ہوں گے وہاں۔ میں آپ کو پاس دلوا دوں گا۔ آپ ان سے ملاقات کر سکیں گی۔''

''پی ایم کو آرٹ میں دلچسپی کب سے ہونے لگی؟''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن یہ نمائش میشا تاج کی ہے۔'' اس نے پڑھ کے بتایا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ان کی بیٹی کی ٹیوٹر؟''

''ہاں شاید۔ میں نے اس کو ایک دو دفعہ سوشل میڈیا پہ ہی دیکھا ہے۔''

''اچھا۔ اور کیا جانتے ہیں آپ اس کے بارے میں؟'' تالیہ پیچھے کو ہو گئی اور سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میشا تاج کے بارے میں؟ اتنا خاص نہیں۔ یہ پترا جایا کی ایک جاتی پہچانی سوشلائٹ ہے۔ اور کافی ٹیلنٹڈ فوٹو گرافر ہے۔ سنگل مدر ہے اور ایک بیٹی بھی ہے اور....''

''اور اس کا ایکس ہزبینڈ کرمنل ہے اور اس کو ابھی تک ہراساں کرتا ہے۔''

ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ آپ جانتی ہیں اس کو؟''

''جی۔ آپ بھی جانتے تھے اس کو۔ بلکہ آپ اس سے ملے بھی تھے۔''

''اچھا؟'' وہ واقعتاً حیران ہوا۔ پھر چونکا۔ ''اس پراسرار جنگل میں سفر کرتے وقت؟''

''نہیں۔ وہ جنگل تو ایک دوسری دنیا تھی۔ آپ کی میشا سے ملاقات جنگل میں جانے سے پہلے ہوئی تھی۔ مسز عصرہ کی آرٹ گیلری میں۔ تب آپ وان فاریج کے باڈی مین تھے۔ اور یہ ایک آرٹ کلیکٹر تھی۔ وہاں کچھ خریدنے آئی تھی۔ آپ کو کہیں یاد؟''

''اچھا؟ اسٹرینج۔ اور آپ بھی ملی تھیں اس سے؟''

''میں وہیں تھی۔'' تالیہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ خاموش ہو گئی۔ صوفی گنتے کی ٹرے میں تین کافی کپ اٹھائے مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔ آپ مجھے پارٹی کا وقت اور جگہ ٹیکسٹ کر دیجیے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تو صوفی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کافی تو پی لیں۔''

''میں نے کب کہا کہ نہیں پیوں گی۔'' اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک کپ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ایڈم نے صوفی کو اشارہ کیا اور ہوا میں لکھنے کے انداز میں انگلیاں چلائیں۔ وہ ٹرے رکھ کے فوراً اس کے پیچھے لپکی۔

''مس مراد..... مجھے تحریری طور پہ آپ سے ضمانت چاہیے کہ آپ کسی دوسرے اینکر سے.....''

صوفی نے ایک کلپ بورڈ شیلف سے اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ مڑی' کلپ بورڈ اس کے ہاتھ سے لیا' جانے کہاں سے قلم نکال کے اس پہ ایک' دو' تین جگہوں پہ دستخط کیے اور اسے واپس صوفی کو تھمایا۔

''میری زبان ہی میرا دستخط ہے ویسے صوفی۔ اگر میں کہہ رہی ہوں کہ کسی اور سے بات نہیں کروں گی تو کوئی مجھے کسی اور سے بات کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتا۔'' جتا کے بولی۔ صوفی نے ایک نظر کاغذ کو دیکھا' اور دوسری اس پہ ڈالی۔

''آپ نے کانٹریکٹ پڑھا ہی نہیں ہے۔''

''ایڈم بن محمد ایک ایماندار آدمی ہے۔ سچ بولتا ہے۔ وہ مجھے کسی غلط شرط کا پابند نہیں کرے گا۔''

صوفی نے ایڈم کو دیکھا جس نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔ تالیہ اب باہر نکل چکی تھی۔ صوفی اس کے پیچھے گئی۔ وہ دروازے پہ رکی کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔ صوفی کو دیکھ کے بولی۔

''ایڈم اور میں نے ایک لمبا عرصہ ایک کتب خانے میں گزارا تھا۔''

''اچھا۔ میں سمجھی آپ نے ایک عرصہ جنگل میں ساتھ گزارا تھا۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ صوفی نے مسکرا کے کان میں ننھے آلے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں ہر میٹنگ میں موجود ہوتی ہوں۔''

وہ نہیں مسکرائی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''کیا اب بھی وہ کتابیں پڑھتا ہے؟ عام لوگوں کی طرح نہیں۔ بہت عقیدت، لگن اور محبت سے؟''

صوفی چپ ہوگئی۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

''آپ نے ان کی کتابیں نہیں دیکھیں؟ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مالک کو انہیں پڑھنے کا کتنا شوق ہے۔'' اس ڈپلومیٹک جواب پہ تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''ہاں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسٹڈی کے ریکس میں قیمتی ہارڈ کورز کتنی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ یا تو ایڈم کی ہاؤس کیپر صفائی بہت اچھی کرتی ہے یا وہ ان کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ تم نے وہ ایڈم نہیں دیکھا جو کتابیں سجانے سے زیادہ انہیں جذب کرنے کا شوقین تھا۔ خیر.. وقت وقت کی بات ہے۔'' اس نے ہڈسر پہ گرائی اور آگے بڑھ گئی۔

صوفی کا منہ کھل گیا۔ وہ بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنے سال بعد آئی تھی اور ایک نظر میں اس کے باس کو اندر تک جان گئی تھی؟

☆☆☆

کنٹرول روم میں کوئی کھڑکی نہ تھی جس کے باعث اندر نہ سورج کی روشنی پہنچتی نہ تازہ ہوا۔ بڑی میز پہ قطار میں کمپیوٹر اسکرینز رکھی تھیں۔ ایک کرسی پہ اشعر بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو افراد جھکے کھڑے اسی طرف متوجہ تھے۔ گزشتہ روز کی سی سی ٹی وی فوٹیج اسکرین پہ چل رہی تھی۔

''پیچھے کرو..... پیچھے.....'' وہ ایک دم بولا تو ساتھ کھڑے آدمی نے جھک کے چند کیز دبائیں۔ ویڈیو پیچھے جانے لگی۔ اس نے پلے کیا تو اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''یعنی وہ میرا گمان نہیں تھا۔ یہ لڑکی واقعی وہاں موجود تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

اسکرین پہ لفٹ سے نکلتی تالیہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی کیمرے کی طرف پشت تھی، اور سر پہ ہڈی تھی، لیکن وہ پہچان گیا تھا کہ یہ وہی تھی۔ وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی۔ مگر فاتح کے جانے کے بعد اشعر کو دیکھ کے وہ مڑ گئی۔ اس زاویے پہ بالآخر اس کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ تالیہ مراد ہی تھی۔

آپریٹر نے زوم کر کے تالیہ کے چہرے پہ ویڈیو روک دی۔ اشعر ٹھوڑی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے، کتنی ہی دیر اس منظر کو دیکھے گیا۔ تالیہ مراد بالآخر..... (انگلیوں پہ گنا)..... چھ سال بعد ان کی زندگیوں میں واپس آ چکی تھی۔

''اس کے علاوہ پوری عمارت کی ویڈیوز میں یہ کہیں نہیں ہے۔ ہر جگہ یہ کیمرے سے بچ جاتی ہے۔ یا پشت کر لیتی ہے۔ لیکن یہاں اس نے کیمرے کے سامنے کھڑے ہونے کا خطرہ مول لے لیا۔''

''کیونکہ یہاں کوئی تھا جس سے وہ ملنے آئی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس مسکراہٹ میں تفنر بھی تھا اور دلچسپی بھی۔

''کیا میں سیکیورٹی کو اطلاع کر دوں کہ اگر یہ دوبارہ آئے تو.....''

''اونہوں۔ وہ یہاں دوبارہ نہیں آئے گی کیونکہ وہ مجھے دیکھ کے خوفزدہ ہوگئی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے

بولا۔ آپریٹر نے سر ہلا دیا۔ دوسرا آدمی جو فاتح کا چیف سیکیورٹی آفیسر تھا' اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آیا۔ اشعر کو مسلسل خاموش دیکھ کے وہ راہداری میں رکا اور اسے مخاطب کیا۔

''سر.... آگے کے لیے کیا حکم ہے؟''

''مجھے اس لڑکی کو گرفتار کروانا ہے۔'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ کے بولا۔ دونوں راہداری کے وسط میں کھڑے تھے۔ اردگرد لوگ آجا رہے تھے۔ آفیسر نے آواز دھیمی کی۔

''لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔ البتہ ہم سارے شہر کی پولیس کو الرٹ کر کے....''

''اونہوں۔ پولیس اسے ڈھونڈ سکتی تو اتنے سال پہلے ڈھونڈ لیتی۔ تم تالیہ مراد بن کے سوچو۔ وہ پی ایم سے ملنے آئی تھی لیکن نہیں مل سکی۔ اب وہ کیا کرے گی؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سارا دن وہ اسی پوائنٹ پہ سوچتا رہا تھا۔

''اس کو شہر میں سہولت کار چاہیے ہوں گے۔''

''بالکل۔ کیا اس کی دوست گرفتار ہوئی تھی؟ وہ موٹی سی گھنگھریالے بالوں والی؟''

''نہیں' سر۔ وہ گزشتہ چھ برس سے لاپتا ہے۔''

''ہوں۔'' اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ ''تالیہ کا ایک اور دوست بھی تھا۔ وہ اینکر ایڈم بن محمد۔ وہ اس سے ضرور رابطہ کرے گی۔ یوں کرو کل صبران کی برتھ ڈے پارٹی پہ ایڈم کو مدعو کر دو میری طرف سے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ ایڈم اس سے رابطے میں ہوگا؟''

''بالکل۔ ایڈم فوراً اس کو خبر دے گا۔ ہمیں تالیہ کو ڈھونڈنا نہیں پڑے گا۔ وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔ وہ پارٹی پہ پی ایم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ کل شام.... برتھ ڈے پہ ہم اسے گرفتار کریں گے۔''

''آپ اس کے لیے ٹریپ سیٹ کرنا چاہ رہے ہیں؟'' وہ سمجھ کے سر ہلا رہا تھا۔ ''میں بظاہر سیکیورٹی کم رکھوں گا لیکن درحقیقت سادہ لباس میں اہلکاروں کو ہر جگہ پھیلا دوں گا۔''

''وہ بہت خطرناک کرمنل ہے۔ اسے بچ کے نہیں جانا چاہیے۔ اور اس ٹریپ کی خبر تمہارے علاوہ کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔''

''شیور۔'' پھر اس نے ساتھ چلتے اشعر کو غور سے دیکھا۔ ''پی ایم کو مطلع کر دیا آپ نے؟''

''نہیں۔ ان کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

آفیسر کے ماتھے پہ بل پڑے۔ ''سر... ان کو بتانا ضروری ہے۔ وہ پردھان منتری ہیں۔''

اشعر اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جانتے ہو پردھان منتری کون ہوتا ہے؟ جو صرف کمرے میں بیٹھ کے حکم دیتا ہے۔ اس کے سارے احکامات کو متعلقہ اداروں تک پہنچانے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ اس کو ہر روز ہر کسی کے بارے میں رپورٹ کرنے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ کس سیکیورٹی آفیسر کو برخاست کرنا ہے (سر سے پیر تک اسے دیکھا) اور کس کو ترقی دینی ہے' یہ ایڈوائس اس کو چیف آف اسٹاف دیتا ہے۔ پردھان منتری اونچی دیواروں کے درمیان قید ہوتا ہے۔ اس کا بیرونی دنیا سے واحد رابطہ اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ اگر تم سوچو تو پردھان منتری سے زیادہ طاقت ور اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ اور میں وان فاتح رامزل کا چیف آف اسٹاف ہوں۔''

ٹھنڈے انداز میں توڑ توڑ کے اس کو سنایا۔ ماتھے پہ بل بھی ڈال لیے۔ سیکیورٹی آفیسر نے سکون سے ساری بات سنی۔

''رائٹ سر۔ اور اگر چیف آف اسٹاف اپنے باس کی پیٹھ کے پیچھے کچھ کرے تو وہ چیف آف اسٹاف نہیں رہتا۔ وہ تالیہ مراد بن جاتا ہے جسے شہر

میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ میں اپنے پی ایم کو مطلع کرنے کا پابند ہوں۔ چاہے ان کے چیف آف اسٹاف کو اچھا لگے یا برا۔"

اشعر نے صبر کا گھونٹ اندر اتارا۔ (ڈیم ڈیموکریسی۔) اور مسکرا کے بولا۔ "کیوں نہیں؟ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو بتا دینا۔"

اشعر محمود لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ سیکیورٹی آفیسر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کل شام تک اشعر محمود نے اسے اتنا مصروف رکھنا ہے کہ اس کی ملاقات پی ایم سے ہو ہی نہ پائے۔

☆☆☆

سری پردھانہ میں واقع وزیراعظم کا آفس کشادہ اور پرتعیش تھا۔ طاقت کی منبع کرسی کے پیچھے والی دیوار بھوری لکڑی کے کیبنٹ اور شیلف سے ڈھکی تھی۔ ایک دیوار میں شیشے کی بڑی سی کھڑکی تھی جس سے سرما کی دھوپ اندر آرہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا' عینک لگائے فائلز دیکھ رہا تھا۔ تب ہی دروازہ کھٹکا اور ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک سیاہ کور والی فائل اٹھا رکھی تھی۔ وہ میز کے سامنے مودب سا آکھڑا ہوا۔

"سر... یہ فائل آپ نے مانگی تھی۔"

"کون سی فائل' شاہدان؟" وہ کاغذوں پہ جھکے کچھ تلاش کرتے ہوئے بولا۔ پھر جیسے یاد آیا۔ "اچھا تم وہ لے آئے۔ یوں کرو...." فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔ "کسی شیلف میں رکھ دو۔ میں فارغ ہو کے دیکھ لوں گا۔ تھینک یو۔"

شاہدان نامی اسٹافر نے سر ہلایا اور فاتح کے عقب میں بنے ایک شیلف تک آیا۔ اس میں تین سیاہ کور والی فائلز پہلے ہی رکھی تھیں۔ اس نے اس فائل کو ان کے اوپر سلیقے سے رکھا اور واپس اس کی میز کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"سر... اشعر صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آج آفس نہیں آسکیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ سے کہوں ان کا ٹیکسٹ دیکھ لیں، فیروز صاحب سے میٹنگ سے پہلے۔"

"میٹنگ.... میٹنگ.... میٹنگ...." فاتح نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ "جانتے ہو' شاہدان' جب میں چھوٹا تھا تو سمجھتا تھا کہ ملک کا وزیراعظم پورے ملک کی رکھوالی کرتا ہے۔ اس کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ کسی عقاب کی طرح۔"

شاہدان مسکراتے ہوئے پردھان منتری کو سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

"لیکن وزیراعظم بننا سری پردھانہ میں قید ہونے کا نام ہے۔ سارا دن ہم کیا کرتے ہیں؟ میٹنگز اور میٹنگز۔ کابینہ سے میٹنگ۔ مختلف شہروں سے آئے اپنے پارٹی اراکین سے میٹنگز۔ مجھے تو بھول ہی گیا ہے کہ کے ایل کے پارک اور تالاب کیسے دکھتے تھے۔"

کہتے ہوئے فاتح نے فون نکالا اور اشعر کا پیغام دیکھنے لگا۔ شاہدان تذبذب سے سر ہلا کے واپس مڑ گیا۔ اس سے زیادہ وہ پی ایم کا وقت نہیں ضائع کر سکتا تھا۔

"جانتے ہیں فارورڈ بلاک کی قیادت کون کر رہا ہے؟ فیروز۔ میں نے اسے آپ کے آفس بھیجا ہے۔ آپ اس سے ڈیل کرلیں۔"

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ چہرے سے لگتا تھا وہ پیغام پڑھ کے شدید برہم ہوا ہے۔ اس نے انٹرکام اٹھایا اور سختی سے حکم جاری کیا۔

"فیروز کو اندر بھیجو۔" پھر عینک اتار کے پیچھے کو ٹیک لگالی۔

تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر ٹوپی والا آدمی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے بسی اور ناپسندیدگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ سامنے بیٹھا وان فاتح اپنا غصہ دبائے بظاہر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"پچھلی حکومت میں میں ٹھیک سے چار قانون بھی نہیں پاس کروا سکا تھا' فیروز۔ صرف اس لیے کہ میرے پاس پارلیمان میں کھلی اکثریت نہیں تھی۔ اس دفعہ ہے۔ لیکن اگر میرے ہی منسٹرز میرے

خلاف فارورڈ بلاک بنا کے میرے ارکان کو توڑ لیں گے تو میں ایجوکیشن بل کیسے پاس کرواؤں گا جس کے لیے پچھلے چار ماہ سے ہم دن رات کام کر رہے ہیں؟''

''داتو سری.... اراکین آپ سے ناراض ہیں۔ آپ نے ان سے کیے وعدے پورے نہیں کیے۔ اگر آپ میری جگہ خود کو رکھ کے سوچیں تو....''

''میں تمہاری جگہ نہیں ہوں' فیروز۔ تم اپنی جگہ خود کو رکھ کے سوچو۔ تمہارے بلاک کا کیا مستقبل ہے؟'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا اور پیپر ویٹ ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ ''صوفیہ رحمن کی کھلم کھلا حمایت تم کر نہیں سکتے۔ ہم سے کٹ کے تمہیں نہ فنڈز ملیں گے نہ تمہیں میڈیا ایک ہفتے سے زیادہ کوریج دے گا۔ کچھ عرصے بعد تمہارے ارکان ٹوٹ ٹوٹ کے واپس میرے پاس آجائیں گے۔ تم لوگ خسارے کا سودا کر رہے ہو۔''

آفس میں چند لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فیروز نے پہلو بدلا۔

''داتو سری... ہمارے بغیر بل پاس نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہمارے مطالبات سننے پڑیں گے۔''

''تم جانتے ہو میں نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ آپ کو میرا استعفیٰ چاہیے۔'' وہ زہر خند ہوا۔ ''لیکن میرا استعفیٰ لے کر آپ خود کو میرے اور میرے بلاک کے ووٹوں سے محروم کر دیں گے، خسارے کا سودا آپ کر رہے ہیں۔''

''مجھے تمہارا استعفیٰ نہیں چاہیے۔ میں تمہیں ایجوکیشن کمیٹی کا چیئرمین بنانے جا رہا ہوں۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ فیروز دنگ سا اسے دیکھے گیا۔ ''اور میرے ساتھی اراکین؟ ان کو کیا ملے گا؟''

''کچھ بھی نہیں۔ تم ان کو راضی کرو گے کہ وہ میرے بل کے حق میں ووٹ دیں۔ کیسے راضی کرو گے' یہ تمہارا کام ہے۔''

وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ ''تم میرے بہترین آدمیوں میں سے ایک ہو۔ ایجوکیشن کمیٹی کی کرسی تم سے زیادہ کوئی ڈیزرو نہیں کرتا۔ لیکن اس کے لیے بل کا پاس ہونا ضروری ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔''

''ایش۔!'' اس کے جانے کے بعد فاتح موبائل کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ''فیروز راضی ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''اور باقی آدھا مسئلہ؟ شکری صاحب کے پاس بھی ناراض اراکین کا گروہ ہے۔ اس کو کس چیز کا لالچ دیں گے ہم؟''

''نہیں وہ فیروز کی طرح کا نہیں ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ سمجھو ہمیں اس کی غداری کا علم ہی نہیں ہے۔ میں کیبنٹ میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ میٹنگ میں میں اس کی پرفارمنس پہ ناراضی کا اظہار کروں گا۔ تم یہ خبر میڈیا کو دے دینا۔ چار دن تک رپورٹرز اس کی بری پرفارمنس پہ اتنی خبریں چلائیں گے کہ میں اس کا استعفیٰ قبول کرنے پہ مجبور ہوں گا۔''

''یہ زیادہ اچھا ہے۔''

''ایش....'' وہ رکا اور ٹھہر کے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ''تم نے صبح کہا تھا کہ تم نے تالیہ کو دیکھا۔ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ.... تم نے کیا دیکھا تھا۔''

''آبنگ .... دیکھیں.... میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا پارلیمان ہاؤس میں جس کی شکل تالیہ مراد سے بہت ملتی تھی۔ بس ایک جھلک دیکھی۔ اب مجمع میں اسے روک تو نہیں سکتا تھا۔ پتا نہیں وہ تالیہ تھی بھی یا نہیں۔''

''کیا وہ واپس آگئی ہے؟'' فاتح نے کرسی کا رخ موڑا اور کھڑکی سے نظر آتے سبزہ زار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''اتنے سال بعد؟''

''آبنگ.... ہم حکومت میں ہیں۔ پولیس ہماری ہے۔ اگر وہ آگئی ہے تو چھپ نہیں سکے گی۔ اسے کوئی نہ کوئی ڈھونڈ لے گا۔ ریلیکس۔ آپ بل پہ فوکس کریں۔''

فاتح نے فون رکھا اور کھڑی کی ساتھ دیوار پہ نصب وائٹ بورڈ کو دیکھا جس پہ دو خانے مارکر سے بنائے گئے تھے۔ دونوں خانوں میں رنگ برنگے مقناطیسی گوٹ جڑے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھا اور وائٹ بورڈ تک آیا۔ لیس اور نو کے خانوں میں ''نو'' کے حصے میں آنے والے گوٹ زیادہ تھے۔

''فیروز واپس آگیا ہے۔ اس کے ساتھ اراکین بھی واپس آجائیں گے۔'' اس نے ایک ایک کر کے ''نو'' سے چھ گوٹ اٹھا کے لیس کے خانے میں لگائے۔ حساب ابھی تک اس کے خلاف جا رہا تھا۔ اسے اب بھی مزید ووٹ چاہیے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟'' آواز پہ وہ چونکا۔ گردن موڑ کے دیکھا تو سفید فراک والی بچی کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے سفید ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا اور سادگی سے پلکیں جھپکائی پوچھ رہی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ میں اتنے سال سے اس کرسی پہ کیا کر رہا ہوں۔'' وہ واپس بورڈ کو دیکھنے لگا۔ ''میں یہاں لوگوں کی فلاح کے کام کرنے آیا تھا لیکن ایک دن بھی مجھے اپنوں اور غیروں نے سکون نہیں لینے دیا۔ یہ ہر روز میری کرسی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہر روز اپنا تخت ان کے ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے اپنی جاب پسند نہیں ہے' آریانہ اور اپنی جاب کو پسند نہ کرنا ایک شدید ذہنی اذیت ہے۔''

آریانہ خاموشی سے اسے سنے گئی۔ اب وہ زیادہ بولا نہیں کرتی تھی۔ یا شاید وان فاتح کو اس کی آوازیں کم سنائی دیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

ہوٹل کے کمرے کے پردے برابر تھے اور اندر صرف ٹیبل لیمپس کی روشنی پھیلی تھی۔ بیڈ سفید چادروں سے نفاست سے بنایا گیا تھا۔ سامنے دو صوفے رکھے تھے جن کے دائیں بائیں ایستادہ زرد لیمپ ان کاغذوں پہ روشنی بکھیر رہے تھے جنہیں تالیہ اور احمد نظام بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

''چے تالیہ.... آپ کو گرفتاری دے دینی چاہیے۔ یا کم از کم مجھے ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی اجازت دیجیے۔''

وہ جو فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی' سر اٹھا کے خفگی سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''تالیہ وقت سے چھ سال پیچھے ضرور ہے لیکن بہت سوں سے اب بھی آگے ہے۔ ابھی اس سب کا وقت نہیں آیا۔''

''آپ کیا پلان کر رہی ہیں؟''

''مجھے فاتح سے ملنا ہے۔ ایڈم نے کہا ہے کہ میشا تاج کی نمائش پہ مجھے ان سے ملوا دے گا۔'' وہ ماتھے پہ سلوٹیں لیے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''مگر وہاں سیکیورٹی ہوگی۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔ اور میشا تاج کون؟ وہ آرٹسٹ کم ٹیوٹر؟''

''جی۔ اور حیرت کی بات ہے ایڈم کو وہ بالکل یاد نہیں۔''

''کیا ایڈم صاحب بھی ان سے واقف تھے؟ یعنی چھ سال قبل؟''

تالیہ نے فائل بند کی اور گہری سانس لے کر انہیں دیکھا۔ ''آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔''

اسی لمحے فون بجا تو احمد نظام چپ ہو گئے۔

''مس مراد.... آپ کے لیے اچھی خبر ہے۔'' ایڈم کا خوش گوار مگر پروفیشنل سا لہجہ سنائی دیا۔ تالیہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''اشعر محمود کے بیٹے کی سالگرہ کا دعوت نامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ آپ نمائش کے بجائے اسی سالگرہ پہ جا سکتی ہیں میرے ساتھ۔''

''اچھا؟ کب ہے سالگرہ؟''

''کل شام۔ وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہا ہوں۔ لیکن احتیاط کیجیے گا۔ یہ ٹریپ بھی ہو سکتا ہے اور آپ گرفتار بھی ہو سکتی ہیں۔''

''یوں آپ کی کہانی زیادہ دلچسپ ہو جائے گی۔''

''یہ تو ہے۔''

''تالیہ!'' کال بند ہوئی تو اسے سوچ میں گم

دیکھ کے احمد نظام نے متنبہ کیا۔ ''آپ سوچیں بھی مت کہ آپ یہ خطرہ مول لے سکتی ہیں۔ آپ گرفتار ہوجائیں گی۔''

''کوشش میں کیا حرج ہے؟ مجھے فاتح سے ملنا ہے۔''

''اس روز پارلیمان میں اشعر نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ کیا معلوم یہ ایک ٹریپ ہو اور وہ آپ کے انتظار میں ہوں۔''

''میں محتاط رہوں گی۔ کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا جب تک کہ میں خود نہ چاہوں۔'' وہ اٹھی اور میز تلے سے ایک بیگ پیک اٹھا کے کندھوں پہ ڈالا۔ پھر ہڈ سر پہ گرادی۔

''اور اگر آپ گرفتار ہوگئیں؟'' وہ افسوس سے اس کو کہیں جانے کے لیے تیار ہوتے دیکھ رہے تھے۔

''تو آپ مجھے جیل سے نکالنے کا کوئی طریقہ سوچ رکھیے گا۔ بس ایک دفعہ میں فاتح سے مل لوں' پھر بھلے گرفتار ہو جاؤں' مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ پر عزم لہجے میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنا اعتماد اچھا نہیں ہوتا' چے تالیہ۔ دنیا چھ سال آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ ابھی تک وہیں کھڑی ہیں۔''

مگر وہ باہر نکل چکی تھی۔ انہوں نے افسوس بھری سانس خارج کی۔

تالیہ کے پلانز تھے۔ تالیہ کی مرضی۔

☆☆☆

صبران کی سالگرہ ایک ریستوران میں منائی جا رہی تھی۔ وہاں چند دوست احباب اور قریبی فیملی کے لوگ موجود تھے۔ کیک کٹنے سے کھانا لگنے تک' اشعر محمود بے چین رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار مہمانوں میں مصروف کھڑے خوش باش سے فاتح کی طرف اٹھتیں۔ پھر وہاں سے سفر کرتی سیکیورٹی چیف تک چلی جاتیں۔ وہ اشعر کو دیکھ کے مایوسی سے نفی میں سر ہلاتا تو اشعر کی بے چینی بڑھ جاتی۔

وہ نہیں آئی تھی۔ ٹریپ ناکام گیا تھا۔

''اردگرد موجود تمام سیکیورٹی ٹیمز کو کوئی مشتبہ عورت نہیں نظر آئی۔''

پارٹی کے اختتام کے قریب سیکیورٹی چیف اس کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔ اشعر نے برہمی سے ریستوران کے لاؤنج میں پھیلے مہمانوں کو دیکھا۔

''وہ آئے گی۔ وہ آبنگ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ ڈیسپریشن اس سے غلط حرکت کروائے گی۔''

''پورا ریستوران چیک کیا ہے۔ باتھ روم۔ چھت..... وہ نہیں آئی۔'' پھر وہ اس کے پاس نہیں رکا۔ آگے بڑھ گیا۔ اشعر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ وان فاتح کے قریب گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا' سر۔ ہم نے آج ایک ٹریپ سیٹ کیا تھا.....'' وہ بتاتا گیا۔

دور سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اشعر کے لب بے بسی سے بھنچے۔ وہ فوراً اس جانب لپکا۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے فاتح کو کہتے سنا۔ ''جانتا ہوں۔ اشعر نے بتایا تھا۔''

اس کے بظاہر سرسری انداز پہ آفیسر قدرے پھیکا پڑ گیا۔ پھر فاتح کی نظریں اشعر سے ملیں تو وہ اپنے پردھان منتری کی آنکھوں میں در آنے والا غصہ پہچان گیا۔ فاتح ایک کٹیلی نظر اس پہ ڈال کے واپس مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا لیکن گاہے بگاہے اشعر کی طرف نظر اٹھتی تو اس میں عجیب سی کاٹ ہوتی۔

''سر آپ کے لیے کال ہے۔'' اس کے پی اے نے قریب آکے اطلاع دی تو اس نے برہمی سے اسے ٹوکا۔

''ابھی نہیں۔''

''سر..... کوئی احمد نظام ہیں۔ کسی تالیہ مراد کے وکیل۔ وہ بات کرنا.....'' اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل اشعر نے فون چھین لیا اور کان سے لگایا۔

''ہیلو؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اشعر صاحب...میں احمد نظام بول رہا ہوں۔آپ کو شاید میں یاد نہ ہوں لیکن ایک زمانے میں....''

''مجھے آپ یاد ہیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''آپ نے کہا آپ تالیہ مراد کے وکیل ہیں؟''

''جی۔میں ان کا وکیل ہوں۔اور میں جانتا ہوں کہ آپ ان کی تلاش میں ہیں لیکن میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے میری کلائنٹ کو کسی....'' شور کے باعث آواز کٹنے لگی۔

''آپ ایک مفرور ملزمہ سے رابطے میں ہیں؟ واؤ۔'' وہ چہرہ جھکائے بات کرتا دروازے کے قریب چلا گیا جہاں رش کم تھا اور سگنل بہتر تھے۔

''دیکھیں اشعر صاحب..وہ میری کلائنٹ ہیں۔اور میں ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دائر کر رہا ہوں۔تالیہ نے آپ کی بہن کا قتل نہیں کیا تھا۔یہ ایک غلط فہمی تھی۔''

''اسی لیے وہ اتنے سال غائب رہی؟'' سگنل کمزور تھے اور آواز پھر سے کٹنے لگی تو وہ ریستوران سے باہر نکل آیا۔ایک محتاط نظر وان فاتح پہ بھی ڈالی جو اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا۔آواز بہتر ہوئی تو وہ اسی درشتی سے کہنے لگا۔

''ہم مل بیٹھ کے اس معاملے کو حل کر سکتے ہیں۔میں تالیہ کو آپ سے بات کرنے پہ راضی کر سکتا ہوں۔وہ صرف پردھان منتری سے ایک دفعہ ملنا چاہتی ہے۔''

''میری تالیہ مراد سے بات اب کورٹ میں ہو گی۔'' وہ ریستوران کے برآمدے کے اسٹیپ پہ کھڑا درشتی سے کہہ رہا تھا۔آنکھوں میں تنفر تھا۔نظریں سامنے سڑک پہ گزرتی گاڑیوں پہ جمی تھیں۔ان کے پار ایک پلازہ تھا جس کی کچھ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور کچھ کھلی تھیں۔

''اشعر صاحب پلیز....اس کا حق ہے کہ اسے سنا جائے۔''

لیکن اشعر محمود اس کو نہیں سن رہا تھا۔اس کی نظریں سڑک کے پار جم گئی تھیں۔وہاں درخت کے ساتھ ایک ہڈ والا نسوانی وجود کھڑا تھا۔اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔گردن ذرا ترچھی تھی جیسے وہ ریستوران کی شیشے کی دیوار کے پار شمالی حصے کو دیکھ رہی تھی۔یہاں سے اس کی آنکھیں نہیں دکھائی دیتی تھیں لیکن....اشعر نے رخ پھیر کے دیکھا...وہ اندر سے نظر آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی....سائے میں کھڑی لڑکی....جیبوں میں ہاتھ ڈالے...ہڈ سر پہ گرائے...اشعر نے کال کاٹی اور دھیرے سے سیکیورٹی آفیسر کا نمبر ملایا۔پھر فون کان سے لگائے آگے بڑھا۔

ابھی اس نے ایک طرف کی سڑک پار کی تھی جب ہڈ والی لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔درمیان میں دو تین گاڑیاں زن سے گزریں اور اس نے لڑکی کو مڑ کے بھاگتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی بھی شے کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے دوڑا۔

گاڑیوں کے ہارن چیخے۔بریک چرچرائے۔وہ سڑک کنارے آگے بھاگتی جا رہی تھی۔اشعر پوری رفتار سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔فون کان سے لگا تھا اور سیکیورٹی آفیسر کا نمبر بزی مل رہا تھا۔(فون اٹھاؤ' ایڈیٹ۔)

وہ ایک موڑ مڑ کے غائب ہو گئی۔وہ تیزی سے دوسری طرف آیا تو ایک جھلک سی دکھائی دی۔سامنے والی عمارت کے زیر زمین پارکنگ کی طرف اس نے ایک ہیولے کو گم ہوتے دیکھا تھا۔ایک سیکنڈ کا عمل تھا۔وہ تیزی سے پارکنگ ایریا کی طرف بھاگا۔

اندر دور دور تک گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔بھاری ستونوں نے پارکنگ لاٹ کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔مدھم بتیاں روشن تھیں۔سناٹا چھایا تھا۔دور دور تک اس کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

''تالیہ....'' اس نے بلند آواز میں پکارا اور احتیاط سے قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔''مجھے معلوم ہے تم کسی ستون کے پیچھے چھپی ہو۔اب چھپنے کا وقت

ختم ہو چکا ہے۔'' وہ اسے پکار رہا تھا۔ فون اب نیچے کر دیا تھا۔

نظریں ادھر ادھر تعاقب میں دوڑ رہی تھیں۔

''باہر آجاؤ.... اب تمہارے پاس کوئی راہ فرار نہیں ہے۔'' اس کی آواز پارکنگ لاٹ کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگی۔

''تالیہ.... تم اگر...''

وہ ایک قدم آگے بڑھا اور جانے کس ستون کے پیچھے سے وہ نکل کے آئی اور پورے قوت سے اپنا بیگ اس کے منہ پہ مارا۔ وہ پلٹ کے پیچھے کو جا گرا۔ وہ بھاگنے لگی لیکن اشعر نے اس کو ٹخنے سے پکڑ کے کھینچا۔ وہ لڑھک کے نیچے جا گری۔ پھر وہ اٹھنے لگی جب اشعر نے اسے کندھوں سے دبوچ کے نیچے گرایا۔ تالیہ نے زور سے اپنا سر اس کے منہ پہ مارا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ اشعر چکرا گیا۔ گرفت ڈھیلی پڑی۔ دونوں کے چہروں سے خون کے فوارے پھوٹے۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ غرائی اور زور دار مکا اس کے منہ پہ مارا۔

اس کی مٹھی میں کچھ تھا اس لیے مکے کی شدت بہت زور سے محسوس ہوئی۔ اشعر محمود کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ اوندھا ہو کے زمین پہ جا گرا۔ وہ اٹھی اور اس کے سر کی پشت پہ ایک ضرب مزید لگائی۔ اشعر کا دماغ اندھیروں میں ڈوبتا گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

چند منٹ بعد اس کے حواس بحال ہوئے اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا.... وہ تنہا وہاں پڑا تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھا اور منہ سے نکلتا خون آستین سے پونچھا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین پہ وقت دیکھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ ہی بے ہوش رہا ہوگا۔

''میں ادھر سامنے پلازہ کی پارکنگ میں ہوں۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔'' اس کا سر چکرا رہا تھا۔ بہ دقت کھڑے ہوتے ہوئے اس نے فون پہ ہدایات جاری کیں۔ ''اردگرد کے تمام سی سی ٹی وی کیمرا ز کا جائزہ لو۔ وہ کس سمت میں گئی ہے۔ اس کو ٹریس کرو۔'' وہ غصے سے غراتا ہوا اٹھا اور ٹائی ڈھیلی کی۔

''اسے ٹریس کرنا اتنا مشکل نہیں تھا سر۔''

کچھ دیر بعد وہ سڑک کنارے ایک سیاہ شیشوں والی کار میں بیٹھا تھا۔ آفس بیگ ماتھے پہ رکھے وہ غور سے سیکیورٹی آفیسر کو سن رہا تھا جو فاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

''سامنے والی دکان کے کیمرے میں وہ ٹیکسی پہ سوار ہوتی نظر آئی تو ہم نے ٹیکسی کو چند بلاک دور تک ٹریس کر لیا۔ اس نے ٹیکسی بدل لی اور دوسری میں سوار ہو گئی۔ ہم نے ٹریفک کیمرا ز سے اس کو بھی ٹریس کر لیا اور فی الحال اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گی۔'' پھر اس کی زخمی حالت دیکھی۔ اشعر کے ماتھے پہ گومڑ بن چکا تھا اور ناک سے بہتا خون اب بمشکل رکا تھا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں۔ میں گر گیا تھا۔ اس لیے۔''

سیکیورٹی آفیسر زیر لب مسکرایا۔ دفعتاً اس کے کان میں لگے آلے میں آواز سنائی دی۔ اس نے دھیان سے سنا اور پھر فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔

''مبارک ہو سر۔ تالیہ مراد کو سگنل پہ روک کے ٹیکسی سے نکال کے گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

اشعر کا آفس بیگ والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھنے لگا۔ یقین نہیں آیا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ تالیہ ہی ہے؟''

''جی سر۔ اور اس کے ماتھے سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ شاید وہ بھی گر گئی تھی۔''

''میں نے اسے گرایا تھا۔'' وہ نفرت سے پھنکارا اور آفس بیگ پرے ڈال دیا۔ اس کا چہرہ بیک وقت کئی جذبات کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا۔ مجھے ثبوت دکھاؤ۔''

آفیسر نے موبائل پہ اپنے ایک اہلکار کو ویڈیو

کال ملائی اور پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہاں وہ اہلکار زخمی چہرے والی تالیہ مراد کو پولیس کار میں بٹھاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تالیہ ہی تھی۔ وہ واقعی تالیہ ہی تھی۔

وان فاتح جس وقت گھر میں داخل ہوا' لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی جولیانہ (جو اینٹی سوشل ہونے کے باعث سالگرہ پہ نہیں گئی تھی) تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔

''ڈیڈ..... تالیہ مراد ارریسٹ ہوگئی ہے۔''

اس فقرے نے فاتح کو بالکل گنگ کردیا۔ اس کی ششدر نظریں ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

''ایک حیرت انگیز ٹوئسٹ۔ قریباً چھ سال بعد عصرہ محمود کے قتل کی ملزمہ تالیہ مراد منظر عام پہ آگئیں۔'' اسکرین پہ نظر آتی رپورٹر جوش سے بتا رہی تھی۔

''پولیس نے تالیہ مراد کو مخبری کے بعد ایک ٹیکسی سے سرراہ گرفتار کرلیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ تالیہ مراد کو عصرہ محمود کے قتل کیس میں پولیس کی طرف سے اشتہاری قرار دے دیا گیا تھا۔ اور چھ برس تک پولیس ان کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن بالآخر پولیس کی کوششیں رنگ لائیں اور تالیہ گرفتار ہوگئیں۔ یاد رہے کہ وہ ایک زمانے میں پردھان منتری کی چیف آف اسٹاف اور فیملی فرینڈ ہوا کرتی تھیں۔ تالیہ مراد اس وقت ایک معروف سوشلائٹ اور آرٹسٹ بھی تھیں جو.....''

پیچھے ٹی وی اسکرین پہ پولیس اسٹیشن کے خصوصی مناظر دکھائی دے رہے تھے جہاں ایک سیاہ ہڈی والی لڑکی کو پولیس کار سے نکال کے اندر لے جایا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں تھیں۔ اندر لے جاتے ہوئے اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کے پیچھے کھڑے کیمروں اور رپورٹرز کے ہجوم کو دیکھا اور پھر گردن موڑ لی۔ وہ اسے اندر لے گئے۔ چھ سیکنڈ کا یہ کلپ چینل والے بار بار دکھا رہے تھے۔ اور وہ اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔

چھ سال بعد آج بھی وہ چہرہ ویسا ہی تھا۔ وہی بال۔ وہی غزال آنکھیں۔ لب کاٹتے جھکایا ہوا سر۔ ماتھے سے بہتا خون۔

وہ ششدر سا لاؤنج کے وسط میں کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ چھ سال درمیان سے غائب ہوگئے تھے۔

''اب کیا ہوگا' ڈیڈ؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولی۔ آج وہ جولیانہ کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔ بہ دقت اتنا ہی بولا۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا' جولی۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔ ریلیکس۔'' جیب سے فون نکالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

بندا ہارا کو ایک قیدی سے ملاقات کا انتظام کرنا تھا۔

☆☆☆

پولیس اسٹیشن کے باہر مختلف نیوز نیٹ ورکس کی ڈی ایس این جیز کھڑی نظر آرہی تھیں۔ سڑک پہ رپورٹرز اور کیمرہ مینوں کا رش لگا تھا۔ کیمرہ لائٹس سے رات میں دن کا سا سماں لگتا تھا۔ پولیس نے پٹی لگا کے حد بندی کر رکھی تھی اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

ایک انٹیروگیشن روم میں میز کے دونوں اطراف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ ایک طرف آئینے کی دیوار تھی۔ ایک کرسی پہ بیٹھی ہڈ والی لڑکی ماتھا میز پہ ٹکائے ہوئے تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور پولیس اسٹیشن کا شور پولیس کمشنر کے ساتھ اندر آیا۔ اگلے ہی لمحے کمشنر نے دروازہ بند کیا تو شور کا راستہ بھی رک گیا۔ وہ سانولی رنگت اور سپاٹ چہرے والا کمشنر آستینیں چڑھائے' ایک فائل لیے خالی کرسی تک آیا۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کی مرہم پٹی کردی گئی ہے۔ امید ہے اب آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں گی۔''

اس نے سر اٹھایا۔ تیز روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ماتھے پہ سلوٹیں تھیں۔

چہرے پہ بے بسی کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ ماتھے اور گال پہ بینڈیج ہوئی تھی اور ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ چند لٹوں پہ خون جما نظر آرہا تھا۔ آنکھ کے قریب چوٹ لگنے سے وہاں پھیلی نیلاہٹ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہری ہوتی جارہی تھی۔

"ہڈ اتار دیں۔" کمشنر نے بیٹھتے ساتھ اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی' آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ پھر ہڈ پیچھے گرا دی۔

"آپ کو یہ زخم کیسے پیش آئے؟" وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"لائٹ آہستہ کر دیں۔" اس نے ماتھے کے اوپر ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔ چہرے پہ خوف سا پھیلنے لگا تھا۔

"آپ کو اندھیروں میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے شاید۔ اسی لیے آپ یہاں کسی کو فیس نہیں کر پا رہیں۔"

"مجھے... مجھے اپنے آفس میں لے جائیں۔ میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔" اس نے سر جھکا دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ روشنی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کیا آپ کو روشنی کا فوبیا ہے؟"

اس نے چہرہ اٹھا کے برہمی سے کمشنر کو دیکھا۔

"مجھے ایک دفعہ پہلے بھی اسی طرح گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر وہ سب ایک پرینک تھا۔ مجھے اس.... اس تفتیشی کمرے کا فوبیا ہے۔"

"ہوں۔ یہاں آنے سے وہ ساری یادیں واپس آرہی ہیں؟"

تالیہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں اور سر جھکا دیا۔ دونوں ہاتھ کنپٹیوں پہ رکھ لیے۔

"آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں؟"

"میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں کچھ نہیں بولوں گی۔" سختی سے آنکھیں میچے وہ بولی۔

"ابھی آپ نے اپنے وکیل کو جو کال کی تھی وہ اسپیکر فون پہ میں نے سنی تھی۔ وہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ ہم پولیس والے آپ کو بولنے پہ اکسائیں گے اور آپ نے صرف خاموش رہنا ہے۔ لیکن چے تالیہ...." وہ آگے کو ہوا اور نرمی سے بولا۔ "ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ آپ جب تک اپنی کہانی ہمیں نہیں سنائیں گی ہم کیسے آپ کی مدد کریں گے۔"

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں میچے بیٹھی رہی۔

"آپ نے عصرہ کا قتل کیوں کیا؟"

"میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔" اس نے آنکھیں کھولیں اور کمشنر کو دیکھ کے غرائی۔

"یعنی آپ بے قصور تھیں؟" آفیسر کا لہجہ مزید نرم ہوا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ پلکیں جھپکائیں۔ کمشنر کو محسوس ہوا وہ آنکھوں کو تیز روشنی کا عادی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"آپ میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

"نہیں۔ مجھے واقعی اس کیس کے مندرجات پہ شک ہے۔ آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔ لیکن اگر آپ بے قصور تھیں تو چھ سال تک مفرور کیوں رہیں؟"

"میں مفرور نہیں تھی۔" وہ تیزی سے بولی۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ "میرے وکیل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"

"تو پھر آپ کہاں تھیں؟" وہ اس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔

"میں...." اس نے لب کاٹے۔ "میں اپنی مرضی سے غائب نہیں ہوئی تھی۔"

"یعنی کسی نے آپ کو غائب کیا تھا؟"

آئینے کے پار تین افسران کھڑے غور سے اس کمرے میں جھانک رہے تھے۔ تالیہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے پاس نصب اسکرینز پہ اس کے چہرے کا کلوز اپ دکھایا جا رہا تھا۔ اس کا ہر لفظ ریکارڈ کیا جا رہا تھا۔

"مجھے.... مجھے اغوا کیا گیا تھا۔" اس نے کہنے

کے ساتھ خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ دیوار پہ لگی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

''کس نے اغوا کیا تھا آپ کو؟''

''مجھے نہیں پتا۔ میں نے اغوا کاروں کا چہرہ نہیں دیکھا۔'' اس نے پھر سے دروازے کو دیکھا۔ مٹھیاں مینز پہ پر رکھے' وہ روشنی کے باعث چہرے کو ترچھا کیے بیٹھی تھی۔ آفیسر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ.... آپ کو اپنا دعوا ثابت کرنا پڑے گا۔'' کمشنر کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''چھ سال تک آپ کو کس نے اغوا کر کے رکھا' ہاں؟'' وہ اب سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے.... نہیں پتا۔''

''انہوں نے آپ کو اغوا کر کے جس جگہ رکھا تھا اس کے بارے میں بتائیں۔''

وہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ''پتا نہیں۔ میری آنکھوں پہ پٹی تھی۔'' توقف سے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔ ''جب پٹی کھلتی تو ایک... مستطیل سا کمرہ نظر آتا۔''

''اس کمرے میں کوئی دروازہ تھا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ ہاں تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ تیز روشنی کے سامنے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا پھر سے بنالیا۔ ''اصل میں وہ کمرا نہیں تھا۔''

''اچھا۔ وہ کیا تھا؟'' وہ تحمل سے بولا۔

''وہ.... کسی ٹرک کا کنٹینر تھا۔ وہ..... وہ موو کرتا تھا۔ کیا آپ اس روشنی کو ہلکا نہیں کر سکتے؟''

''کسی اغوا کار کی شکل دیکھی تھی آپ نے؟''

''نہیں۔ انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔''

''آف کورس انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔'' وہ بے زاری چھپا کے بولا۔ ''آپ وہاں سے کیسے بھاگیں؟''

''میں..... پتا نہیں۔ میں نے ایک دن ایک اغوا کار پہ حملہ کر دیا جب وہ میرے ہاتھ باندھ رہا تھا۔ میں اسے گرا کے باہر نکل آئی۔ وہ ملاکہ کی کوئی سڑک تھی۔ بس میں وہاں سے بھاگ گئی۔''

''جس سڑک پہ آپ اس کنٹینر سے نکلیں.... وہ سڑک یاد ہے کون سی تھی؟''

''جونکر اسٹریٹ۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اور کنٹینر کا رنگ کیا تھا؟''

''رنگ؟'' وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اگر آپ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ وہ سڑک کون سی تھی' تو یقیناً ایک دفعہ مڑ کے اس کنٹینر کو بھی دیکھا ہوگا جو اتنے سال سے آپ کو مقید کیے ہوئے تھا۔''

''پتا نہیں۔ رات تھی۔ میں نے غور نہیں کیا۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ نیلا یا شاید سرخ۔ شاید دونوں رنگ تھے۔''

''اور اس کا نمبر کیا تھا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ آپ نے نمبر پلیٹ بھی نہیں دیکھی۔''

''نو.... نمبر پلیٹ پہ مٹی لگی تھی.... آخر میں ڈبل سیون آتا تھا۔''

''عصرہ محمود سے آپ کا تعلق کیسا تھا؟''

وہ ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ پھر سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مزید کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ تیزی سے بولی تو کمشنر ہلکا سا مسکرایا۔ اس نے چند سوال مزید پوچھ لیکن وہ سختی سے لب آپس میں پیوست کیے بیٹھی رہی۔

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور ایک سپاہی احمد نظام کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ تالیہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''آپ نے کچھ کہا تو نہیں؟'' انہوں نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے تالیہ کو غور سے دیکھا۔ اس نے بس ابرو اچکا دیے۔

''آپ کی کلائنٹ نے چھ سال تک قید میں رکھے جانے کی ایک فلمی کہانی سنائی ہے جو اگر جھوٹی نکلی تو یہ مزید مشکل میں پڑ جائیں گی۔'' کمشنر محظوظ انداز میں بولا تو احمد نظام نے صدمے سے اسے

دیکھا۔

''اب آپ خاموش رہیں گی۔'' انہوں نے اسے گھور کے کہا۔ پھر کاغذات سامنے رکھتے ہوئے آفیسر کی طرف گھومے۔

اس نے پھر سے سر جھکا دیا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ تیز روشنی کا راستہ اب رک گیا تھا۔

☆☆☆

اشعر جس وقت گھر میں داخل ہوا' ملازم نے اطلاع دی کہ فاتح اس کا اسٹڈی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس لمحے کے لیے تیار تھا۔ اس لیے راہداری کی سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ لیکن اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی وہاں کا منظر اسے چونکا گیا۔

فاتح اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو قانونی مشیر اس کے سامنے کاغذات اور فائلز پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ ناخوشی سے ان میں سے ایک کو سن رہا تھا جو بہت فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''داتو سری.... آپ ایک قتل کے الزام میں گرفتار ملزمہ سے نہیں مل سکتے۔ یہ بہت بڑا ایشو بن جائے گا۔''

''میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپ اس ملاقات کو ارینج کریں' نا کہ مجھے نصیحت کریں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔ آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا شدید برہم نظر آتا تھا۔

''سر یہ ناممکن ہے۔ آپ پولیس اسٹیشن گئے تو اسکینڈل بن جائے گا۔ وہ آپ کی مرحومہ بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے۔ آپ کا اس سے بات کرنا قانونی پیچیدگیوں کا موجب بنے گا۔ اور ہم اسے اس وقت پولیس اسٹیشن سے نکال کے کہیں اور نہیں لا سکتے۔''

''آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں؟'' چوکھٹ پہ کھڑے اشعر نے بے یقینی سے کہا تو فاتح نے برہم نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اشعر کی ناک اور گال پہ بینڈیج لگی تھی۔ اور ایک آنکھ پہ نیل کا نشان تھا۔

فاتح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ محفل برخاست ہونے کا اشارہ تھا۔ دونوں حضرات اپنی فائلز سمیٹ کے وہاں سے اٹھ گئے۔

وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو اشعر نے دروازہ بند کیا اور اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کو اب بھی اس سے ہمدردی ہے؟'' اس نے بے یقینی اور غصے سے پوچھا۔

''تم نے اس کے لیے جال تیار کیا اور مجھے بتانا تک مناسب نہیں سمجھا؟ تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟'' وہ اس سے زیادہ غصے سے بولا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے درمیان فقط ایک میز حائل تھی۔ اسٹڈی کی دیواریں.... کرسیاں... اور فائلوں کے ڈھیر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''وہ میری بہن کی قاتل ہے۔ میں اسے سو دفعہ گرفتار کرواؤں گا۔'' اشعر کی آواز اونچی ہونے لگی۔

''وہی بہن جس کو جعلی پینٹنگ دلوا کے تم زمانے میں بدنام کرنے کا پلان کر رہے تھے؟ اس سب کے باوجود میں نے تمہیں اتنے سال اپنے ساتھ نہیں رکھا؟''

''اوہ! اس طرح اس کا دفاع کرنے کا سوچیں بھی مت' وان فاتح۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ چلایا۔

''اور تم مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ یہ جو تمہارا مقام اور مرتبہ بنا ہوا ہے نا اشعر' یہ میرے ایک دستخط سے ختم بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے انگلی سے سینے پہ دستک دے کر غرا کے کہا تو اشعر ایک لمحے کے لیے چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے دہکتا اب سیاہ پڑنے لگا تھا۔

''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ تم نے اس کو جتنا نقصان پہنچانا تھا' پہنچا لیا۔ مجھے یقین ہے وہ اپنی بے گناہی ثابت کر لے گی۔ لیکن اب تم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کرو گے۔'' وہ اسے

سختی سے تنبیہہ کررہا تھا۔
اشعر دونوں مٹھیاں میز پہ رکھ کے آگے جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
''یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن کی قاتل کے خلاف کچھ کرنے سے روک سکتے ہیں۔''
پھر زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔
''تو پھر سن لو۔ میں اس کی ہر ممکن مدد کروں گا۔ اور میں اسے جیل سے نکال بھی لوں گا۔ تم مجھے نہیں روک سکو گے۔''
اشعر نے پھر سے میز پہ ہاتھ مارا اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے اس نے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ فاتح نے نوچنے والے انداز میں ٹائی کھینچی اور فون اٹھالیا۔
''کیا اپ ڈیٹ ہے؟'' کچھ دیر بعد اپنی کرسی پہ بیٹھے' وہ سنجیدگی سے فون پہ پوچھ رہا تھا۔ غصہ' برہمی' سب غائب تھا اور اس کا انداز اب ٹھنڈا تھا۔
''انٹیروگیشن جاری ہے۔ اس کا وکیل آچکا ہے۔ وہ قتل کے بارے میں کچھ نہیں بتارہی۔''
''کون ہے اس کا وکیل؟''
''احمد نظام۔ وہ ایک سابق پراسیکیوٹر تھا اور....''
''میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ کیا اس نے بتایا ہے کہ اتنے سال وہ کہاں تھی؟'' پوچھتے ہوئے اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔
''اس کا کہنا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا تھا اور اتنے سال قید میں رکھا گیا۔ مگر اس کے انداز سے لگتا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے یا خوف کا شکار ہے۔''
''ہوں۔ مجھے آگاہ کرتے رہنا۔'' اس نے پرسوچ نظروں سے دور خلا میں دیکھتے ہوئے کہا اور فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم سے اس کی ساری دنیا ہی تلپٹ ہوکے رہ گئی تھی۔
چھ سال بعد وہ واپس آئی تھی۔ چھ سال وہ کہاں رہی' وہ اس سے کیوں نہیں ملی' اور اب اس کی زندگی میں کیا کیا بدل چکا تھا.... ان سوالوں کے جوابات صرف تالیہ مراد کے پاس تھے۔ اور اس سے ملاقات کے سارے راستے بند تھے۔

☆☆☆

سری پردھانہ کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی سرما کی دھوپ سارے آفس کو شینک رہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا' ایک فائل کے صفحے پلٹتا نظر آرہا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سوٹ میں ملبوس شاہدان اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں آج بھی ایک سیاہ فولڈر تھا۔ وہ فاتح کو مخاطب کیے بغیر آگے آیا اور فولڈر شیلف میں رکھا۔ پھر میز کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کھنکھارا۔
فاتح نے فائلوں سے سر اٹھا کے ایک سوالیہ نظر اس پہ ڈالی۔
''یا نگ دی امان برحرمت.... مجھے آپ کو آگاہ کرنا تھا کہ.... آج تالیہ مراد کی عدالت میں پیشی تھی۔ ان کے وکیل نے ضمانت کی درخواست دائر کی تھی۔''
''اور؟''
''ان کی ضمانت عدالت نے منظور کرلی ہے۔ ان کو رہا کردیا گیا ہے۔''
ایک لمحے کے خاموش وقفے کے بعد فاتح نے سر کو خم دیا اور بولا۔ ''اوکے۔ اور کچھ؟''
''عدالت نے ضمانت کی رقم کافی بھاری مقرر کی تھی۔''
''کس نے رقم ادا کی؟''
''اینکر پرسن ایڈم بن محمد نے۔ اس نے ٹویٹ کی ہے کہ اس نے تالیہ مراد کی کہانی کے رائٹس خرید لیے ہیں۔''
''ٹرائل کب شروع ہورہا ہے؟''
''غالباً دو ہفتے بعد۔''
''ہوں۔ سلطان عبدالمالک تشریف لے آئے؟'' اس نے واپس کام کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔
''قریباً تین منٹ تک وہ پہنچ جائیں گے۔''

شاہدان نے ایک نظر پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلز کے اکٹھے ہوتے ڈھیر کو دیکھا۔ پردھان منتری نے ان کو ابھی تک نہیں چھوا تھا۔ وہ کچھ کہنے لگا پھر سر جھٹکا اور اجازت لے کر مڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد فاتح نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین آن کی۔

غالباً ہر چینل ایک ہی خبر دِکھا رہا تھا۔ عدالت کے باہر رپورٹرز کے نرغے میں تالیہ مراد اپنے وکیل کے ساتھ چلتی باہر آرہی تھی۔ اس نے سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پہ سیاہ شیشوں والے گلاسز تھے۔ کھلے بال کندھوں پہ پھیلے تھے۔ گال پہ سرخ بھورا نشان' ماتھے کا بینڈیج اور ہاتھ کی پٹی صاف دکھائی دیتی تھی۔

آج وہ کمپوزڈ اور سپاٹ نظر آتی تھی۔ رپورٹرز کے سوالات کی بوچھاڑ پہ سپاٹ چہرہ لیے خاموشی سے آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ایک کار میں بیٹھ گئی۔ وکیل صاحب بھی ساتھ بیٹھے۔ دروازہ بند ہوا اور کار آگے بڑھ گئی۔ اب رپورٹرز اپنے اپنے کیمروں کی طرف رخ کیے اس کیس کی تفصیلات بتانے لگے۔

اور وان فاتح ایک لمحے کے لیے تالیہ کے سپاٹ چہرے پہ اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے لگا۔

اس کے ساتھ چھ سال تک کیا بیتی۔ وہ کہاں تھی۔ اس نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ اپنے باپ کے پاس رہ گئی تھی؟ اس کے پاس ضائع کرنے کے لیے دوسرا لمحہ نہ تھا۔ اس نے اسکرین آف کردی اور سامنے رکھے کاغذات کو دیکھنے لگا۔

دفعتاً دروازے کھول دیے گئے۔ دربان نے آ کے اطلاع دی۔

یانگ دی پرتوان اگونگ (بادشاہ سلامت) تشریف لا رہے تھے۔ وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو انکو'' کہتے ہوئے تعظیم پیش کی۔

عام دنوں کی نسبت سلطان عبدالیا لک سادہ سوٹ میں ملبوس تھے۔ سر پہ ٹوپی تک نہ تھی۔ کھچڑی بال' آنکھوں پہ چشمہ' اور چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وہ آئے۔ شاہی آداب کے بعد دونوں اپنی کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''آپ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتے تھے' داتو سری؟''

''جی' تو انکو۔ میں خود آجاتا۔ آپ نے زحمت کی۔'' الفاظ کے برعکس فاتح کا چہرہ سپاٹ اور لہجہ سرد تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ بتائیں۔ کوئی خاص بات تھی۔''

''تو انکو... آپ نے تاریخ کا مطالعہ تو کیا ہوگا؟ میں اکثر کرتا ہوں۔'' وہ میز پہ ہاتھ باہم جما کے رکھے' سکون سے سامنے بیٹھے بادشاہ کو دیکھتے ہوئے اسی سرد لہجے میں کہنے لگا۔ ''قدیم ملاکہ میں سلاطین اپنے دائیں ہاتھ کے طور پہ ایک عہدیدار رکھتے تھے۔ اسے بندا ہارا کہا جاتا تھا۔ سلطان اور بندا ہارا دونوں تب تک حکومت میں رہتے جب تک ان کی طاقت مخالفین کی طاقت سے زیادہ رہتی۔ جہاں یہ توازن بگڑتا' وہاں ان کا تختہ الٹ جاتا۔''

''میں تاریخ سے واقف ہوں' یانگ دی امان برحرمت۔''

''پھر آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ جدید دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے میں پانچ سال کے لیے منتخب ہو کے آتا ہوں' ویسے ہی سلطان بھی منتخب ہوتا ہے۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہے' تو انکو۔''

''جیسا کہ؟''

''آپ کو بیٹلی (کار) پہ سفر کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ لیکن پردھان منتری صرف اپنے ملک کی بنی کار استعمال کرسکتا ہے۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ سلطان مسکرا دیے اور ابرو اٹھائی۔

''آپ نے صرف یہ فرق جتانے کے لیے تو مجھے نہیں بلایا۔''

''جی' تو انکو۔ دوسرا فرق ہم میں یہ ہے کہ پردھان منتری ہمیشہ سلطان سے زیادہ اختیارات رکھتا ہے۔ آپ کا انتخاب تین ماہ قبل ہوا تھا۔ اس سے

پہلے آپ ریاست کے حکمران تھے۔ نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو چنا اور یہاں تک پہنچایا۔''

''آپ کھل کے بات کریں' وان فاتح۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

''تو انکو۔'' وہ بھی مسکرایا۔ ''میں جانتا ہوں آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہ چار ریاستوں کے سربراہ میرے خلاف آپ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ صوفیہ رحمن سے آپ کی ہمدردی برقرار ہے۔ اسی لیے میرے بل کو پاس ہونے سے روکنے کے لیے میرے اراکین کو آپ توڑ رہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے جما جما کے کہہ رہا تھا۔

''اور آپ ان اراکین کو اونچے عہدوں کا لالچ دے کر واپس بلا رہے ہیں۔''

''لوگ مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں' تو انکو۔ لیکن جن نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو سلطان بنایا ہے کیا وہ آپ پہ ہمیشہ اعتبار کرتے رہیں گے؟''

''یہ وقت بتائے گا کہ کون کس کو کرسی سے ہٹائے گا' داتو سری۔''

ایک خاموشی کا وقفہ دونوں کے درمیان حائل ہوا۔ پھر فاتح نے گہری سانس لی اور افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ صرف مجھے نقصان نہیں پہنچا رہے۔ میرے لوگوں کو نقصان دے رہے ہیں۔ اس لیے کتنا اچھا ہو کہ آپ اپنے پانچ سال آرام سے حکومت کریں' اور خود کو محلاتی سازشوں سے لاتعلق کر کے اپنے اختیارات انجوائے کریں۔ اور مجھے میرا بل پاس کرنے دیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھے اور مسکرا کے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ میری طرف سے فکرمند نہ ہوں' وان فاتح۔ آپ کے بل کے لیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' پھر بادشاہ سلامت نے اپنے کوٹ کا بٹن بند کیا' نادیدہ شکنیں درست کیں اور ایک نظر کونے میں لگے بورڈ کو دیکھا جو ابھی کورے سے ڈھکا ہوا تھا۔

''ان شاء اللہ اکثریت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

''آپ پردھان استرا انجوائے کریں' تو انکو۔ یہ کٹھن کام میرے لیے چھوڑ دیں۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلیں اداسی سے ان دونوں کو مصافحہ کرتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جانے وہ ہاتھ انہیں کب چھوئیں گے؟ وہ انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆☆

احمد نظام گاڑی چلا رہے تھے اور وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی' کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کم از کم میں آزاد ہوں۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی تو انہوں نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''لیکن آپ نے اپنا کیس مزید خراب کر دیا ہے' تالیہ۔'' وہ برہمی سے بولے۔ کل سے اس پہ آیا غصہ بالآخر نکل آیا۔ ''میرے آنے سے پہلے آپ کو خاموش رہنا تھا۔ آپ کو اپنی گمشدگی کی اتنی لمبی اور بے سروپا کہانی سنانے کی ضرورت نہ تھی۔''

''میں پینک کر گئی تھی.... اوکے؟ مجھے انٹروگیشن روم اور ان کی تیز روشنیوں کا فوبیا ہے۔ مجھے پولیس کی قید میں جانے سے اس وقت سے ڈر لگتا ہے۔ میں ابھی تک اس چیز کو ہینڈل نہیں کر پا رہی۔ اوکے؟ اوکے؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ کی کہانی آپ کو مزید گلٹی ثابت کر دے گی' تالیہ۔ آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔''

''سچ پہ کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ آپ بھی نہیں۔ اغوا والی اسٹوری بہتر تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں نکلتا۔'' وہ شانے اچکا کے بولی۔ احمد نظام نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹا۔

''آپ کے خیال میں وہ اس اسٹوری کو چیک نہیں کریں گے؟ وہ ایسا کنٹینٹ نہیں تلاش کریں گے؟ وہ آپ کے ان تین چار دنوں کی ساری فوٹیجز نکالیں گے۔ وہ آپ کے ہر قدم کو ری ٹریس کریں گے۔''

''ہاں تو میرے اغوا کار عقل مند تھے نا۔ انہوں نے اب تک کنٹینٹ کو آگ لگا دی ہوگی یا اسے پانی میں

بہادیا گیا ہوگا۔"

"آپ کس زمانے میں رہ رہی ہیں۔ اتنا ہائی پروفائل کیس ہے یہ۔ وہ شہر کا ایک ایک کنٹینر ڈھونڈیں گے۔"

"زمانے سارے ایک سے ہی ہوتے ہیں' نظام صاحب۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔" وہ نخی سے کہہ کے کھڑکی سے باہر روشنی میں نہائے ایل کو دیکھنے لگی۔ آج پہلی دفعہ.... اتنے عرصے بعد.... وہ تیز روشنی میں بغیر خوف کے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پی ایم سے ملنے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"اٹس فنی.... اب ہر کوئی ان کو پی ایم کہتا ہے حالانکہ ان کا نام وان فاخ ہے۔ اور اچھا ہی ہوا نا میں گرفتار ہوگئی۔ یوں میری ضمانت بھی ہوگئی اور اب میں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہوں۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کا کیس لے کر میں نے غلطی تو نہیں کر دی۔" تالیہ نے خفگی سے انہیں دیکھا لیکن وہ اب ایک عمارت کے سامنے کار روک کے موضوع تبدیل کر گئے تھے۔

"میں نے اس بلڈنگ میں آپ کے لیے دو کمروں کا ایک اپارٹمنٹ کرائے پہ لے لیا ہے۔ آپ یہاں بہتر محسوس کریں گی۔ آپ کا سامان بھی موٹل سے اٹھوا کے یہاں منتقل کر دیا گیا۔" ایک کی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔ آپ تمام اخراجات میرے بل میں ڈال دیجئے گا۔" وہ دروازہ کھول کے باہر نکلی اور سن گلاسز ماتھے پہ چڑھا کے گردن اٹھائے اس اونچی عمارت کو دیکھا۔

"میں پہلے ہی ڈال چکا ہوں۔ ابھی آپ آرام کریں۔ کل میرے آفس آیئے گا۔ ہم آپ کے کیس پہ کام کریں گے۔"

اس نے چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا اور آزردگی سے مسکرائی۔ "بہت شکریہ' احمد نظام صاحب۔ میری مدد کے لیے۔"

"میں نے کہا نا' میں آپ کے بل میں ساری رقم ڈال چکا ہوں۔ ایڈم بھی صبح آفس آئے گا۔ تب تک آپ آرام کریں۔"

وہ ہینڈ بیگ لیے آگے بڑھی اور عمارت کے قریب آئی۔ خدکار دروازے کھلتے چلے گئے۔ لیکن تالیہ اندر نہیں گئی۔ وہ رک کے اس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھنے لگی جو اس کی طرف آرہا تھا۔ تالیہ نے دیکھا' اس کے پیچھے ایک سیاہ شیشوں والی لمبی سی کار کھڑی تھی۔

(ابھی میں اس نئے گھر میں داخل بھی نہیں ہوئی اور ان کو پہلے سے خبر ہوگئی۔)

"چے تالیہ۔" اس نے قریب آکے سر جھکا کے سلام کیا۔ "میں سری پردھانہ سے آیا ہوں۔ آپ کی پی ایم کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہے؟"

"ابھی؟"

"نہیں۔ کل صبح۔"

تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے اس نوجوان کو دیکھا۔

"سریش۔"

"سریش.... اپنے پردھان منتری سے کہو' تالیہ مراد ان سے نہیں ملنا چاہتی۔"

سریش ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا جیسے اس جواب کی امید نہ ہو۔

"چے تالیہ.... میں ان کو آپ کے انکار کی کیا وجہ بتاؤں؟"

"ان سے پوچھنا کہ وہ مجھ سے ملنے حوالات میں کیوں نہیں آئے؟"

"گستاخی معاف چے تالیہ! لیکن ملک کا حکمران ایک قیدی سے ملنے نہیں آسکتا۔"

"اچھا؟" اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ "میں تو آئی تھی۔" جتا کے بولی اور مڑ گئی۔ سرکاری اہلکار بے بسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"اور پھر میری بات کے جواب میں انہوں

نے کہا کہ میں تو آئی تھی۔''

قریباً گھنٹے بعد سریش ہاتھ باندھے اپنے پی ایم کے سامنے کھڑا' ساری بات شرمندگی سے بتا رہا تھا۔ وہ سن کے ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ وہ آئی تھی۔ جب وہ مراد راجہ کی قید میں تھا اور اس کا ماتھا' چہرہ اور ہاتھ اسی طرح زخمی تھا۔ تب وہ آئی تھی اس سے ملنے اور اس نے کسی روکنے والے کے روکنے کی پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن وہ نہیں جا سکا تھا۔

ڈیم ڈیموکریسی۔

''سر... آپ نے جو وقت کل صبح مس تالیہ کے لیے مختص کرنے کو کہا تھا' اسے کینسل کر دوں؟''

''ہاں۔'' اس کے جواب پہ سریش نے سر ہلا دیا۔ وہ جانے کے لیے مڑنے لگا جب فاتح بولا۔

''اسے سوموار کی صبح کا وقت دے دو۔''

سریش تعجب سے واپس گھوما۔ فاتح اب سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ تھا۔

''لیکن.... سر.... سوری لیکن.... انہوں نے تو ملنے سے انکار کر دیا ہے۔''

وان فاتح نے چہرہ اٹھا کے سنجیدگی سے سے دیکھا۔ ''نہیں۔ اس نے انکار نہیں کیا۔ اس نے تم سے پوچھا۔ ''ابھی؟'' تم نے کہا' کل صبح۔ اسے کل صبح کوئی اہم کام کرنا ہوگا اس لیے سوموار کا وقت دے دو۔''

''اوکے.... میں...'' وہ گڑبڑا کے بولا۔ حیران نظریں ابھی تک پردھان منتری پہ جمی تھیں۔ ''میں خود جاؤں ان کے پاس یا ان کو کال کر لوں؟ میرے پاس ان کا نمبر ہے۔''

''کال کرو۔ اسی لیے اس نے تمہارا نام پوچھا تھا تاکہ تم کال کرو تو وہ پہچان جائے۔'' وہ فائل کے صفحے پلٹتے ہوئے اب کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ سریش نے آہستہ سے سر ہلایا اور مڑ گیا۔ دنیا عجیب لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا سریش' مجھے ان سے نہیں ملنا۔''

''منڈے مارننگ۔ صبح آٹھ بجے' میم۔ میں سری پردھانہ کے باہر آپ کا منتظر ہوں گا اور آپ کو سیکیورٹی سے گزار کے اندر لے جاؤں گا۔''

تالیہ نے مسکرا کے فون بند کیا۔ (وہ اب بھی اس کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔ اس دفعہ وان فاتح کچھ نہیں بھولا تھا۔)

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لونگ روم کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ شہر کی اونچی عمارتیں اور سڑکوں پہ بہتا ٹریفک... یہاں سے سب دکھائی دیتا تھا۔ فون رکھ کے اس نے بازو سینے پہ باندھ لیے اور اس خوب صورت شہر کو دیکھنے لگی۔

اس شہر میں آج تالیہ مراد کے کیس کا چرچا ہوگا اور جب تک ٹرائل چلے گا' اس شہر میں تالیہ کے جرم کی ہی باتیں ہوں گی۔ چھ برس پرانا کیس زندہ ہو گیا تھا۔ بلاگز' چینلز' کیفے.... ہر جگہ یہی ذکر چھڑ چکا تھا۔

وہ خاموشی سے نیچے نظر آتے شہر کو دیکھے گئی۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ ناشتے کی میز پہ آج صبح تناؤ پھیلا تھا۔ فاتح جب اپنی سربراہی کرسی پہ آ کے بیٹھا تو اس نے ایک نظر تمام افراد پہ ڈالی۔ سکندر کے ماتھے پہ بل تھے اور وہ خاموشی سے سیریل کھا رہا تھا۔ جولیانہ اپنے ناشتے سے کھیلتی گم صم نظر آتی تھی۔ اور اشعر.... وہ بالکل سپاٹ بیٹھا تھا۔

''آج تمہارا کالج نہیں ہے' سکندر؟'' اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے دلیے کا پیالہ اپنے قریب کیا تو سکندر نے نظریں اٹھا کے برہمی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو ابھی بھی تالیہ مراد سے ہمدردی ہے؟''

فاتح نے پیالہ واپس رکھا اور سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔ ''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔''

''یہ اسی نے کیا تھا' ڈیڈ۔ آپ اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں ایک بے قصور لڑکی کو مجرم کہوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سوری۔''

''ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے۔'' سکندر درشتی سے بولا اور نیپکن پرے پھینکا۔ ''پھر وہ ہماری زندگیوں میں آئی۔ مجھے سب یاد ہے۔ اس کی وجہ سے آپ دونوں کی لڑائی ہوتی تھی۔ اس کی وجہ سے سب کی لڑائی ہونے لگی تھی۔'' اس نے شکوہ کناں نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ وہ باری باری باپ بیٹے کے چہرے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کورٹ میں ایک سرے سے دوسرے تک اڑتی گیند دیکھ رہا ہو۔

''اور پھر میری ماما مر گئیں۔ اس کی وجہ سے ہمیں گھر چھوڑنا پڑا۔ ہمیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ آپ نے آج تک اس کو مجرم نہیں کہا۔ ہمیشہ اس کو ڈیفنڈ کیا۔ لیکن اب آپ اس کو ڈیفنڈ نہیں کریں گے ڈیڈ۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اگر کسی نے اس گھر میں تالیہ مراد کی حمایت کی تو میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔''

اس نے کرسی دھکیلی اور سرخ چہرے کے ساتھ کہتا باہر چلا گیا۔ جولیانہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ فاتح نے گردن موڑ کے چبھتی ہوئی نظروں سے اشعر کو دیکھا۔

''تم نے کچھ کہا ہے سکندر کو؟''

وہ سیب میں دانت گاڑتے ہوئے کندھے اچکا کے بولا۔ ''اس کی عمر دیکھیں۔ کیا میں اس کا برین واش کروں گا؟ وہ اس کی ماں تھی۔ میری بہن تھی۔ وہ وہی محسوس کر رہا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ دیکھیں آبنگ۔'' اس نے سیب رکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

''میں آپ کا ذہن نہیں بدل سکتا۔ میں آپ کی رائے کو برداشت کروں گا۔ لیکن آپ ہمارے جذبات کو برداشت کریں۔ ہم میں سے کوئی اب اس قصے کو گھر میں ڈسکس نہیں کرے گا۔ معاملہ عدالت میں ہے۔ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ ہم سب کو قبول کرنا ہوگا۔''

فاتح نے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ اسی وقت مرکزی دروازہ کھلا اور میشا کا شناسا چہرہ دکھائی دیا۔

جولیانہ نے سر موڑ کے اسے دیکھا اور تیزی سے ناشتہ ختم کرنے لگی۔ میشا قریب آئی۔ اس کے جوتوں کی ٹک ٹک واحد آواز تھی جو سارے میں سنائی دے رہی تھی ورنہ ڈائننگ ہال کا تناؤ دور سے بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''جولیانہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا؟ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔'' سلام اور تعظیم کے بعد میشا تعجب سے کہتی جولیانہ کی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ جولی نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھاتی رہی۔ فاتح نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

''جولی.... آپ کی ٹیچر کچھ پوچھ رہی ہیں۔''

''اٹس اوکے۔ میں کتابیں یہیں لے آتی ہوں۔ ساتھ ہی اس کو پڑھا بھی دوں گی۔'' میشا نے اپنا بیگ اور پرس میز پہ رکھے اور اجازت لے کر اسٹڈی کی طرف چلی گئی۔

میشا کے جاتے ہی اس کا فون زور زور سے تھرتھرانے لگا۔ جولیانہ نے اسکرین دیکھی اور واپس دلیہ کھانے لگی۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ یہاں تک کہ تھرتھرانے کی آواز ناشتہ کرتے افراد کو کوفت میں مبتلا کرنے لگی۔

''جاؤ جولی.... اس کو فون دے آؤ۔'' اشعر نے جولیانہ کو مخاطب کیا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

''وہ اٹینڈ نہیں کریں گی۔ ان کے ایکس ہزبنڈ کا فون ہے۔ وہ اسے کبھی اٹینڈ نہیں کرتیں۔''

ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔ پھر کے بعد دیگرے اشعر اور فاتح اٹھ کے باہر چلے گئے۔

میشا کتابیں لیے واپس آئی تو فون ابھی تک تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے کتابیں رکھیں اور فون اٹھایا تو چہرے کی رنگت ایک دم بدلی۔ خوف سے نہیں۔ افسوس سے۔ آزردگی سے۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے کال کاٹی اور فون پرس میں ڈال دیا۔ پھر کرسی کھینچ کے بیٹھی اور کتابیں کھول لیں۔

☆☆

ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ

ماہنامہ

کرن

نومبر 2020ء کے شمارے کی ایک جھلک

- نیوز کاسٹر ''نازمین الطاف'' سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ ''انعم فیاض'' کہتی ہیں ''میری بھی سنیے''،
- اس ماہ ''گڑیا راجپوت'' کے ''مقابل ہے آئینہ''،
- ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت عبداللہ کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط،
- ''کنار خواب جو'' فرح بخاری کا مکمل ناول،
- ''روپ کے شیدائی'' منعم ملک کا ناول،
- ''کانچ سے سائبان'' مصباح علی سید کا ناولٹ،
- ''جھانسی کی رانی'' صدف آصف کا ناولٹ،
- ''بچھڑنا بھی ضروری تھا'' عطیہ خالد کا ناولٹ،
- اُم اقصیٰ، اُم ہانی، عندلیب زہرا، عبادت شاہ اور طیبہ چوہدری کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- ''کرن کتاب''

دلھن کی پریشانی آنکھوں میں حلقے، حنا کا گہرا رنگ ہی سب کو بھائے، چکوترے کے 25 فوائد، اف: یہ غصہ کیوں؟، کچن اور آپ، کرن کا دسترخوان مزے دار ریسیپیز کے ساتھ۔

نومبر 2020ء کا شمارہ شائع ہوگیا

فائزہ ثمرین

رقصِ شرر

مکمل ناول

وہ گا رہی تھی اور سننے والے مسحور ہو رہے تھے۔ اس کی آواز میں جادو تھا اور سننے والوں پہ سحر پھونک رہی تھی۔ اسٹیج کی سب روشنیاں گل تھیں۔ صرف اس پہ پڑنے والی زرد روشنی ہی تھی جو اس کا سراپا نمایاں کر رہی تھی اور اس روشنی میں آواز کا جادو جگاتی وہ ایک اپسرا لگ رہی تھی۔ باقی ہال بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور سمجھنا مشکل تھا کہ اس کے سامعین کی تعداد اور تاثرات کیا ہیں۔

وہ ڈوب کر گا رہی تھی گویا ارد گرد کی ہر چیز اس کی لے میں ڈوب رہی تھی، سمجھنا مشکل تھا۔

وہ مقرر کیے گئے وقت سے پانچ منٹ زیادہ لے چکی تھی، مگر جیوری کے لیے اسے روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر وہ خاموش ہوئی اور گویا سوئی کائنات جاگ اٹھی۔ ہال کی روشنیاں جل اٹھیں۔ اس کے سامعین کی تعداد دس، پندرہ سے زیادہ نہیں تھی۔ اور ان میں تین ججز تھے اور وہ سب کھڑے ہو کر اسے داد دے رہے تھے۔ وہ مائیک ہاتھ میں پکڑے جھکی اور اس جھکنے میں عاجزی سے زیادہ ادا تھی۔ گویا وہ جانتی ہو کہ یہ تعریف اور سب کا کھڑے ہو کر اسے داد دینا اس کا

حق تھا۔

''یو آر سلیکٹڈ۔''

ججز میں سے ایک مشہور سنگر نے مسکراتے ہوئے اسے وکٹری کا اشارہ کیا اور سائیڈ پہ کھڑے ایک لڑکے نے مخصوص قسم کا ایک بیج اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے یہ بیج حق کی طرح وصول کیا تھا۔

اب ججز مسکراتے ہوئے۔ ہلکی پھلکی بات چیت کے ذریعے اس کے بارے میں ابتدائی معلومات لے رہے تھے۔ اپنے بارے میں بتاتے ہوئے وہ بہت پُرجوش تھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے اپنے بارے میں کتنا اور کس حد تک بتانا ہے۔

☆☆☆

اس نے باہر نکلتے ہی، بیج ہاتھ میں لے کر لہرایا، تو باہر اس کے انتظار میں موجود اس کی دوستیں پُرجوش انداز میں اس کی طرف لپکی تھیں۔ اردگرد موجود باقی لوگوں نے بھی تالیاں اور سیٹیاں بجا کر پرجوش انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اور اتنی پذیرائی پہ خوشی سے اس کی ہیزل گرین آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''میں نے کہا تھا نا بیلا تم ضرور سلیکٹ ہوگی۔''

ہجوم سے تھوڑا ہٹ کر ایک قدرے پرسکون گوشے کی طرف آتے ہوئے اس کی ایک دوست پرجوش انداز میں بولی تھی۔

وہ سب یوں خوش ہو رہی تھیں گویا، بیلا کے بجائے وہ سلیکٹ ہوگئی ہوں۔

''اب دیکھو، مایا کا کیا بنتا ہے۔'' بیلا نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

''ویسے جب تم نے بیج لہرایا تو اس کا چہرہ دیکھنے والا لگ رہا تھا۔''

گھنگھریالے سنہرے بالوں قدرے فربہی مائل جسم اور بے حد سفید رنگت کی حامل وہ فنی بی تھی۔ ان کے گروپ کی سب سے شرارتی لڑکی۔

''ہونہہ.....''

بیلا نے اپنے سیاہ سلکی بال جھٹکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ مگر..... سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

اس کے ساتھ ہی اس کی سب دوستوں کو بھی رکنا پڑا، مایا اپنے سارے گروپ کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

''بیلا! — کانگریچولیشن۔''

اس سے پہلے کہ وہ اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھتیں، مایا نے خود ہی بڑھ کر بیلا کو مبارک باد دے دی۔

''تھینکس۔'' بیلا نے سپاٹ سے انداز میں کہا۔ اس کے خوب صورت چہرے پہ الجھن نمایاں تھی۔

''ویسے قاری عبدالوہاب کی پوتی کا سنگنگ کمپیٹیشن پروگرام میں ایز اے سنگر سلیکٹ ہوجانا، امیزنگ ناں.....'' مایا نے جیسے چٹخارہ سا لیا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔'' پھر اپنے گروپ کی باقی لڑکیوں کو تصدیق طلب انداز میں دیکھا۔

''تو..... تم کیا سمجھتی ہو کہ سنگنگ کمپیٹیشن پروگرام میں ایکس ماڈلز یا ان کی ڈفر اولاد سلیکٹ ہوگی۔''

بیلا بھڑک اٹھی تھی اور اس کی بات سن کر مایا کا چہرہ بھی غصے سے دہک اٹھا۔

''شاید ایسا بھی ہوتا ہو۔ خوب صورتی کی بھی اپنی ایک ویلیو ہوتی ہے۔'' بیلا کے ساتھ کھڑی بیا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اچھا، پھر تو تمہیں بھی جانا چاہیے۔ خوب صورتی میں تم بھی کم تو نہیں ہو۔''

نشاء ویسے تو شاید مر کر بھی اسے خوب صورت نہ مانتی، مگر اب خود اپنے منہ سے اس کی خوب صورتی کا اقرار کر لیا تھا۔

''لگتا ہے، بیلا کے سلیکٹ ہونے میں بھی اس کی آواز سے زیادہ خوب صورتی کا دخل ہے۔ کیوں بیا.....؟'' یہ مایا کی پنچی ٹینا کی آواز تھی۔

''میری تو نہیں۔ لیکن اگر مایا سلیکٹ ہوگئی تو کہہ سکتی ہو۔''

بیلا ٹھنڈے انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ فی الحال اس کا مایا گروپ سے پنگا لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''ویسے بیلا لڑائی ایک طرف۔ مجھے واقعی تمہارے سلیکشن کی بڑی خوشی ہوئی..... بلکہ، میں نے تو تمہارے گھر فون کر کے تمہاری مما کو بھی مبارک باد دے دی ہے۔''

اپنے پیچھے آتی مایا کی آواز سن کر بیلا سن ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''اب کیا ہوگا؟ بیلا؟''

گاڑی میں بیٹھی نیا کی آواز سے پریشانی واضح تھی۔ بلکہ نیا ہی کیا، گاڑی میں بیٹھی ان چاروں دوستوں کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی خوشی اور چمک کا اب ان کے چہرے پہ شائبہ تک نہ تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بیلا نے صرف کندھے اچکائے تھے۔

وہ چاروں اسکول کے زمانے سے فرینڈز تھیں اور ان کے آپس میں فیملی ٹرمز بھی تھے۔ نیا اور فی بی بہنیں تھیں۔ اور صرف گیارہ ماہ کا فرق ہونے کی وجہ سے تقریباً جڑواں ہی تھیں۔ بیا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد۔ والد اور والدہ دونوں ڈاکٹر تھے۔ والد پلاسٹک سرجن تھے۔ بے حد مصروف زیادہ تر کوریا میں ہوتے تھے۔ خوب صورتی اور ذہانت ان چاروں دوستوں کی مشترکہ خصوصیت تھی۔

''یہ مایا۔ جیلس گرل ہمیشہ ہمارے ہر کام میں ٹانگ اڑانا فرض سمجھتی ہے۔'' یہ فی بی تھی۔ مایا گروپ سے ان کی کبھی نہیں بنی تھی اور وہ یہ کہتے ہوئے بھول گئی تھی کہ وہ بھی ہمیشہ اس کے ہر کام میں ٹانگ اڑانا فرض ہی سمجھتی تھیں۔

''پتا تو چلنا ہی تھا انہیں۔'' بیلا نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا۔ ''مگر میں چاہتی تھی کہ کچھ اسٹیپ آگے پتا چلے انہیں۔ اب مجھے سنبھالنے میں مسئلہ ہوگا۔''

''تو پھر اب.....؟'' نیا اور فی بی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

''ولیس سی۔ دیکھتے ہیں مما کیا کہتی ہیں۔''

''ویسے بیلا، بات صرف تمہاری مما کی تو نہیں..... آئی مین تمہارے دادا جی.....؟ تم یہ سب کیسے مینج کرو گی۔''

بیا کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔ جیسے بیلا کی ناراضی کا ڈر ہو۔

''آئی تھنک پاپا اور نانا جی سے سفارش کروانی پڑے گی۔'' بیلا نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''اس مایا کی بچی نے سب گڑبڑ کر دیا، میں آرام سے بیٹھ کر نانا جی اور پاپا سے بات کرتی، پر اب اس کی فون کال، اف..... میرے گھر میں تو اس وقت بھونچال آچکا ہوگا۔''

اس نے ایک ہلکی سی جھرجھری لی اور گاڑی کی

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	300/-
دل اک گلشن	رضیہ جمیل	300/-
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	350/-
حنا	نادرہ خاتون	550/-
چلمن	نادرہ خاتون	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اسپیڈ بڑھا دی۔

☆☆☆

اور گھر میں آئے بھونچال کا حصہ بننے کا فی الحال بیلا کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ سو، وہ سب بیا کے گھر آ گئے تھے۔ اور بیا نے فون کر کے، فی بی اور نیا کی مما کو بتا دیا تھا کہ وہ ساری چنڈال چوکڑی اس کے گھر میں ہے۔

یہ ان لوگوں کا معمول تھا کہ جب بھی ایک دوسرے کے گھر رکتے فی بی، لوگوں کی مما کو ہی بتاتے تھے۔ دوسرے گھر وہ خود بتا دیتی تھیں۔ فی بی اور نیا کے پاپا ہوم منسٹری میں ہوتے تھے اور مما ہاؤس وائف تھیں سو یہ ذمہ داری انہوں نے خود ہی لی تھی اور کچھ دیہاتی بیک گراؤنڈ کی وجہ سے وہ ابھی اتنی براڈ مائنڈڈ بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بیٹیوں کے بنا بتائے شام تک گھر سے باہر رہنا برداشت کر لیتیں سو یہ روٹین — خود بخود ہی بن گئی تھی اور اب تک بخوبی چل بھی رہی تھی۔

ویسے بھی بیلا کا فوری طور پر گھر جا کر کسی سے الجھنے کا موڈ نہ تھا۔ پہلے ہی وہ تقریباً پورا دن آڈیشن کے چکر میں خوب خوار ہو چکے تھے۔ تین، چار گھنٹے فی بی کے گھر گزار کر وہ آرام سے آگے کا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے نانا جی کو بھی فون کر دیا تھا۔

تین چار گھنٹے بیا کے گھر گزار کر جب وہ اپنے گھر پہنچی تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ بڑے سارے لان میں اس وقت عام دنوں کی نسبت سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ورنہ اس کی دونوں بیاہی بہنوں میں سے کوئی نہ کوئی اس وقت اپنے ''ہونہار سپوتوں'' کے ساتھ لان کو رونق بخش رہی ہوتی تھی۔ اور بیلا کی نسبت رانیہ کی اپنے بھانجوں سے بہت بنتی تھی سو وہ بھی اس وقت وہیں ہوتی تھی، مگر آج......؟

کچھ تو تھا جو ہٹ کر تھا۔ بیلا کا ماتھا ٹھنکا۔ مایا نے واقعی کال کی تھی گھر، پہلے اگر اسے تھوڑا شک تھا بھی تو دور ہو گیا تھا۔ گاڑی گیراج میں پارک کر کے اس کا ارادہ فوراً اپنے کمرے میں جانے کا تھا۔ فی الحال وہ کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتی تھی، تب تک، جب تک نانا جی کے خیالات اس پروگرام کے بارے میں نہ جان لیتی مگر......

لاؤنج میں ماما اور رانیہ کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ شاید اس کے ہی انتظار میں تھیں۔

''بیلا! آج تم کسی سنگنگ پروگرام کے فرسٹ آڈیشن میں گئی تھیں۔''

مما کے کچھ کہنے سے پہلے رانیہ نے اشتیاق بھرے انداز میں پوچھا۔ مریم نے اسے گھور کر دیکھا تھا، بنا کچھ کہے یوں گھورنا، بتا رہا تھا کہ ان کے غصے کا گراف کافی بلند ہے۔

''تو کیا بنا پھر؟'' مما کی گھوری نظر انداز کیے، وہ بیلا سے مخاطب تھی۔

''استاد امانت علی کی بریلینٹ اسٹوڈنٹ سے کیا امید رکھ سکتی ہو تم۔''

بیگ کو صوفے پہ اچھال کر آرام سے بیٹھتے ہوئے اس نے دانستہ نانا جی کا نام لیا تھا۔ لاؤنج میں صرف مما اور رانیہ کو بیٹھا دیکھ کر، وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ ورنہ اس کے خیال میں تو اس وقت پوری فیملی کو ادھر اس کی گوشمالی کے لیے موجود ہونا چاہیے تھے۔ ایک پل کو، لال آنکھیں لیے غصے سے گھورتے دادا جی کا خیال آیا تو اس نے جھرجھری سی لی، شکر طوفان فی الحال ٹل گیا تھا۔

''اور استاد امانت علی کی بریلینٹ اسٹوڈنٹ ان سے کیا گیا عہد بھول گئی۔'' مریم کا ضبط جواب دے گیا تھا، ان کے لہجے میں طیش کے ساتھ ساتھ دکھ بھی جھلک رہا تھا۔

''یاد ہے مما......''

ان کے دکھ کو محسوس کر کے بیلا تھوڑی دھیمی ہوئی، ویسے بھی وہ جانتی تھی، دونوں طرف سے مریم نے ہی پسنا تھا۔

''تو پھر......؟'' مریم نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ آٹھ سالہ بیلا کا عہد تھا مما! بچی تھی تب میں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ ایک ناسمجھ بچی کا عہد، ایک میچور انیس، بیس سالہ لڑکی نبھالے گی تو میرا خیال ہے کہ آپ سراسر غلطی پر ہیں۔''

صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی مگر اندر ہی اندر کہیں بغاوت تھی۔

''بہرحال، میرا خیال ہے اپنی حد تم بہتر جانتی ہو۔ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم کس کی پوتی اور کیسے گھرانے کا فرد ہو، اپنے شوق کو یہیں تک محدود کرلو تو بہتر ہے۔''

وہ ایک پل کو رکیں۔

''بات ابھی میرے اور تمہارے درمیان ہی ہے اور اسے میرے اور تمہارے درمیان ہی رہنا چاہیے.....اوکے؟'' مریم کا انداز حتمی تھا۔

بیلا نے فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ بات اگر گھرانے کی ہے تو، وہ سوز، ساز اور آواز کی امین ہے۔ باپ کے گھرانے سے اگر اسے آواز کا سوز و گداز ورثے میں ملا ہے تو ماں کے گھرانے سے سر اور ساز، مگر فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ وہ خود بھی ابھی کچھ وقت چاہتی تھی۔

مریم نے کچھ دیر اس کے کچھ بولنے کا انتظار کیا۔ مگر اسے خاموش، سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر پرسکون ہوگئیں۔

''سمجھ گئی ہے شاید اور اگر نہیں سمجھی تو رک ضرور گئی ہے۔ سمجھ بھی جائے گی۔''

وہ مطمئن سی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

تھوڑی دیر تک انہیں مسز بیگ کی پارٹی میں جانے کے لیے نکلنا تھا۔ بیلا کی وجہ سے وہ پہلے ہی لیٹ ہوچکی تھیں۔

''یہ اچانک بیٹھے بٹھائے تمہیں سوجھی کیا۔ پہلے تو تم نے کبھی اپنے شوق کا اظہار نہیں کیا۔''

مریم کے لاؤنج سے نکلتے ہی رانیہ نے بیلا سے پوچھا اور اس کے انداز میں اچنبھا تھا۔

''ویسے ہی دوستوں کے اصرار پہ چلی گئی تھی۔ تھک گئی ہوں، ریسٹ کروں گی۔''

بیلا نے جان بوجھ کر اپنے انداز میں بے زاری پیدا کی اور ایک جھٹکے سے بیگ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

☆☆☆

استاد امانت علی سر پکڑے بیٹھے تھے۔ جب سے بیلا کا فون آیا تھا۔ انہیں کسی کل چین نہیں تھا۔ انہیں بیلا کے والد سے زیادہ، مریم کی فکر تھی۔ بیلا کو ان کی شاگردی میں دینے کی سب سے زیادہ مخالفت بھی اسی نے کی تھی، اور اب بیلا کی طرف سے اٹھایا گیا یہ نیا قدم۔

وہ جانتے تھے، بہت سے لوگوں کی زندگی کے پرسکون سمندر میں بیلا کے اس قدم سے اب طوفان اٹھے گا۔ مگر مریم.....

وہ اس طوفان کو مریم کی زندگی سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ ان کی بے حد لاڈلی تھی اور گائیک خاندان کا فرد ہونے پہ سب سے زیادہ احساس کمتری کا شکار بھی۔

جہاں ان کی باقی سب اولادان سے اپنے تعلق کو فخر یہ بیان کرتی۔ وہیں وہ.....

کیا وہ جانتے نہیں تھے کہ وہ خود سے ان کے تعلق کو دنیا کی نظر سے چھپانا چاہتی ہے۔ ان سے بے پناہ محبت بھی کرتی ہے اور ان کے فن کو ناپسند بھی کرتی ہے اور پھر وہ عہد .....

بھلا وہ اور بیلا، دس، گیارہ سال پہلے کیے گئے اس عہد سے کیسے پھر سکتے تھے۔

گیارہ برس پہلے کے ایک اجلے دن کی یاد ان کے دل پہ دستک دینے لگی تھی۔

☆☆☆

شاگردوں کو ریاض کروانے کے بعد، جب وہ اپنے کمرے میں لوٹے تو مایوس سے تھے۔ وہ ایک اعلا درجے کے گائیک اور موسیقار تھے۔ جب وہ پاکستانی فلم انڈسٹری میں گانوں کی دھنیں بناتے تھے تو ان کی گونج سرحد پار بھی سنائی دیتی تھی، ان کی بنائی بہت کم ایسی دھنیں اور گیت تھے جن کا پڑوسی ملک میں چربہ نہ بنایا جاتا ہو۔ مگر.....

پھر وقت نے رفتہ رفتہ چال بدلی اور انڈسٹری میں وضع داری کے بجائے خوشامد پسند کی جانے لگی اور ان کے جیسے اعلا درجہ اور حساس ذہنیت کے مالک موسیقار یہ سب کہاں برداشت کر سکتے تھے، سو چپ چاپ گوشہ نشینی اختیار کر لی، ہاں کبھی کبھار فن کے قدردان ان سے کچھ سیکھنے کے لیے آتے تو وہ بخل سے کام نہ لیتے تھے۔

یوں ہی وقت دبے پاؤں گزرتا چلا گیا اور اب انہیں لگتا تھا جیسے ان کے چل چلاؤ کا وقت ہے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو چکے تھے۔ دو بیٹیاں تھیں نیلم اور مریم اور ایک بیٹا غلام حسین۔ تینوں اپنے گھروں میں شاد و آباد تھے اور وہ انہیں دیکھ کر خوش، ہمیشہ انہیں ہنستا بستا دیکھنے کی دعائیں کرتے تھے۔

مگر پریشانی یہ نہیں تھی۔

اولاد کی طرف سے انہیں کوئی پریشانی نہیں تھی، ہاں بیٹیوں کے رشتوں کے وقت کچھ پریشانی ضرور ہوئی تھی۔ خاص کر مریم کے رشتے کے وقت اور اس وقت انہیں دنیا کے دوہرے معیار پر افسوس بھی ہوا تھا۔ جو اچھی دھنوں اور گیتوں کے تو قدردان ہوتے ہیں ان پہ سر دھنتے ہیں، مگر جب ان دھنوں اور گیتوں کے خالق سے رشتہ جوڑنے کا وقت آتا ہے تو میراثی اور بھانڈ کہہ کر دھتکار دیتے ہیں۔

خیر، وہ وقت بھی گزر گیا.....

اب تو ایک اور ہی پریشانی تھی جس نے ان کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔

مگر..... پھر اس دن ان کی یہ پریشانی دور ہوگئی۔ تو ذکر ہو رہا تھا۔ اس خاص اجلے روشن دن کا۔ جب وہ پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں بیٹھے تھے تو انہوں نے وہ آواز سنی تھی۔

ان کے شاگردوں کیا اولاد میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔ جسے وہ اپنے سینے میں ایک راز کی طرح دفن ''راگ'' کا امین سمجھتے۔ وہ گاتے تھے۔ اچھا گا لیتے تھے۔ مریم تو نہیں۔ البتہ نیلم اور غلام حسین کے بچے ان سے سیکھتے تھے۔ مگر کسی میں بھی وہ بات نہیں تھی، تو اس دن بھی وہ اپنے کمرے میں بے حد مایوسی کے

عالم میں بیٹھے تھے جب انہوں نے وہ آواز سنی۔ آواز کا بچکانہ پن اپنی جگہ، سر بھی کہیں کہیں ہل رہے تھے، مگر وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی خامیوں کے باوجود وہ سمجھ گئے وہ ایک فن کار کی آواز تھی۔ بھلا ایک فن کار دوسرے کو نہ پہچانتا۔ وہ تو شاید پیدائشی گائیک تھی۔ تو ان سے چھپی کیسے رہ گئی۔

وہ بے ساختہ گول کمرے سے آنے والی آواز کے تعاقب میں گئے۔ بھلا کس کی تھی وہ آواز.....؟

مریم اور نیلم دونوں آئی ہوئی تھیں۔

مریم کی چار بیٹیاں ہی تھیں۔ جبکہ نیلم کی دو بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ جانے کیوں ان کے دل میں خواہش ابھری کہ وہ نیلم کی بیٹیوں، میشال یا ایشاع میں سے کوئی ہو۔ مگر وہ دونوں ہوتیں تو ان سے چھپی رہ سکتی تھیں بھلا یہ تو، یہ تو شاید.....

اور ان کے کمرے میں پہنچنے سے پہلے ہی مریم نے اسے جھڑک کر خاموش کروا دیا تھا۔

''چپ کر جاؤ بیلا..... جو بھی گانا سن لو، اسے دوبارہ گانا تو تم پہ جیسے فرض ہو جاتا ہے۔''

''گانے دو ناں، کتنا اچھا گا رہی تھی۔'' یہ نیلم کی آواز تھی۔

''ارے.....'' مریم شاید مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر، دروازے میں انہیں دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

بیلا اب نیلم کے ساتھ بیٹھی منہ بسور رہی تھی۔

''ادھر آؤ بیلا بیٹی.....'' انہوں نے اور کسی کی طرف دیکھے بغیر اسے آواز دی تو وہ جھجکتے ہوئے ان کے قریب آ گئی۔

''آؤ میرے کمرے میں آ جاؤ۔'' وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے اپنے کمرے کی جانب مڑے تو مریم نے بے ساختہ انہیں آواز دی۔

''بابا.....''

''تم بھی آ جاؤ۔'' وہ مڑے بغیر بھی جانتے تھے کہ وہ ان کے پیچھے ضرور آئے گی۔

☆☆☆

قاری صاحب نے اپنی سائیڈ سے نکل کر آگے بھاگ کر جاتی دونوں لڑکیوں کو دیکھا، تو بے ساختہ ہی ''لاحول ولا'' پڑھ کر نظریں جھکا لیں۔ اس ایک نظر نے ہی ان کی طبیعت مکدر کر دی تھی اور وہ نظریں چرانے پہ مجبور ہو گئے تھے۔ اگرچہ صبح کی سیر کے لیے اس پارک میں آنا گزشتہ کئی برسوں سے ان کا معمول بن چکا تھا، اور ایسے مناظر ان کے لیے نئے نہیں تھے، مگر پھر بھی وہ لڑکیوں کو سیلولیس یا ہاف سیلولیس کی شرٹس اور ٹائٹس میں ننگے سر بھاگتے دیکھنے کے عادی نہ ہو سکے تھے۔

ان کا ارادہ ابھی ایک چکر مزید لگانے کا تھا، مگر پھر انہوں نے نوجوان نسل کی بے راہ روی پہ کڑھتے گھر جانے کو ہی ترجیح دی۔

گھر میں گیٹ سے داخل ہوتے ہی ان کی نظر خدیجہ اور رامین پہ پڑی تو بے ساختہ ان کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور کچھ دیر پہلے کی کلفت دور ہوتی محسوس ہوئی، بلکہ ایک پل کو انہیں فخر سا محسوس ہوا۔

وہ دونوں اس وقت نماز کے اسٹائل میں دوپٹے اوڑھے اپنے گھر کے لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ ان کو آتے دیکھا تو دونوں ہی مسکراتے لبوں کے ساتھ ان کی طرف آ گئیں۔

''آج آپ جلدی نہیں آ گئے دادا جی۔''

دیا نے ان کے ہاتھوں سے چھڑی لے لی تھی اور اب راستے میں آنے والے ہر پودے پہ وہ چھڑی مارنا جیسے اس کا فرض تھا۔

''اچھا.....!'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''بھلا کیسے.....؟''

وہ ایسے کہ میں نے ابھی آپ کی چائے کا پانی نہیں رکھا اب آپ کو چائے کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔

''ہوں.....!'' انہوں نے پرسوچ انداز میں رامین کو دیکھا۔

''اپنی سستی چھپانے کی اچھی کوشش ہے، کیوں رامین۔''

ان کی بات پہ رامین کی ہنسی اور اس کی احتجاجی چیخ بے ساختہ تھی۔

''دادا جی.....؟'' اس نے منہ بسور کے انہیں دیکھا۔ ''اٹس ناٹ فیئر۔''

وہ لاڈ سے بولی، تو قاری صاحب نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔ اس بات سے بے خبر کہ ایک طوفان دبے قدموں ان کی پرسکون زندگی کی طرف بھی بڑھ رہا ہے۔

☆☆☆

وہ ملک گیر شہرت کے مالک تھے اور ان کی وجہ شہرت ان کی پُرسوز آواز میں کی گئی قرات تھی۔ جہاں وہ ایک ہی سانس میں لمبی قرات کرنے کے فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ وہیں ان کی آواز میں اتنا سوز وگداز تھا کہ راہ چلتے رک جاتے تھے۔

قاری عبدالباسط کے شاگرد ہونے کی وجہ سے بیرون ملک، خاص کر مصر میں بھی ان کی خوب پذیرائی کی جاتی تھی۔

انہیں یاد تھا۔ جب پہلی بار ان کے دادا مولانا عبدالرشید صاحب نے ان کی تلاوت سنی تو ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ اس وقت مسجد کے دالان میں بیٹھے تھے۔ دادا جان امام مسجد تھے، صبح کی اذان ان کی ذمہ داری تھی۔ وہ منہ اندھیرے مسجد آتے، تو اپنے اس یتیم پوتے کو بھی ساتھ لے آتے۔ وہ ان کے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کی واحد نشانی تھے ان کے پاس، آج بھی ویسے ہی عام سے دن کی، ایک عام سی صبح تھی اور اس کی یاد ہمیشہ ان کے دل میں زندہ رہی۔

اس صبح جانے کیسے تلاوت کلام پاک کرتے ہوئے ان کی آواز اونچی ہوئی اور مولانا صاحب جیسے وجد میں آ گئے۔ اپنے پاس دادا کی موجودگی محسوس کر کے وہ جھینپ کر رک گئے تھے۔

پھر نماز پڑھا کر واپس گھر جاتے ہوئے دادا نے دوبارہ ان سے سورۃ رحمٰن کی تلاوت کرنے کو کہا جو انہیں زبانی یاد تھی۔ سرسبز کھیتوں کے بیچ پرندوں کی چہچہاہٹ بھی رک گئی تھی، جیسے وہ بھی ٹھہر کر خدا کا کلام سن رہے ہوں۔

''عبدالوہاب!'' دادا ہمیشہ ان کا پورا نام لیتے تھے۔

''تیری آواز میں نور ہے، اسے کبھی میلا مت کرنا۔''

''میلا دادا جی؟'' ان کا معصوم ذہن الجھ گیا تھا۔ ''بھلا آواز بھی کبھی میلی ہوئی ہے؟'' وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''ہاں.....'' دادا جی کی پُرسوچ نظریں، سامنے آسمان پہ ٹکی تھیں اور وہ اس کا ہاتھ تھامے کھیتوں کے بیچوں بیچ بنی پگڈنڈی پہ چلتے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''ہاں آواز بھی میلی ہوتی ہے پتر.....''

''کیسے.....؟'' ایک اور سوال حاضر تھا۔

''جھوٹ سے، چغلی سے، خدا کے ناپسندیدہ کلام سے اور، اور گانے سے.....'' وہ انہیں سمجھا رہے تھے۔

''گانے سے دادا جی وہ جیسے جیرا میراثی گاتا ہے، ڈھول بجا کر، شادیوں پہ۔'' ان کی پُرجوش آواز میں بات سمجھ لینے کی خوشی تھی۔

''ہاں، وعدہ کرو، تم اپنی آواز کو کبھی میلا نہیں کرو گے۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ان کے ننھے سے ہاتھ کو دبایا تھا۔

''وعدہ..... پکا والا۔''

انہوں نے اپنے اور دادا جی کے ہاتھ کو آگے پیچھے جھلایا۔ گویا وعدے کے پکا ہونے کا یقین دلایا۔

اور پھر گزرے برسوں میں ان کے ہاتھوں سے دادا جی کا ہاتھ تو چھوٹ گیا، مگر وہ وعدہ ان کو ہمیشہ یاد رہا۔

اس کے بعد دادا جی نے بھی ان کی قرات پہ بھرپور توجہ دی تھی۔ ملک میں سیکھنے کے بعد وہ کچھ عرصہ مصر میں قاری عبدالباسط صاحب کے بھی شاگرد رہ چکے تھے۔ جب تک دادا جی رہے، وہ گھر کی ہر فکر

سے آزاد تلاوت قرآن پاک کرتے رہے اور قرات سیکھتے رہے۔ مگر ان کی وفات کے بعد انہیں دنیاداری بھی کرنا پڑی اور اس میں بھی وہ ناکام نہیں رہے تھے۔

دادا جی کے بعد انہوں نے گاؤں کی زمین بیچ دی اور شہر شفٹ ہوگئے۔ وقت بدل رہا تھا اور وہ اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلانا چاہتے تھے اور ادھر انہوں نے جس چیز پہ ہاتھ رکھا سونا بن گئی۔ ان کے ہوٹلز کی چین لاہور، کراچی، مری اور اسلام آباد تک پھیل گئی تھی۔ اپنے تینوں بیٹوں اور اکلوتی بیٹی کو انہوں نے اعلا تعلیم سے آراستہ کیا تھا اور پھر ان کی شادیاں بھی اچھے گھرانوں میں کی تھیں۔

آہ! اچھے گھرانوں میں شادیاں۔

یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پہ آج بھی ان کا دل دکھ سے بھر جاتا تھا۔

عبدالباسط اور عبدالواحد تو بمشکل بی اے تک پڑھنے کے بعد ان کے ساتھ کاروبار میں شامل ہوگئے تھے اور ایسے خوبی سے کاروبار چلایا تھا کہ آج کراچی کے جانے مانے کاروباری لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور انہوں نے اچھے دین دار گھرانوں میں ان کی شادیاں بھی کردی تھیں اور ان کی اولاد اپر کلاس کی ان برائیوں سے کوسوں دور تھی جن کی وجہ صرف دولت ہوتی ہے۔ عائشہ کی بھی ایک اچھے گھرانے میں شادی ہوئی تھی اور وہ دوبئی میں ہوتی تھی۔

مگر عبدالرحمن.....

☆☆☆

کالج لان میں بیٹھی بیلا کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ وہ گھاس میں موجود تنکوں کو نوچ نوچ کر پھینکتی خاصے غصّے میں تھی۔ مایا بھی منتخب ہوگئی تھی اور اپنے پورے گروپ کے ساتھ کالج میں کدکڑے لگاتی پھر رہی تھی، جبکہ یہ سب منہ لٹکائے بیلا کے ساتھ لان میں بیٹھی تھیں۔ کچھ اسٹوڈنٹ بیلا کو بھی مبارک باد دینے آئے تھے۔ مگر اس کے روکھے پھیکے رویّے کی وجہ سے فوراً ہی چلے گئے تھے۔

''تو آخر کیا ہوگیا جو ہم نے سیب کو بتا دیا تمہاری سلیکشن کا.....؟'' آخر فی بی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

''وہ مایا پورے کالج میں شوما رتی پھر رہی تھی، تو کیا ہم ایسے ہی بیٹھے رہتے۔''

ماتھے پہ بیلا سے بھی زیادہ بل ڈال کر اس نے غصے سے کہا تھا، یہ اور بات کہ یہ غصہ سراسر مصنوعی ہی تھا۔

''ہاں، اگر نہیں بتانا تھا تو پہلے کہتیں، ایک تو آئی بھی اتنا لیٹ ہو۔'' یہ نیا تھی۔

''تو.....اس کا یہ کہاں سے مطلب نکلتا ہے کہ تم بھی شروع ہوجاتیں۔ صبر نہیں کرکر سکتی تھیں، لے کر پرابلم کری ایٹ کردیا میرے لیے۔''

وہ ایک لمحے کو رکی۔

''پتا ہے کیا، مجھے تم لوگوں کی بات مان کر آڈیشن کے لیے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

ان کی مایا گروپ سے کبھی نہیں بنی تھی اور مایا کے آڈیشن کے لیے جانے کا سن کر انہوں نے ہی بیلا کو مجبور کیا تھا کہ وہ بھی آڈیشن دے، ویسے بھی کالج میں بیلا اپنی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ خوب صورت آواز کے لیے بھی مشہور تھی۔ آواز تو خیر مایا کی بھی خوب صورت تھی مگر بیلا کے سروں کے آگے وہ کمزور پڑ جاتی تھی۔

''بیلا! تم پہلے یہ ڈیسائیڈ کرلو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟'' بیلا اس ساری بحث سے اکتا کر بولی۔

''اگر تم صرف ہمارے انسسٹ کرنے پہ اور مایا کی ضد میں گئی تھیں تو بات یہیں ختم کردو، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یو آر دا بیسٹ دین مایا۔''

''اور پھر تمہارے گھر فون کرکے وہ پہلے بتا چکی ہے، پھر اب کس سے چھپا رہی ہو۔'' فی بی کی آواز میں اچنبھا تھا۔ بیلا نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''پتا بھی ہے۔ اس خولہ (لومڑی)۔'' کی کزنز ادھر پڑھتی ہیں، پکی رپورٹر ہیں اس کی اور فی الحال

دادا جی سے چھپانا چاہتی ہوں میں۔''
بیلا نے آخر بلی تھیلے سے باہر نکالی۔
''ویسے یہ بات چھپنے والی ہے نہیں، کیونکہ نیکسٹ سلیکشن پروگرام لائیو ٹیلی کاسٹ ہوگا اور وہ بھی کراچی سے۔''
فی بی نے کہا تو باقی سب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔
''کیا مطلب.....؟'' بیلا چونک گئی تھی۔
''تمہیں کس نے بتایا ہے؟''
''مایا کے علاوہ کون دے سکتا ہے یہ انفارمیشن۔'' بیا نے کندھے اچکائے۔
''ویسے، تم کراچی جاؤ گی کیا؟ نیا نے پوچھا، تو فی بی اور بیا بھی سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔
''آف کورس، جاؤں گی، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بھلا۔ تم بتاؤ مایا اور کیا کہہ رہی تھی۔''
''وہ تو اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ سنو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔'' بیا نے بیلا کی دلچسپی دیکھی تو پرجوش ہو کر آگے کو جھک آئی۔
''مثلاً.....''
''مثلاً، پورے ملک کے ہر بڑے شہر سے ٹوٹل پندرہ کینڈی ڈیٹس (امیدوار) سلیکٹ ہوئے ہیں، اور اب اگلے سلیکشن پروگرام میں ان میں سے سات کو سلیکٹ کیا جائے گا۔''
''اوہ.....'' بیلا ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔
''یہ تو خیر پتا تھا کہ انڈیا اور پاکستان سے سات سنگرز ہی سلیکٹ ہوں گے مگر..... سلیکشن پروگرام کو لائیو ٹیلی کاسٹ کرنے کا تو نہیں کہا گیا تھا۔'' بیلا کے کہنے پہ وہ سب تھوڑا چونکی تھیں۔
''تم نے کل ٹی وی نہیں دیکھا شاید، انڈیا کا میڈیا اس پروگرام کو بہت کوریج دے رہا ہے، اور ادھر تو پہلا سلیکشن پروگرام بھی لائیو ٹیلی کاسٹ ہوا ہے۔''
''اچھا، تو بتا نہیں سکتی تھیں مجھے۔''
''کال کرتے رہے تھے تمہیں۔ تم نے اٹینڈ ہی نہیں کی۔'' بیلا کے کہنے پہ فی بی نے کچھ خفگی سے اسے گھورا۔
''ہاں، بس کل گھر جانے کے بعد سو گئی تھی، کچھ مما بھی خفا تھیں، تو میں نے ٹی وی چلایا ہی نہیں۔'' وہ جیسے اب پچھتا رہی تھی۔
''پھر دیکھا تھا، کیسے سنگرز تھے انڈیا سے، کون سے چینل سے آیا تھا؟''
بیلا اب سب بھول بھال دلچسپی سے انہیں دیکھتی استفسار کر رہی تھی۔
''ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا میں نے، دیکھتے ہیں ابھی میم نتاشہ کی کلاس کے بعد۔''
بیا نے اس کے تجسس کو ہوا دی تھی اور اس کے اپنے موبائل کی طرف بڑھتے ہاتھ کو دیکھ کر موبائل فوراً اٹھایا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو نیلو آنٹی! کیسی ہیں آپ بزی تو نہیں تھیں اگر تھیں بھی تو اپنی مصروفیت کو کچھ وقت کے لیے، سائیڈ پہ رکھ دیں، میں نے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''
نیلم کے کال اٹینڈ کرتے ہی، وہ بلا تکان شروع ہو گئی تھی اور اس کے لاڈ بھرے انداز پہ نیلم مسکرا اٹھی تھیں۔ وہ بابا کی لاڈلی تھی، تو ماموں اور خالہ بھی کم لاڈ نہ اٹھاتے تھے اس کے۔
''اچھا، میں تو بہت مصروف ہوں بھئی.....'' نیلم نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔
''اچھا، تو اب آپ سے بات کرنے کے لیے مجھے باقاعدہ اپائنٹمنٹ لینا پڑے گی، ایسی بھی کیا مصروفیت نیلو آنٹی؟'' بیلا نے مصنوعی حیرت بھرے انداز میں کہا۔
''خبر ایسی ہے کہ اچھل پڑو گی۔'' نیلم نے جیسے اس کے تجسس کو ہوا دی تھی۔
''چہ، نیلو آنٹی! بتائیں کیا خبر ہے۔ پھر میرے پاس بھی آپ کے لیے ایک بمباسٹک نیوز ہے۔''
''بتا رہی ہوں بابا، تم نے اس سنگنگ کمپیٹیشن پروگرام کے بارے میں سنا ہے، جو دوبئی میں ہوگا اور

جس میں پاکستان اور انڈیا سے منتخب کیے گئے نو آموز گلوکار حصہ لیں گے۔'' نیلم پرجوش انداز میں بولی تھیں۔

''سر کی جنگ۔'' بیلا نے پروگرام کا نام لیا۔

''ہاں، کیوں.....؟'' وہ ٹھٹک گئی تھی۔

''اس میں پاکستان کی طرف سے جیوری میں، بھیجنے کے لیے میرا نام بھی زیرغور ہے۔'' نیلم کی کھنکتی آواز اس کی خوشی کا پتا دیتی تھی۔

''کیا.....؟'' بیلا دنگ رہ گئی تھی۔

نیلو آنٹی اور ان کی دونوں بیٹیوں، بیشاء اور ایشا نے نانا سے یہ فن ورثہ میں لیا تھا۔ بلکہ پہلے نیلم اور اب بیشا ملکی سطح پر اچھی خاصی مشہور تھیں۔ مگر اتنے بڑے پروگرام کے لیے ان کا جیوری میں انتخاب ہونا جبکہ ان کے مقابلے میں کافی نامور اور سینئر گلوکار موجود تھے۔

''ہاں، کافی ''پی آر'' چلائی ہے۔ امید تو ہے۔ اگر منتخب ہوگئی تو دیکھنا۔ میری شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے۔'' نیلو آنٹی ہنستے ہوئے بولیں۔

''کیوں تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔'' اس کی طویل خاموشی نے انہیں ٹھٹکا دیا تھا۔ کوئی ردعمل ہی نہیں دیا تھا اس نے۔

''خوشی.....؟'' بیلا کچھ کہتے کہتے رکی اور بات پلٹ دی۔ ''ہاں، مگر پروگرام میں جج تو کوئی اور تھے۔''

''اوہ ہو، وہ تو سلیکشن پروگرام ہے۔ میں تو کمپیٹیشن پروگرام کا کہہ رہی ہوں۔ دوبئی میں ہوگا تیس اقساط کا میگا پروگرام ہے۔ چھ ماہ کا پراجیکٹ ہے۔'' مگر..... ایک سیکنڈ۔'' انہیں جیسے اب خیال آیا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ پروگرام میں کون تھے.....؟'' نیلم الجھی تھیں۔ ''ٹی وی پر تو ایسا کوئی ذکر نہیں تھا پھر.....؟''

''وہ، میں..... میں نے بھی اس پروگرام میں حصہ لیا تھا اور سلیکٹ بھی ہوگئی ہوں۔''

بیلا نے جیسے دھماکا کیا تھا۔

''کیا.....؟'' نیلم صوفے پر اچھل کر رہ گئیں۔

☆☆☆

مریم سخت پریشانی کے عالم میں بابا کی صورت دیکھ رہی تھیں، جو چہرے پر آس وامید کا ایک جہاں لیے کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔

''مگر، بابا، آپ کو پتا ہے بیلا کے ددھیال کا .....اور اس کے دادا..... وہ تو آج تک مجھے ہی اپنے خاندان میں ٹھیک سے شامل نہیں کر پائے تو یہ..... یوں اس طرح بیلا کا ایک گلوکارہ کے طور پر سامنے آنا۔''

مریم نے دھیرے سے اپنی پیشانی مسلی۔

''بہت مشکل ہوجائے گی بابا.....''

''میں جانتا ہوں یہ سب۔'' استاد امانت علی نے بے قراری سے مریم کی بات کاٹی۔ ''مگر مریم تم..... تم نہیں جانتیں، وقت مجھے پھر سے اسی موڑ پر لے گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے بیچ میں اتنے برس گزرے ہی نہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے سے تھے۔

''تم جانتی ہو، ہندوستانی ٹیم کا لیڈر کون ہے۔ کون ان کی رہنمائی کرے گا، ان کا کیپٹن.....؟''

''کون.....؟'' مریم نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

''دل جیت۔'' انہوں نے انڈیا کے ایک مشہور سنگر کا نام لیا۔

''تو.....؟'' مریم نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''تو یہ کہ وہ کرتار سنگھ کا شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا پوتا بھی ہے۔''

''کرتار سنگھ.....؟'' مریم کے لب بے آواز تو آواز سرگوشی سے مشابہ تھی۔ ''وہی جو..... وہی بابا''

''ہاں، وہی جس سے مقابلے کے قصے میں تمہیں بچپن سے سنا تا رہا ہوں، وہی تارا سنگھ جس کے ساتھ تیرہ سالہ امانت علی کا مقابلہ دیکھنے پورا شہر اکٹھا ہوا تھا۔''

''اور..... اور میں نہیں پہنچ سکا تھا..... وقت نے

اب وہ مقابلہ زیادہ بڑے پلیٹ فارم پر، زیادہ بہتر انداز میں شروع کیا ہے۔ اور اب کوئی بے ایمانی یا دھوکے سے امانت علی کو روک نہیں سکے گا۔ مریم، میری بچی، جو کسک قبر تک میرے ساتھ جانی تھی۔ میرے رب نے اسے ختم کرنے کا انتظام، اسی دنیا میں کر دیا ہے..... میں، مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، میں.....' میں بھی بیلا کو اس مقابلے میں حصہ لینے کو نہ کہتا، بلکہ اسے روکنے والوں میں سب سے آگے تم مجھے دیکھتیں، بلکہ تم یقین کرو، میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔''

وہ، ان کا ہاتھ پکڑے جیسے انہیں یقین دلا رہے تھے۔

''مجھے یاد ہے، بیلا نے صرف میرا فن، میرا راگ سیکھ کر، اسے اپنے وارث تک پہنچانا تھا۔ کوئی ایسا جو میرے مرنے کے بعد میرے راگ کو مرنے نہ دیتا۔ بلکہ اسے گا گا کر پوری دنیا میں امر کر دیتا، مگر اب''

مریم کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی انہیں دیکھے گئیں۔ ان کے جھریوں بھرے چہرے پہ عجیب سی بے بسی تھی۔ پچھتر برس کی عمر میں ان کا رویہ، تیرہ چودہ سالہ بچے جیسا ہو گیا تھا۔

''اور بیشا، وہ بھی تو ہے۔ آپ کی نواسی اور پاکستانی ٹیم کی کیپٹن۔''

ان کے قدموں میں بیٹھے ساکن بت میں جیسے اس سوچ نے جان ڈال دی تھی۔

''پھر بیلا ہی کیوں، بابا.....'' مریم مضطرب سی انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''کیونکہ مجھے یہ مقابلہ ہر حال میں جیتنا ہے۔'' عجیب تڑپ تھی ان کے لہجے میں۔ مریم بے بس سی ہو گئیں.....

''آپ تو جانتے ہیں بابا کہ میں یہ سب..... سب کچھ بکھر جائے گا بابا، اور میں سمیٹ نہیں سکوں گی۔'' مریم نے سسکتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا تھا۔

''اپنے بابا کو مرتے وقت پرسکون نہیں دیکھنا چاہتیں مریم۔'' انہوں نے اس دفعہ جذباتی وار کیا تھا۔

''صرف اپنی بات کرو، عبدالرحمن کو میں منالوں گا۔''

''مسئلہ عبدالرحمن نہیں ہیں بابا۔'' مریم پھیکا سا مسکرائیں۔

''خیر بیلا جائے گی، آپ کی مریم آپ کو بے سکون بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔''

ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھام کر، وہ خود کو آنے والے طوفان کے لیے تیار کرنے لگیں۔

☆☆☆

شام دھیرے دھیرے گہری ہو کہ رات کے اندھیرے میں بدل رہی تھی۔ اور اس شاندار کوٹھی کے ڈائننگ روم سے اٹھتی کھانوں کی مہک اور برتنوں کی کھنکھناہٹ بتاتی تھی کہ گھر کے مکینوں کے ڈنر کا بس اختتام ہوا ہی چاہتا ہے۔

یہ اس گھر کا برسوں سے معمول تھا۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھالیا جاتا۔ پھر گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ ٹی وی لاؤنج میں سب کی محفل جمتی، حالات حاضرہ کے پروگرام دیکھے جاتے۔ ساتھ ساتھ، چائے، کافی یا قہوہ کا دور چلتا، اور گرمیاں ہوتیں تو لسی یا پھر ٹھنڈائی۔ جو بادام اور خشخاش ڈال کے بنتی تھی اور ذائقہ دار ہونے کے ساتھ تاثیر میں بھی ٹھنڈی ہوتی تھی۔

آج کل چونکہ سردیاں تھیں۔ تو سب ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ چائے کا انتظار بھی کر رہے تھے۔ جو آج فاطمہ اور خدیجہ بنا رہی تھیں۔

رات کے کھانے کے بعد نوکر کوارٹر میں چلے جاتے تھے اور بعد کے چھوٹے موٹے کام یہ کزنز خود ہی کر لیتی تھیں۔

''توبہ ہے چائے بنا رہی ہیں یا پائے۔''

خولہ نے ہلکی سی سرگوشی میں پاس بیٹھی حفصہ سے کہا۔

ریموٹ اس کے ہاتھ میں مچلتا تھا اور وہ خود اس

انتظار میں تھی کہ سب کی توجہ ہٹے تو وہ اپنا مطلوبہ چینل لگا سکے۔ جس پر اس کی خالہ زاد ہانیہ کے بقول، گلوکاروں کا مقابلہ تھا اور بیلا بھی اس میں حصہ لے رہی تھی۔ وہ اس کی بات کا بھی یقین نہ کرتی۔ اگر جو وہ بیلا کے کالج میں نہ پڑھتی اور بیلا کراچی نہ آئی ہوتی۔

اور بات اگر بیلا کی انسلٹ کی ہوتو، خولہ کا خود پر قابو پانا مشکل تھا۔ اس کی بیلا سے کبھی نہیں بنی تھی۔ اور دادا جی کا اس سے بے تحاشا پیار۔

''ان کو بھی تو پتا چلنا چاہیے تھا کہ جس پوتی کی قرأت کو وہ سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں وہ کیا کر رہی ہے؟''

سو وہ ہانیہ کے میسج کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی بیلا گانے کے لیے اسٹیج پر آتی وہ اسے بتا دیتی۔ اور پھر خولہ نے ایک بٹن دبانا تھا۔ ریموٹ، اس کے ہاتھ میں مچلتا تھا اور وہ خود محوِ انتظار تھی۔

''رابیل کہاں ہے.....؟ صبح سے نظر ہی نہیں آئی۔''

تب ہی قاری عبدالوہاب نے پاس بیٹھی بہو سے پوچھا۔

''وہ.....'' وہ ایک پل کو جھجک کر رکیں۔

''نیلم کے گھر گئی ہے۔''

قاری صاحب کو دیکھے بغیر بھی وہ جانتی تھیں کہ کہ ان کے چہرے پر ناگواری کی لہر آ کے گزری ہے۔

''کب گئی ہے، کل ہی تو آئی تھی۔''

انہوں نے سپاٹ انداز میں چائے لے کر آتی خدیجہ اور فاطمہ کو دیکھا۔

ٹی وی پر چلتا حالات حاضرہ کا پروگرام، اردگرد خوش گپیاں کرتے پوتے اور پوتیاں، سب میں ان کی دلچسپی جیسے صفر ہوئی تھی۔

''گیارہ بجے تک.....'' حمیرا (تائی جی) نے لب دبا کر انہیں دیکھا۔

''میری چائے میرے کمرے میں لے آؤ خدیجہ بیٹی۔''

ان کے ماتھے پر پڑی ہلکی سی سلوٹ ان کی ناگواری اور غصے بھری بے بسی کا پتا دیتی تھی۔ مگر.....''

وہ اسے روک بھی تو نہیں سکتے تھے۔ کیا کہہ کر روکتے، اس کی خالہ کا گھر تھا۔

دروازے کی طرف بڑھتے ان کے قدموں میں شکستگی تھی۔ خولہ نے کن انکھیوں سے دادا جی کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اور بے اطمینانی سی محسوس کی۔ اب تک تو ہانیہ کا میسج آجانا چاہیے تھا۔ ریموٹ ہاتھ میں لیے گود میں دھرے موبائل پر نظریں جمائے وہ بے بس سی بیٹھی تھی، تب ہی وائبریشن پر سیٹ موبائل تھرتھرایا۔ ہانیہ کا پیغام تھا۔ اس نے اطمینان کی طویل سانس لی، اور آواز دھیمی کیے بغیر چینل بدل دیا۔

دادا جی کو یوں اچانک کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر کمرے میں محسوس کی جانے والی خاموشی در آئی تھی۔ جس میں صرف ٹی وی کی آواز ہی دراڑ ڈال رہی تھی۔ اور پھر اس خاموشی میں کمپیئر کی آواز اور پس پردہ موسیقی نے جیسے دھما کا کیا تھا۔

''ناظرین اب ہم ملاتے ہیں۔ اپنی ٹیکسٹ اور ایک بہت ہی اچھی سنگر رابیل رحمٰن کو'' رابیل رحمٰن کئی لڑکیوں کے نام ہو سکتے تھے۔ مگر مڑے بغیر بھی قاری صاحب جیسے جان گئے وہ ان کی پوتی ہی تھی۔ وہ مڑے اور ان کا گمان یقین میں بدل گیا.....

ڈھیر ساری جگمگ کرتی روشنیوں میں اسٹیج پر مائیک پکڑے وہ ان کی پوتی ہی تھی۔ اور کمرے میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود صرف اس کی آواز گونج رہی تھی۔ نہ ہوتے ہوئے بھی صرف وہی موجود تھی۔

اور کسی کو اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ چینل بدل ڈالے، اور اب چینل بدلنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

وہ سب جیسے جیتے جاگتے سانس لیتے مجسموں میں بدل گئے تھے۔

☆☆☆

عبدالرحمٰن صاحب سر جھکائے بیٹھے تھے۔ عجیب سی ندامت تھی ان کے چہرے پر۔

عبدالوہاب صاحب آج صبح ہی ان کے گھر پہنچے تھے.....

وہ جب سے شادی کے بعد لاہور شفٹ ہوئے تھے۔ قاری صاحب دو تین بار ہی ان کے گھر آئے تھے۔ وہ بھی پوتیوں کے بے حد اصرار پر..... مگر آج.....

انہیں یوں صبح سویرے اچانک اپنے گھر دیکھ کر عبدالرحمٰن صاحب خوش ہونے کے بجائے پریشان ہوگئے تھے اور یہ پریشانی ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ان کا چہرہ خطرناک حد تک زرد ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں یوں سرخ تھیں گویا انہوں نے پوری رات پلک تک نہ جھپکی ہو۔

وہ اور مریم ڈائننگ روم میں تھے اور ناشتہ کر رہے تھے۔

جب وہ اندر آئے۔ اور جانے کیوں، انہیں لگا کہ مریم انہیں دیکھ کر تھوڑی خوف زدہ ہوئی ہیں مگر کیوں؟

انہوں نے خود ہی یہ خیال جھٹک دیا۔ مریم ویسے بھی ان سے تھوڑی خوف زدہ ہی رہتی تھیں۔ ان کے اور مریم کے رشتے میں جو دراڑ تھی، وہ دونوں نے ہی پاٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں ہی جیسے اپنے اپنے طور پر بس رشتے کو نبھائے چلے جا رہے تھے۔

''ناشتے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں آجاؤ، میں وہیں پر ہوں۔''

ان کے خیر مقدمی انداز میں بڑھتے قدموں کو قاری صاحب نے وہیں روک دیا تھا۔

چائے ادھوری چھوڑ کر، وہ کچھ کہے بغیر ان کے پیچھے چل دیے، صبر کا یارا کہاں رہا تھا۔ قاری صاحب کے انداز چیخ چیخ کر کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

''بیلا کہاں ہے؟'' انہیں اپنے پیچھے آتے دیکھ کر انہوں نے روکا نہیں تھا۔ اور اب پوچھتی نظروں سے انہیں دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

''بیلا کہاں ہے؟'' ان کا پوچھا گیا سوال بے آواز انداز میں دوہراتے ہوئے انہوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''آپ کی طرف نہیں ہے۔'' کسی انہونی کے ڈر نے ان کی ٹانگوں سے جان نکال دی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے قریب پڑے صوفے پر گئے۔

''پرسوں آئی تھی، کل چلی گئی۔'' ان کا انداز سپاٹ تھا۔

''تو نیلم کے گھر گئی ہوگی۔ وہاں بھی جانا تھا اس نے۔'' انہوں نے ناقابل فہم انداز میں انہیں دیکھا۔

''اور ادھر کیا کر رہی ہے وہ؟'' قاری صاحب کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ لہجہ دھاڑ سے مشابہ تھا۔

''کیا کر..... کی کیا مطلب.....؟'' جانے کیوں عبدالرحمٰن صاحب کی آواز لڑکھڑائی۔

''ٹی وی کھول کے دیکھو، چرچے ہو رہے ہیں اس کی آواز کے، دھوم مچادی ہے اس نے پاکستان میں۔'' وہ ایک پل کو رکے۔

''اسی دن..... اسی دن کے لیے منع کیا تھا میں نے تمہیں، اس خاندان میں شادی سے..... ہر جگہ مرضی کی تم نے اپنی..... ہر جگہ..... تعلیم میں، کاروبار میں، رہائش میں، منع نہیں کیا میں نے تمہیں کبھی..... سب سے چھوٹا اور لاڈلا ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھایا تم نے، ہمیشہ.....''

ان کی بتدریج دھیمی پڑتی آواز بھرا گئی۔

''کچھ نہیں کہا میں نے کبھی، مگر..... کیوں منع کیا تھا، مریم سے شادی سے، سمجھ میں آیا اب..... تمہاری بیوی اور بیٹی نے تم سے پوچھنا تو درکنار بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔''

ان کے تاثرات دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے کہ انہیں بھی بے خبر رکھا گیا ہے۔

''بابا جان..... آپ..... آپ بیٹھیں..... بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن صاحب ان کے انداز پر گھبرا گئے تھے، انہوں نے کبھی انہیں اتنا جذباتی نہیں دیکھا تھا،

ان کا بوکھلانا فطری تھا۔

''کیا بات ..... کیا بات کرنی رہ گئی ہے اب ..... ارے خاک ڈال گئی ہے وہ ہمارے سر میں، گا رہی تھی کل، مقابلہ کرے گی وہ اب نامور گائیکوں کے ساتھ، صرف پاکستان کے ہی نہیں سرحد پار کے بھی گائیک۔'' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے تھے۔

''روک لو اسے عبدالرحمن ..... روک لو۔'' آگ سے کھیل رہی ہے وہ۔''

رحمٰن صاحب نے زندگی میں پہلی بار انہیں یوں، ٹوٹتے دیکھا تھا۔ وہ رو رہے تھے، اور ان کے سامنے وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔

عجیب سی ندامت تھی ان کے چہرے پر، آنکھوں میں آنسو، اور ان کے پیچھے کہیں غصہ دہک رہا تھا۔

☆☆☆

مریم نے کپکپاتے ہاتھوں سے بیلا کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل جا رہی تھی۔ مگر بیلا کال اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بیل جاتی رہی، پھر رابطہ کٹ گیا۔

مریم ہونٹ بھینچے کچھ دیر بیٹھی رہیں۔ ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

اب وہ نیلم کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

''ہیلو.....!'' نیلم کی آواز سنائی دی۔

''نیلو! بیلا کہاں ہے۔''

مریم نے نیلم کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے پوچھا۔

''یشا کے ساتھ ہے، کچھ ڈسکشن کر رہے تھے۔ پروگرام کے متعلق، کیوں.....'' نیلم کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔

''اس کے دادا آئے تھے ابھی.....'' مریم ہولے سے بولیں۔

''کیا.....؟ کدھر .....؟ تمہارے گھر ادھر لاہور.....'' نیلم جیسے چونک گئی تھیں۔

''ہاں، عبدالرحمن سے پتا نہیں کیا کہا ہے کہ ..... بہت غصے میں تھے وہ، میری ایک نہیں سنی، بس ہاتھ اٹھانے کی کسر رہ گئی تھی۔ مریم جیسے ابھی تک شاک میں تھیں۔

''مگر کیوں.....؟'' نیلم الجھی تھیں۔

''بیلا کے پروگرام میں حصہ لینے کا تو پتا تھا ناں انہیں۔ ان کی اجازت سے کمپیٹیشن میں حصہ لیا ہے ناں بیلا نے..... پھر.....'' نیلم ایک دم سے رکیں۔

''مریم! رحمن بھائی کو نہیں بتایا تم نے'' ان کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''ہاں، وہ .....، میں .....، میں بتانے والی تھی۔ میں نے سوچا کہ بیلا منتخب ہو جائے پہلے تو.....''

ڈونٹ ٹیل می دیٹ

نیلم نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ ''تمہیں بیلا کے ددھیال کا پتا ہے۔ اور پھر بھی تم نے۔ رحمن بھائی کو بتائے بغیر.....''

وہ ایک پل کو رکیں۔

''جبکہ تمہیں پتا تھا کہ نیکسٹ پروگرام لائیو ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے۔''

نیلم کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر پیٹ لیں، مریم سے انہیں اتنی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔ مارے بے چینی کے ان کا بیٹھنا محال ہو گیا تھا۔

''عبدالرحمن، عبدالرحمن کو تو کبھی بیلا کے گانے پر کوئی اعتراض نہیں رہا۔ بلکہ وہ تو خود افسوس کرتے تھے کہ اپنے دادا کی وجہ سے، اپنے فن کا اظہار نہیں کر سکتی..... میں نے..... میں نے سوچا کہ جب میں انہیں بتاؤں گی کہ بابا کی بھی یہی خواہش ہے اور بابا خود ان سے بات کریں گے تو وہ، مگر سب الٹ پلٹ ہو گیا۔'' مریم پریشانی سے لب چبا رہی تھیں۔

''اور میں نے سوچا کہ اس کے ددھیال والے شاید ہی یہ پروگرام نہ دیکھیں، مگر وہ پروگرام دیکھ لیا انہوں نے، کیسے.....؟ وہ تو ..... ان کے گھر تو..... ایسے پروگرام وہ لوگ کیسے دیکھیں گے بھلا۔''

بے ربطی سے بولتی مریم واضح طور پر بے حد پریشان لگ رہی تھیں۔

''وہ ہیں کدھر اب.....؟'' نیلم نے ان کی

بات پہ کوئی تبصرہ کیے بغیر پوچھا۔

''کراچی کے لیے نکلے ہیں، ایئرپورٹ سے سیدھے تمہارے گھر آئیں شاید، بیلا کے دادا بھی ساتھ ہوں گے، تم ..... تم سب سنبھال لوگی ناں نیلو.....''

وہ اب پرامید انداز میں ان سے پوچھ رہی تھیں، جبکہ ہکا بکا سی نیلم بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ انہیں کوئی امید کیا دلاتیں، وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی تھیں۔

☆☆☆

بیلا اور میشا اس وقت میشا کے بیڈ روم میں تھیں۔ بیلا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی بالوں میں برش کررہی تھی۔ جبکہ میشا بیڈ پر نیم دراز تھی۔ اور اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

''تم دیکھنا بیلا! بہت آگے جاؤ گی..... آگ لگا دوگی تم اسٹیج پر، بقول نانا جی، میں تو تمہارے ٹیلنٹ کے آگے کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی دیکھو کتنے ہٹ جاتے ہیں میرے سونگ تم دیکھنا پورے پاکستان کیا، انڈیا میں بھی تمہاری ٹکر کا سنگر ملنا مشکل ہے۔''

میشا خوش تھی بے حد خوش، تیلم کو جیوری میں شامل نہیں کیا گیا تھا، کچھ بیلا کی وجہ سے وہ خود بھی پیچھے ہٹ گئی تھیں کہ مشکل ہی تھا کہ کنٹیسٹنٹ کی اتنی قریبی رشتہ دار کو بطور جج قبول کرلیا جاتا۔ خاص کر انڈیا کی طرف سے اعتراض ضرور کیا جاتا۔ خواہ وہ کتنی ہی غیر جانب دار ہوجاتیں۔ پروگرام کے اسپانسرز کے لیے بھی اس بات کو قبول کرنا مشکل تھا۔ یا تو بیلا پروگرام کرتی یا وہ اور انہوں نے نانا جی کی خواہش پہ بیلا کے لیے جگہ چھوڑ دی تھی۔ مگر میشا کو بطور رہنما پاکستانی ٹیم میں شامل کروالیا تھا۔ پاکستانی ٹیم کو اب وہی لیڈ کررہی تھی، پاکستانی ٹیم کی کیپٹن، بیٹھے بٹھائے اسے اپنی سوچ سے بھی بڑھ کر مل گیا تھا۔

''بہت خواہش تھی میری بیلا کہ تم پرفارم کرو، مگر تمہاری ددھیال کی وجہ سے کبھی کہا نہیں.....''

اس نے ایک پل رک کر بیلا کا چہرہ بغور دیکھا، وہ اس کی بات سنتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اور بلاشبہ عام سے حلیے میں بھی بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

''ویسے بیلا! کیا تمہیں خود بھی شوق تھا کہ کبھی پروفارم کرو۔ اپنے ٹیلنٹ کو سب کے سامنے لاؤ۔''

میشا نے ایک دم اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں..... تھا تو..... مگر دادا جی کا خیال کرکے رک جاتی تھی۔ آپ کو تو پتا ہے ان کے خیالات کے بارے میں، اور پھر وہ اتنا پیار کرتے ہیں مجھ سے کہ ان کو دکھ دینے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، مگر پھر حالات ہی ایسے بن گئے۔'' آئینے میں اپنی شبیہہ دیکھتے ہوئے وہ افسردہ سی ہوگئی۔

''اب جب انہیں پتا چلے گا تو بہت دکھ ہوگا انہیں۔ پتا نہیں کیا رسپانس ہو ان کا، انہوں نے تو پوری کوشش کی کہ ہم چاروں بہنوں، میں سے کسی کا رجحان سنگنگ کی طرف نہ ہو، مگر.....''

یہ سچ تھا کہ ان چاروں بہنوں، خاص کر بیلا سے قاری صاحب کو بے حد محبت تھی۔

چھٹیوں میں جب نانا جی کی خواہش ہوتی کہ بیلا ساری توجہ ان سے راگ، راگنیاں سیکھنے میں دے قاری صاحب ان سب کو بہت اصرار کرکے کراچی بلاتے تھے۔ اور پھر اکثر ان سے خاص کر بیلا سے قرات کرواتے تھے۔ انہیں اس کی آواز میں سورہ رحمٰن سننا بہت پسند تھا۔

''تو پھر، اس پروگرام میں حصہ کیسے لیا؟''

میشا کی آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ نانا جی کی وجہ سے۔''

''پہلے پروگرام تک کسی کو انڈین ٹیم کے کیپٹن کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔''

''ارے وہ.....'' بیلا دھیرے سے مسکرائی۔ ''وہ تو ''مائی'' نہیں ہے۔'' ویرا چوہدری کی بیٹی..... جانتی ہیں ناں۔''

اس نے تصدیق طلب انداز میں بیشا کو دیکھا۔ بیشا نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اس کی ضد میں اور کچھ فرینڈز کے بار بار کہنے پر، بس ایسے ہی شغل میں چلے گئے تھے ہم..... ویسے وہ کوئی لائیو پروگرام تو نہیں تھا۔''

''تو آگے مزید پروگرامز میں پارٹی سپیٹ کرنے کا ارادہ نہیں تھا تمہارا۔''

بیشا نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

''نہیں..... ہاں وہ تو.....'' بیلا گڑبڑا گئی تھی۔

''بیلا.....'' اسی پل نیلم دروازے پر دستک دیے بغیر اندر داخل ہوئی تھیں۔ بیلا کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

نیلم کے چہرے پر پریشانی تھی۔

''تمہارے دادا اور رحمٰن بھائی.....'' وہ ایک پل کو رکیں۔ ''تمہارے دادا جی لاہور خود گئے بات کرنے۔''

انہوں نے ایک پل کو رک کر ان دونوں کو بغور دیکھا۔

''اور رحمٰن بھائی..... تم..... تم لوگوں نے بہت غلطی کی ان سے پہلے بات نہ کر کے..... وہ غصے میں ہیں اب بہت۔''

نیلم پریشانی سے ہاتھ مسلتی ہوئی بول رہی تھیں۔ جس طوفان کا اندیشہ تھا، وہ آچکا تھا۔ اور اب اس نے کیا کچھ اپنی لپیٹ میں لینا تھا۔ اس کا فیصلہ ہونا باقی تھا۔ انسان منصوبے بناتا ہے۔ بہت آگے تک کی پلاننگ کرتا ہے۔ اور اوپر والا ایک پل میں سب کچھ اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ ساری کی ساری پلاننگ دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ایک پل کو بیلا کا دل لرزا پھر وہ آنے والے وقت کیلئے خود کو تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

عبدالرحمٰن قاری صاحب کی سب سے چھوٹی نرینہ اولاد تھے بے حد لاڈلے، ماں کی بے وقت وفات اور گھر والوں کے بے جا لاڈ پیار نے انہیں کسی حد تک خود سر بنا دیا تھا..... اور..... یہ حقیقت تھی کہ ان کے زندگی گزارنے کے اپنے اصول تھے جو ان کے والد سے ہمیشہ کہیں نہ کہیں متصادم ہوتے رہے۔

ان کے بڑے تینوں بھائی گریجویشن کرتے ساتھ ہی والد کے کاروبار میں ان کے بازو بن گئے۔ مگر انہوں نے ایم بی اے کرنے کی ضد کی اور وہ بھی لاہور سے۔ قاری صاحب جانے کیوں ان کے آگے بے بس ہو جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب کو موسیقی سے بھی شغف تھا۔ حالانکہ ان کے گھر گانے بجانے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند کیا جاتا تھا بلکہ قاری صاحب اس معاملے میں حیرت انگیز حد تک سخت تھے۔

کہتے ہیں جہاں پابندی زیادہ ہو۔ روکنے کو نادیدہ زنجیریں ہوں۔ بغاوت وہیں سے جنم لیتی ہے ان کی یہی سختی تھی جس کی وجہ سے رحمٰن صاحب کا دل موسیقی کی طرف کھنچتا تھا۔

اپنے بھائیوں کی نسبت وہ قاری صاحب کے یوں بھی قریب تھے کہ ان کی آواز میں بھی قاری صاحب کی طرح ایسا سوز و گداز تھا جو سننے والوں کو مسحور کر دے۔ لاہور آنے کے بعد انہیں اپنے موسیقی کے شوق کو جلا دینے کے خوب مواقع ملے۔

وہ پڑھائی کے علاوہ باقی سارا وقت ساز سر میں مصروف رہتے۔ انہوں نے دوست بھی ایسے بنائے تھے۔ جو موسیقی سے شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے یونیورسٹی میں ایک میوزک بینڈ بھی بنایا تھا۔ مگر..... یہ ساری سرگرمیاں قاری صاحب کے علم میں لائے بغیر سرانجام دی جاتی تھیں۔ دور بھی ایسا تھا کہ رابطے اتنے آسان نہیں تھے..... سو وہ آسانی سے اپنے مشاغل میں مصروف رہتے، تو کیا وہ غلط تھے؟

ماضی کے خیالات سے باہر آتے ہوئے انہوں نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر انگلیاں رکھ دیں۔ پھر ساتھ کی نشست پر بیٹھے قاری صاحب کو دیکھا۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ کسی بھی تاثر سے عاری سرد جسمے کا چہرہ

عبدالرحمٰن صاحب موسیقی کو پسند کرتے تھے۔ اچھی آواز ان کی کمزوری تھی، کسی زمانے میں خود بھی گلوکاری کا شوق رہا تھا۔ انہیں بیلا کے فن موسیقی سے

شغف کا بھی پتا تھا اور یہ بھی کہ وہ اپنے نانا سے سیکھتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی خود فرمائش کرکے اس سے گانا سن بھی لیتے تھے۔ مگر یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مریم اور بیلا ان سے پوچھے بغیر ایسا قدم اٹھائیں گی..... اور، قاری صاحب کا ردعمل ان کے تصور میں ایک بار پھر ان کا آنسوؤں سے تر باریش چہرہ آیا تو وہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

انہیں مریم سے بے حد محبت تھی۔ اور پوری زندگی انہوں نے کبھی اس سے ایسے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ اور آج تو انہیں لگ رہا تھا کہ اگر وہ زیادہ دیر اس کے سامنے ٹھہرتے تو ان کا ہاتھ اٹھ جاتا۔ انہوں نے ہاتھ کی مٹھی کھولتے اور بند کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھا۔

ہوائی جہاز لاہور سے کراچی کی سمت محو پرواز تھا اور ان کا ذہن جانے کیوں انہیں بار بار ماضی کی طرف لے جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے میوزک بینڈ میں گلوکار تھے۔ یونیورسٹی میں ہونے والے اکثر میوزک شوز میں پرفارم کرکے داد وصول کرتے تھے۔ موسیقی خاص کر نیم کلاسک موسیقی کے وہ دیوانے تھے۔ ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے والدیا، بہن بھائیوں کی باز پرس سے دور وہ زندگی کو اپنے انداز میں گزار رہے تھے۔ جب ایک دوست کے توسط سے ان کا استاد امانت علی سے سامنا ہوا۔ پرستار تو وہ ان کے شروع سے تھے مگر ان سے مل کر تو ان کے گرویدہ ہی ہو گئے تھے۔ وہ ایک اچھے فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے انسان بھی تھے۔ اور ان سے موسیقی سننے سے زیادہ وہ ان کے اپنے آباؤ اجداد کے سنائے گئے قصوں میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔

وہ ایک ایسے موسیقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو متعل بادشاہوں کے درباروں میں کئی پیڑھیوں سے اپنے فن کا مظاہرہ کرکے داد پاتے رہے۔ جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بادشاہوں کے کسی خاص راگ کے مظاہرہ پر خوش ہو کر جاگیریں بخشنے کے قصے سناتے تو سماں باندھ دیتے تھے۔

پہلے پہل نبیل اور جمشید کے ساتھ جانے کے بعد اب وہ خود بھی کبھی کبھی ان کے گھر جانے لگے تھے۔ ان کے سارے ملنے والے گھر کے اگلے حصے تک محدود رہتے تھے۔ جبکہ پچھلی طرف ان کے رہائشی کمرے تھے۔ وہ بھی ایک عام سا دن تھا جب وہ استاد امانت علی کے سرسبز بیلوں سے ڈھکے اس قدیم طرز پر بنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو بادلوں سے ڈھکا آسمان بس برسنے کو تیار تھا۔

استاد صاحب کی طبیعت ناساز تھی، مگر موسم کے پیش نظر غلام حسین انہیں انکار نہیں کر سکا، بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ جو کسی بھی وقت موسلا دھار بارش میں بدل سکتی تھی، سو وہ انہیں لے کر رہائشی حصے کی طرف، استاد صاحب کی خواب گاہ میں ہی لے آئے۔ ان کے گھر کی طرح ان کا فرنیچر بھی قدیم طرز کا تھا۔

دروازے کے بالکل سامنے قدیم طرز کی مسہری پر بیٹھے استاد امانت علی انہیں کچھ دل گرفتہ سے لگے۔ مسہری کے دائیں جانب دیوار کے ساتھ چمڑے سے منڈھے موڑھے رکھے تھے، آداب بجالانے کے بعد وہ ان میں سے ایک پر بیٹھ گئے۔ دروازے کے ساتھ ایک طرف کھڑکی کے آگے طبلہ اور ہارمونیم رکھا تھا جبکہ اس دیوار کے بالمقابل دیوار کے ساتھ رکھے پیانو اور گٹار بتاتے تھے کہ استاد صاحب کے گھر میں کوئی جدید موسیقی کا بھی شوق رکھتا تھا مگر ان کے پوچھنے پر وہ ٹال گئے۔

ویسے بھی وہ آج کچھ چپ چپ سے تھے۔ محفل کچھ جمی نہیں تو تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھنے اور چائے پینے کے بعد وہ اب جانے کا سوچ رہے تھے۔ ویسے بھی بارش اب رک گئی تھی۔ انہیں جانا ہی تھا۔ یہی سوچ کر وہ اٹھے اور استاد امانت علی سے اجازت لے رہے تھے۔ جب انہیں وہ آواز سنائی دی۔

وہ آواز کی خوب صورتی نہیں تھی جس نے انہیں

حیران کیا تھا۔ بلکہ وہ خوب صورت انداز میں کی گئی قرأت تھی جسے سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔

استاد امانت علی کے گھر سے ابھرنے والی وہ خوب صورت نسوانی آواز سورۃ رحمٰن کی تلاوت کر رہی تھی۔

☆☆☆

نیلم کے گھر جانے کے بجائے قاری صاحب سیدھا اپنے گھر آگئے تھے۔ راستے سے کال کر کے انہوں نے بیلا کو بھی بلوالیا تھا۔ بیلا کے دونوں تایا، جدید اور بے حد خوب صورت انداز میں بنے اس گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتے تھے۔ مشترکہ لان اور گیٹ کی وجہ سے ایک نظر آنے والا گھر دراصل تین جدید انداز میں بنے پورشنز پر مشتمل تھا۔ گھر میں شیشے کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے مضبوط گرل تھی۔

رحمٰن صاحب کا پورشن اکثر بند رہتا تھا اور ان کے یا عائشہ پھپھو کے دوبئی سے کراچی آنے پر کھولا جاتا تھا۔ ہاں مگر اسے آباد رکھنے کے لیے قاری صاحب نے اس کے ہال کمرے میں کافی بڑی لائبریری بنا رکھی تھی اور اکثر وقت ادھر ہی گزارتے تھے۔

عبدالواحد صاحب کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ دو بیٹیوں اور ایک بیٹی کی شادی ہو چکی تھی اور اب تو ماشاء اللہ ان کے بھی بچے تھے۔ جبکہ عبدالباسط صاحب کے تین بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، بیٹے کی کچھ ماہ پہلے ہی شادی ہوئی تھی جبکہ بیٹیاں ابھی زیر تعلیم تھیں۔ بھرے پُرے اس گھر میں اتوار کے باوجود طاری سکوت، کسی غیر معمولی بات کے ہونے کا پتا دیتا تھا۔ بیلا کا ارادہ پہلے خدیجہ اور رامین کے پاس جانے کا تھا۔ اس لیے پہلے باسط صاحب کے پورشن میں جانے کو ترجیح دی، قاری صاحب سے ملنے سے پہلے وہ اپنے کزنز کے خیالات جاننا چاہتی تھی۔ ویسے بھی خولہ اور اشعر بھائی کے علاوہ باقی سارے کافی ''روشن خیال'' تھے اور دادا جی سے چھپ کر اپنی من پسند سرگرمیاں انجام دیتے رہتے تھے۔

باسط صاحب کے پورشن میں جانے کے لیے اس نے لاؤنج استعمال کرنے کا فیصلہ کیا یہ شارٹ کٹ تھا اور اسے زیادہ لوگوں کا سامنا بھی نہ کرنا پڑتا مگر، اسے لاؤنج کے دروازے پر ہی ٹھٹھک کر رک جانا پڑا ساری ''ینگ جنریشن'' ادھر ہی جمع تھی۔ بیلا کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئے تھے پھر سب سے پہلے ارسہ بھابھی کو جیسے ہوش آیا تھا۔

''سارے گھر میں بھونچال لے آئی ہو تم تو بیلا۔''

''کیوں؟ کل تک تو سب کچھ ٹھیک چھوڑ کے گئی تھی۔'' نیچے سب کے ساتھ کشن پر بیٹھتے ہوئے بیلا نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ اس نے خود کو بڑی تیزی سے کمپوز کیا تھا۔ ورنہ ان سب کو یوں ایک ساتھ دیکھ کر خاص کر اشعر بھائی کو دیکھ کر وہ اندر سے گڑبڑا گئی تھی۔

بیلا کے انداز پہ ولی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی، جبکہ ارسہ بھابھی ریموٹ اٹھا کر ایک بار پھر چینل سرفنگ میں مشغول ہوگئی تھیں۔ شاید وہ بیلا کو اس کا کارنامہ دکھا کر وضاحت چاہتی تھیں۔

''وہ کیا شعر ہے، اس صورت حال کے لیے.....؟''

ولی نے بات ادھوری چھوڑ کر رامین کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔ شعر وشاعری میں اس کی دلچسپی ان سب سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

''جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے۔''

رامین نے فوراً ہی لہک کر مصرعہ پڑھ ڈالا۔

''ارے نہیں یار! یہ تو اب بہت ہی گھسا پٹا ہو گیا ہے۔'' معاذ اور ولی ایک ساتھ منہ بنا کر بولے۔

''اچھا.....تو پھر خود ہی بتا دو کوئی اچھوتا سا شعر۔'' اپنی ناقدری پر رامین نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی۔

''ویسے بیلا! تمہارا یہ ٹیلنٹ تو ہم لوگوں سے چھپا ہوا تھا۔'' خولہ نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔

بیلا کے بطور گلوکارہ سامنے آنے پہ قاری

صاحب کی حالت دیکھ کر سب سے زیادہ افسوس بھی اسے ہوا تھا۔ اور یہ افسوس اس وقت سوا ہو جاتا تھا جب وہ سوچتی کہ انہیں بیلا کے گانا، گانے کا پتا اس کی وجہ سے چلا تھا۔ اگر وہ چینل نہ بدلتی تو شاید......اور پھر وہ قاری صاحب کی چہیتی بھی بہت تھی۔

''ہاں، یہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیلا! یہ کیا کیا ہے تم نے ویسے''

خدیجہ نے اپنی ایکسائٹمنٹ چھپاتے ہوئے کہا تو سب نے سر ہلا دیا۔

تب ہی ارسہ بھابھی نے میوٹ پر چلتے ٹی وی کو آواز دے دی، انہیں اپنا من پسند پروگرام مل گیا تھا۔ شاید یہ ''سر کی جنگ'' کا پروگرام کا پرومو تھا۔

وہ سب ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئے گویا پہلی بار دیکھ رہے ہوں، حالانکہ صبح سے اب تک وہ ہر چینل سرچ کر کے اس پرومو کو دس، بارہ، بار تو دیکھ ہی چکے تھے۔ جبکہ دیا نے تو نیٹ سے پرومو کے ساتھ ساتھ وہ پروگرام بھی ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا جس میں بیلا نے گانا گایا تھا۔

''سر کی جنگ'' دیکھتے ہیں کون لے جاتا ہے یہ خوب صورت ٹرافی اور تاج۔''

اسکرین پر اس وقت ایک بے حد خوب صورت کرسٹل کی ٹرافی اور بعد چمکتے دمکتے تاج کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

''ناظرین آپ کو بتاتے چلیں کہ ٹرافی اور تاج دونوں میں قیمتی ہیرے جڑے ہیں اور......یہ اسی ٹیم کو ملے گا جو سر کی جنگ میں ثابت کریں گے۔ اپنے آپ کو جانباز......انڈیا اور پاکستان سے سلیکٹڈ سنگرز پہنچ رہے ہیں اگلے ہفتے دوبئی......

دھیرے دھیرے کمپیئر کی خوب صورت آواز مدھم پڑتی گئی، اور پھر انڈیا اور پاکستان سے منتخب ہونے والے گلوکاروں کو گاتا ہوا دکھایا جانے لگا۔

''بھابھی پلیز! آواز آہستہ رکھیں، دادا جی نے سن لیا تو بھونچال آ جائے گا۔''

خولہ نے بہت مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ان سب کا یوں پروگرام میں دلچسپی لینا اور بار بار بیلا کی گائیکی کی تعریف کرنا اسے طیش دلا رہا تھا۔ اس کے خیال میں تو ان سب کو بیلا کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے تھا۔

اسکرین پر اب بیلا تھی...... پاکستانی چینلز کے پرومو میں اس کو بہت زیادہ کوریج دی جا رہی تھی اور اس میں اس کی آواز کے ساتھ ساتھ میشا اور نیلم آنٹی کا بھی کمال تھا۔

''ویسے بیلا! تمہاری آواز ہے بہت پیاری۔''

یہ دیا (خدیجہ) تھی۔ اور اس کی اور بیلا کی ویسے بھی بہت بنتی تھی۔ اور کچھ یونیورسٹی پہنچنے کے بعد اس کے خیالات میں کافی حد تک تبدیلی بھی آ گئی تھی۔ وہ انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ بیلا کچھ کہتی، رجو اندر داخل ہوئی۔

''لو، دسو، ناں بیلا باجی ۔ تسی ادھر ہو، اور میں پورے گھر میں توانوں لبھدی پھر رہی ہاں، قاری صاحب بلا رہے نے توانوں۔''

(لو بتاؤ، بیلا باجی آپ ادھر ہو، اور میں پورے گھر میں آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں، قاری صاحب بلا رہے ہیں آپ کو)

اس نے پھولی ہوئی سانسوں میں کہا تو سب بیلا کو دیکھنے لگے۔

''تم جاؤ، میں آ رہی ہوں۔'' بیلا نے کہا۔

''او ناں جی ناں، تواڈی گڈی دی آواز سن کر قاری صاحب ہوراں تو اڈا انتظار کر دے پئے ساں......تے پھر مینوں کہا کہ بیلا نو جلدی پھڑ کے لے آ ؤ۔ اپنے ساتھ اور عمر بابا نے رولا ڈالا ہوا ہے آسیہ بلا رہی ہے توانوں (آپ کی گاڑی کی آواز سن لی تھی قاری صاحب نے اور آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر مجھے کہا کہ آپ کو بلا کر لے آؤں اور عمر بابا نے تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔ آسیہ بلا رہی ہے آپ کو)

اس نے ارسہ بھابھی کو عمر کی آیا کا پیغام دیا۔ تو وہ فوراً اٹھیں۔

''اور دیا باجی اور خولہ بی بی تو انوں باجی جی کہہ رہی ہیں کہ جی اور اماں نال باورچی خانہ میں مدد کرواؤ۔''

اس نے لگے ہاتھوں انہیں بھی نمٹایا، تو اس کے یون نان اسٹاپ بولنے پر وہ سب مسکرا دیے۔

رجوان کی خاصی منہ چڑھی ملازمہ تھی۔ بچپن میں ماں کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی۔ اور زیادہ تر لڑکیوں کے ہی چھوٹے موٹے کام انجام دیتی تھی۔ بلکہ بچپن میں تو ان کے ساتھ مل کر کھیلتی بھی تھی۔

''چلو ناں بیلا باجی.....!'' اس نے بیلا کو ویسے ہی بیٹھا دیکھ کر کہا۔

جبکہ دیا اور خولہ فوراً ہی اٹھی تھیں۔

''افوہ آرہی ہوں بابا.....'' بیلا نے برا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

ویسے بھی اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ ان سب کے تاثرات دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ خولہ کے علاوہ باقی کسی کو بھی اس کے اس پروگرام میں حصہ لینے سے کوئی سنجیدہ نوعیت کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسے کچھ ایکسائیٹڈ لگے تھے۔

''ویسے ولی! تمہاری ایسی پیشی کب ہے.....؟'' بیلا جانتی تھی، ولی اپنے کالج کے میوزک بینڈ میں کبھی کبھی شوقیہ گٹار بجاتا ہے۔

''ارے!'' ولی نے بوکھلا کر سب کو دیکھا۔

''کیوں..... کیسی پیشی؟''

اشعر بھائی اب سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

''ایسے ہی مذاق کر رہی ہے اشعر بھائی۔'' ولی نے بڑی مشکل سے چہرے کے تاثرات کنٹرول کر کے ان کی جانچتی نظروں کا سامنا کیا۔ اور کھا جانے والی نظروں سے بیلا کو دیکھا۔ جو بھس میں چنگاری لگا کر اب مزے سے جا رہی تھی۔

''وہ جی ادھر ہیں..... اسٹڈی روم میں.....''

بیلا کو عبدالواحد صاحب کے پورشن کی طرف جاتے دیکھ کر رجو نے عبدالرحمن صاحب کے پورشن کی طرف اشارہ کیا۔

☆☆☆

''یہ کیا کرتی پھر رہی ہو تم بیلا.....؟''

بیلا کے لائبریری میں داخل ہوتے ہی قاری صاحب کے کچھ کہنے سے پہلے رحمن صاحب نے خاصے غصے سے کہا۔

''میں آپ کو انفارم کرنا چاہتی تھی پاپا..... مگر پھر سوچا کہ پہلے سلیکٹ ہو جاؤں تو پھر آپ کو سرپرائز دوں گی۔''

بیلا نے کن اکھیوں سے قاری صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی کہ اب قدم پیچھے ہٹانا بے کار ہے۔ اپنے اٹھائے گئے طوفان کا سامنا کرنے کے لیے تو پہلے سے ہی تیار تھی۔ مگر قاری صاحب سے زیادہ رحمن صاحب کو غصے میں دیکھ کر الجھ گئی تھی۔

''سرپرائز.....'' قاری صاحب نے عینک میز پر رکھتے ہوئے حیرت سے عبدالرحمن صاحب اور بیلا کو دیکھا۔ ''یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یا بہت خوشی کی خبر تھی کہ سرپرائز دینے کا سوچا تھا۔''

''..... میں مجھے تو ایسا ہی لگا تھا کہ پاپا خوش ہوں گے۔ پاپا کی تو بڑی خواہش تھی کہ میں اپنے فن کا اظہار کر سکوں۔''

بیلا اس بڑے سے اسٹڈی روم کے وسط میں مجرموں کی طرح کھڑی تھی، جہاں اکثر قاری صاحب اسے بلا کر بڑے شوق سے اس کی قرأت سنتے تھے۔

بیلا کی بات سن کر قاری صاحب نے بے ساختہ عبدالرحمن صاحب کو دیکھا تو وہ گڑبڑا گئے۔

ہال نما اس لائبریری میں چاروں طرف شوکیس نما ریک سے بنے تھے۔ جن میں قطار در قطار کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ عبدالرحمن صاحب ایسے ہی ایک ریک کے سامنے کھڑے تھے۔ جبکہ قاری صاحب وسط میں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر پڑی ـــــ کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھے تھے۔

''اور یہ بھول گئیں کہ پھر میں خود ہی تمہیں روک

بھی دیتا تھا کہ تمہارے دادا جی کی دل آزاری ہوگی۔"
قاری صاحب سے نظریں چراتے انہوں نے بیلا کو مخاطب کیا۔
"بات صرف میری ناراضی کی تو نہیں ہے عبدالرحمٰن" انہوں نے بے بسی بھرے غصے سے کہا۔
"تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضی کا ڈراوا کیوں نہ دیا......"
"بابا! اللہ کی ناراضی پھر صرف گانے بجانے تک ہی تو محدود نہیں، کسی کا دل توڑنا بھی تو گناہ ہے۔ مریم کے والد نے اتنا اصرار کیا اور پھر ہماری شادی کے وقت آپ کا برتاؤ اور مریم کے ساتھ آپ کا رویہ...... وہ ...... وہ اتنے دل برداشتہ تھے کہ مجھے لگا کہ ان کا دل توڑنا بھی گناہ ہوگا...... تو کیسے منع کرتا میں، کاش آپ نے ہی اپنا دل وسیع کرلیا ہوتا۔ اور مریم...... آہ...... ہا......"
انہوں نے تھک کر گہرا سانس لیا اور قاری صاحب کے سامنے بیٹھ گئے جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے جارہے تھے۔
"اگر میں کہوں کہ آپ مریم کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکے تو......"
"اور مجھے تو یہ گناہ لگتا ہی نہیں دادا جی۔"
عبدالرحمٰن صاحب کو دیکھ کر بیلا نے بھی ہمت کی، قاری صاحب کی خاموشی سے شاید وہ یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ عبدالرحمٰن صاحب نے انہیں قائل کرلیا ہے۔
"کیوں......؟"
قاری صاحب نے بمشکل خود پر ضبط کرکے سوالیہ انداز اپنایا۔ گویا بیلا کو بولنے کی اجازت دی۔
"اب دیکھیں ناں اسلام نے جس کام سے بھی روکا ہے اس کی کوئی نہ کوئی "لاجک" یا ریزن یعنی نقصان ضرور ہوتا ہے۔" اس نے ایک پل کو رک کر انہیں دیکھا۔
"جیسے شراب اچھے بھلے انسان کو ہوش و حواس سے بیگانہ کرکے اچھے، برے کی تمیز بھلا دیتی ہے۔ سود پوری قوم کو تباہ کردیتا ہے۔ عورت پردہ نہ کرے تو پورا معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہوجاتا ہے۔...... مگر۔"
اس نے الجھن بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔
"موسیقی کیوں گناہ ہے؟ اس سے تو دل کو سکون ملتا ہے۔ انسان کو ریلیف مل جاتا ہے۔ پرسکون ہوجاتا ہے انسان......"
اس نے اپنی ایک بڑی الجھن ان کے سپرد کردی تھی اور اب پر یقین تھی کہ وہ اسے سلجھا ہی لیں گے۔
"کیا تمہارے لیے اتنا کافی نہیں میری بچی کہ نبی آخرالزماںؐ، اللہ کے محبوبؐ موسیقی کی آواز سن کر انگلیاں ڈال کر کان بند کرلیتے تھے۔ اور جلد از جلد اس جگہ سے دور چلے جاتے تھے۔ جہاں موسیقی کی آواز ہوتی تھی۔"
انہوں نے بیلا کے سر پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"مگر کیوں دادا جی......؟ یہی تو الجھن ہے ساری، ایسا کیوں......"
"جہاں حکم آجائے وہاں حجت نہیں چلتی، جہاں رب کا فیصلہ آجائے، وہاں مومن کو سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔ رب کے حکم کے بعد کیوں اور کیسے کا سوال مٹ جاتا ہے۔ بھلا ابراہیمؑ نے سوال اٹھایا کہ میرا لاڈلا ہی کیوں۔"
"حضرت یعقوبؑ نے کیوں نہ فرمایا کہ میں ہی کیوں میرے رب......؟"
"تم کون ہو......؟ یہ سوال کرنے والی تمہاری زبان کیسے کھل گئی میری بچی۔ سوال تو ابلیس نے اٹھایا تھا اور راندہ درگاہ کردیا گیا۔ تم کیوں بیلا۔"
"مگر......" بیلا نے الجھن بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔
"بس بیلا......" قاری صاحب کا ضبط جیسے جواب دے گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھے۔
"یوں اللہ کے حکم کا انکار کرکے حد توڑنے والی نہ بنو۔ گناہ کو گناہ سمجھو، تاکہ رب توبہ کی توفیق تو دے۔ تم اس پروگرام میں شرکت کرنا چاہتی ہو؟ ٹھیک

ہے..... میں اب منع نہیں کروں گا، شوق سے جاؤ۔''

انہوں نے ایک دم جیسے ساری بحث کو سمیٹ دیا تھا۔ بیلا اور عبدالرحمن صاحب نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا۔

''بابا.....'' عبدالرحمن صاحب بے قراری سے ان کی طرف بڑھے۔

''میں سمجھالوں گا اسے۔ بچی ہے نادانی میں.....''

''نہیں عبدالرحمن!'' قاری صاحب نے ان کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی تھی۔

''اسے اب رب سمجھائے گا۔ اور میری رب سے دعا ہے کہ اپنے اٹھائے گئے سوال کا جواب اب یہ خود لائے میرے پاس۔''

قاری صاحب نے بے حد ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے ایک نظر سفید سنگ مرمر کے چمکتے فرش پر کسی خوب صورت مجسمے کی طرح بیٹھی بیلا کو دیکھا اور لائبریری سے باہر نکلتے چلے گئے۔

☆☆☆

اور وہ دوبئی اپنے بے حد شاندار ہوٹل میں پہنچ چکے تھے۔ ساری ٹیم بے حد پُرجوش تھی۔ بیلا اور مایا کے علاوہ باقی پانچ میل سنگر منتخب ہوئے تھے۔ ہوٹل کے سامنے پاکستانی کمیونٹی کے کچھ افراد موجود تھے جنہوں نے ان کا پُرجوش استقبال کیا تھا۔

ہوٹل کا عملہ بھی موجود تھا۔ ان کے دبئی پہنچنے پر تاثرات ریکارڈ کیے گئے تھے جو پروگرام کے پرومو کے دوران ٹی وی پر چلائے جانے تھے۔

انڈین ٹیم ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اپنے اس استقبال پر ظاہر ہے وہ اور پرجوش ہوگئے تھے ایک دم سے جیسے لائم لائٹ میں آگئے تھے۔

اس سے پہلے کراچی ایئرپورٹ پر بھی کافی ہجوم اکٹھا ہوگیا تھا۔ ٹی بی، نیا اور جیا کے علاوہ مایا کا بھی پورا گروپ موجود تھا۔ اور دلچسپ بات یہ کہ ان کی آپس میں کوئی جھڑپ نہیں ہوئی تھی۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد مشا ہوٹل میں باقی انتظامات دیکھنے میں مصروف ہوگئی تھی اور ان سب کو اس نے فی الحال اپنے کمروں میں جانے اور فریش ہونے کا کہا تھا۔ اور ان کی آپس میں کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ البتہ سب سنگرز کی ابتدائی تعارفی ملاقات پاکستان میں ہی کروائی جاچکی تھی۔ اور پھر ابھی مل بیٹھنے اور ایک دوسرے کو جاننے کے کافی مواقع تھے۔

بیلا خود بھی کچھ دیر کے لیے اکیلے رہنا چاہتی تھی ایک تو اسے دادا جی کی ناراضی نے کافی ڈسٹرب کیا ہوا تھا۔ دوسرا وہ جانتی تھی کہ کچھ نہ کہنے کے باوجود اس کے دونوں تایا اور پھپھو بھی کچھ خاص خوش نہیں ہیں۔ ہاں نوجوانوں میں ایک دو کو چھوڑ کر اس کے باقی سارے کزنز کافی ایکسائیٹڈ تھے، مگر ظاہر ہے وہ اپنی ایکسائٹمنٹ ایک خاص حد سے زیادہ شو نہیں کرسکتے تھے۔ اسی لیے ددھیال میں سے کوئی بھی بیلا کو سی آف کرنے ایئرپورٹ نہیں آیا تھا۔

اور مریم کی تمام سپورٹ کے باوجود بیلا جانتی تھی کہ دل سے وہ بھی خوش نہیں ہیں۔ ہاں البتہ ابتدائی ناراضی کے بعد رحمن صاحب نہ صرف یہ کہ بے حد خوش اور پرجوش تھے بلکہ انہوں نے بیلا کی تیاری میں بھی بے حد دلچسپی لی تھی۔ وہ خود بھی کسی زمانے میں گلوکار بننا چاہتے تھے اور اب بیلا کے یوں ایک بڑے پروگرام میں شرکت پر خوش تھے، بے حد خوش۔

اس کی تینوں بہنوں کا بھی ملا جلا ردعمل تھا۔ رانیہ کافی خوش اور پرجوش تھی۔ بلکہ وہ اپنے یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ مل کر اس کی اور پاکستانی ٹیم کی سپورٹ کے لیے یوٹیوب چینل لانچ کرنے کا بھی ارادہ کیے ہوئے تھی۔ اور اسی سلسلے میں اس کے یونیورسٹی فیلوز اس سے ملنے بھی آئے تھے۔ البتہ باقی دونوں بہنیں اسے کافی ناخوش لگی تھیں۔ یوں بھی ان پر مریم کا اثر غالب تھا۔ لیکن نانا جی اور بابا کی خوشی دیکھ کر انہوں نے کچھ کہنے سے گریز ہی کیا تھا۔

''خیر.....!'' بیلا سارے خیالات جھٹک کر دل سے مسکرائی۔

''میں..... مجھ سے گایا ہی نہیں گیا۔'' وہ سسکتے ہوئے بول رہی تھی۔

''میں، میری آواز ہی نہیں نکلی، آپ کی بیلا نے آپ کو ہرا دیا بابا!''

وہ سسک رہی تھی۔ اور وہ دم سادھے سن رہے تھے۔

☆☆☆

وہ سب اس وقت بیشا کے روم میں موجود تھے۔ اور سب کے چہروں پر پریشانی اور دکھ کی کیفیت تھی۔ ہوٹل میں پورا سوئیٹ ان کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں ریہرسل کے لیے ایک اسٹوڈیو بھی دیا گیا تھا۔ جس میں بے حد جدید میوزک انسٹرومنٹ تھے۔ یہی نہیں ان کی پوری ٹیم تھی۔ جس میں طبلہ نواز، ہارمونیم، گٹار، پیانو غرض ہر قسم کے موسیقی کے نئے اور پرانے آلات کے ماہر فنکار موجود تھے۔ ہر قسم کی سہولت تھی۔

پروگرام کو بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اسپانسر کر رہی تھیں اور شہرت ان سے بس چار قدم کے فاصلے پر تھی..... مگر ان کے چہروں پر پریشانی تھی اور دکھ بھی۔ پہلے پروگرام میں ہی انہیں سخت سبکی اٹھانی پڑ گئی تھی۔

ابھی رات کے گیارہ بجے تھے۔ یعنی پروگرام آن ایئر ہوئے دو گھنٹے ہی ہوئے تھے اور سوشل میڈیا پر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں کمنٹس تھے اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور یہ سارے کمنٹس ان کے خاص کر بیلا کے خلاف تھے۔

پہلے ہی پروگرام میں انہوں نے اگر شہرت کا نہیں سوچا تھا تو یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ ایسی سبکی اٹھانی پڑے گی۔ اس پروگرام کی تین دن ریہرسل کے دوران انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کی ٹیم کی سب سے پرجوش رکن عین وقت پہ ان کو ایسی ہزیمت سے دوچار کرے گی۔

''بیلا کو آخر ہوا کیا تھا؟'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد توثیق کی آواز نے رخنہ ڈالا تھا۔

''کراؤڈ فوبیا۔'' بیشا نے بے بسی سے لب چبائے۔

سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ اسے بنایا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بیلا کی سلیکشن کو ہی غلط قرار دیا جا رہا تھا۔

''یہ اس کا پہلا لائیو پروگرام تھا۔ اور اتنے کراؤڈ کو وہ فیس ہی نہیں کر سکی۔''

تیزی سے پاؤں جھلا کر کہتے بیشا واضح طور پر بے چین لگ رہی تھی۔

''تقریباً ہم سب کا ہی فرسٹ چانس تھا۔ ہم سب ہی کوئی نامی گرامی سنگرز نہیں ہیں..... مگر بہت برا کیا بیلا نے، بہت اوورری ایکٹ کیا ہے اس نے۔''

عذیر کی ضبط کرتے کرتے بھی آواز کافی بلند ہو گئی تھی۔ مایا نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''یہ وارم اپ پروگرام تھا۔ اور اس میں ہماری ٹیم کو کوئی نقصان تو ہوا نہیں۔ سو اتنا ایموشنل ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

''نقصان نہیں ہوا.....؟'' ساری ساکھ ہی برباد ہو گئی ہے۔ ''پاکستان، اور انڈیا کا کوئی بھی کمپیٹیشن ہو قوم ویسے ہی جذباتی ہو جاتی ہے۔''

''اور اب ایسے میں یہ اتنی تاریخی ہزیمت.....'' باری، باری وہ سب ہی بول کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔

''یہ..... یہ دیکھو، کس طرح ہمارے اپنے ہی لوگ اور یہ انڈین مذاق بنا رہے ہیں ہمارا۔'' عادل نے موبائل کی اسکرین مایا کی طرف کرتے ہوئے اپنے لہجے کو بمشکل قابو کیا تھا۔

''کمنٹس پڑھو ذرا ان کے.....''

وہ سب ہی کم عمر تھے اور اسی لحاظ سے جذباتی بھی۔ اپنی طرف سے تو وہ کامیابی کے جھنڈے گاڑنے آئے تھے۔ انڈینز کو مزہ چکھانے آئے تھے۔ مگر پہلے ہی قدم پر دھچکا لگا تھا۔ انڈینز کے ان پر بھاری پڑنے کی وجہ صلاحیت میں ان سے بڑھ کر ہونا نہیں تھا۔ ان کی ٹیم کے ایک رکن کی نااہلی تھی۔ اور وہ اس نااہلی پر اسے معاف کرنے والے نہیں تھے۔ لہجوں کی دھار تیز کیے۔ الفاظ میں کاٹ لیے اس پر چڑھائی کرنی ہی تھی۔ اور یہ بیشا کا بھی تو امتحان تھا۔ اس نے ہی اب ٹیم کو سنبھال کر آگے کے لیے تیار کرنا تھا۔ پہلے ہی پروگرام میں ایسی صورت

حال سے سابقہ پڑا تھا کہ ہوش اڑے جا رہے تھے۔

''عادت ہے ان کی ادھوری جیت پر خوشیاں منانے کی۔ خوش ہو لینے دو انہیں۔ اور ایک بات لکھ کر رکھ لو، ان کی پوری ٹیم میں ایک بھی سنگر بیلا کی ٹکر کا نہیں ہے۔ پاکستان کو اگر تاج اور ٹرافی ملی تو بیلا ہی وجہ بنے گی۔''

میشا سے پہلے مایا بول پڑی تھی۔

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھول کر اندر آتی بیلا نے مایا کی بات واضح طور پر سنی تھی۔ اور اس کے قدم وہیں جم گئے تھے۔

''ہاں، اگر وہ گا سکی تو.....؟''

کب سے خاموش بیٹھے شاہ زین نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ تب ہی میشا کی نظر دروازہ پر کھڑی بیلا کی طرف گئی۔

اس کی ہلکی سوجی اور سرخ آنکھیں اس کے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں اور چہرہ زرد سا دکھتا تھا۔ میشا کو اسے یوں دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔

ابھی تین، چار گھنٹے پہلے کتنی پرجوش تھی وہ اپنے کپڑے، اپنی تیاری کو، میک اپ کو لے کر بار بار اپنی اسٹائلسٹ کو ہدایات دے رہی تھی اور اب یوں ٹوٹی بکھری.....''

اس نے پوری ٹیم کو ایک نظر دیکھا اور پھر بیلا کو۔

''یہ صرف ایک فیز تھا جس سے بیلا گزری ہے۔ اس کی صلاحیت پر کسی کو شبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ بولی تو اس کی آواز واضح اور صاف تھی۔ اور لہجہ دوستانہ ہونے کے باوجود تنبیہ لیے ہوا تھا۔ اپنی حد میں رکھنے والا۔

''اب اس پروگرام کو ڈسکس کرنے کے بجائے نیکسٹ پروگرام ہے پہ کنسنٹریٹ کرو، اس میں چار چار ججز سے پوائنٹ لینے ہیں۔ اور انڈین ججز سے تو پوائنٹ لینا مشکل ہے ہی پاکستانی ججز کو بھی ایزی مت لو۔ فیصلہ وہ غیر جانب داری سے ہی کریں گے۔'' میشا کی بات سب نے خاموشی سے سنی تھی، ویسے بھی وہ بیلا کو دیکھ کر چپ سے ہو گئے تھے۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی حالت، وہ اور کیا کہتے اسے بھلا، جو شرمندہ سی یک ٹک مایا کو دیکھے جا رہی تھی۔

''مایا.....''

جس سے بیلا کی بالکل نہیں بنتی تھی اور جس کے بے حد اصرار کے باوجود بیلا نے فرسٹ پروگرام سے اسے ہٹوا کر میشا سے بے حد ضد کر کے اپنی انٹری رکھوائی تھی۔ وہی مایا آج سب کے سامنے اس کی فیور کر رہی تھی۔ بیلا بے حد شرمندگی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں سے بیلا اور مایا کے تعلقات نے ایک نیا موڑ لیا تھا۔

☆☆☆

میشا کے روم میں ان سب کے ساتھ بیلا تھوڑی دیر ہی بیٹھ سکی تھی۔ اور پھر ریسٹ کا بہانہ کر کے اپنے روم میں آ گئی تھی۔ اگلے پروگرام میں میشا نے عادل، شوکت اور مایا کو گانے کے لیے کہا تھا اور بیلا چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ عادل اور شاہ زین نے وارم اپ پروگرام میں بھی شرکت کی تھی اور بلاشبہ بہت اچھا گایا تھا۔ مگر انڈین ٹیم کے سنگرز بھی کچھ کم نہیں تھے۔ مقابلہ کانٹے کا ہونے والا تھا۔ میشا نے ان سب کو تھیم کے مطابق اپنا گانا سلیکٹ کر کے صبح چھ بجے تک اسٹوڈیو میں آنے کا کہا تھا۔

''میرے نانا جی کہتے ہیں۔ ریاض کا وقت صبح سویرے کا ہوتا ہے۔'' انہیں بتاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

آج ہفتہ تھا۔ اور افتتاحی پروگرام تھا۔ اسی لیے لائیو تھا۔ ورنہ آگے پھر پروگرامز کی ریکارڈنگ ہونی تھی۔

پروگرام ہر ہفتہ اور بدھ کی رات آٹھ سے ساڑھے نو ٹیلی کاسٹ ہوتا تھا۔ اور اس کی سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر چوتھا پروگرام ایلی مینیشن پروگرام ہوتا۔ یعنی پچھلے پروگرامز میں جس ٹیم کی کارکردگی خراب رہتی، اسے اپنے ایک سنگر سے ہاتھ دھونے پڑتے اور ایک خاص بات یہ کہ اگر کسی سنگر نے پچھلے تین پروگرامز میں نہیں گایا تو وہ خود بخود ایلی مینیٹ ہو جائے گا۔ یعنی ہر سنگر کا تین پروگرامز میں سے کسی ایک پروگرام میں گانا ضروری تھا۔

کل سے سروں کی یہ جنگ شروع ہونے والی تھی اور بیلا کو لگ رہا تھا جیسے اس نے لڑے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے ہوں۔ وہ پریشان تھی۔ لیکن پریشانی سے زیادہ مایوسی تھی جس نے دھیرے دھیرے اس کے وجود میں پنجے گاڑنے شروع کردیے تھے۔

☆☆☆

رانیہ اور اس کے گروپ کو بہت زیادہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بلکہ ان کے سارے پروگرام کا ہی بیڑہ غرق ہوگیا تھا۔

اس وقت وہ سب رانیہ کے ساتھ اس کے لاؤنج میں منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ ایک ڈیڑھ ہفتے کی ان کی محنت کا بڑا ہی عجیب اور مایوس کن رزلٹ سامنے آیا تھا۔

ان سب نے مل کر بڑی کوشش سے ''یوٹیوب'' پہ اپنا چینل لانچ کیا تھا۔ اس میں نہ صرف بیلا اور میشا کے تعاون سے وہ سر کی جنگ میں پاکستانی سنگرز کی ذاتی رائے ہر پروگرام کے بعد لیتے بلکہ لائبہ نے نانا جی کو پاکستانی اور انڈین ٹیمز کے سنگرز کے گانوں پر ماہرانہ رائے دینے کا بھی کہا تھا۔ اور وہ مان بھی گئے تھے۔ ان سب کو یقین تھا کہ ان کا چینل مقبولیت حاصل کرلے گا کیونکہ موسیقی کی دنیا میں استاد امانت علی نہ صرف پاکستان میں بلکہ سرحد پار بھی لیجنڈ مانے جاتے تھے مگر.....

وعدہ کے باوجود استاد امانت علی بھی نہ آسکے اور بیلا کی کارکردگی نے پاکستانی ٹیم پہ بھی سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔

تب ہی رانیہ کے موبائل پر کال آئی تو اس نے بے دلی سے اسکرین کو دیکھا۔ مگر اس پر نانا جی کالنگ لکھا دیکھ کر چونک گئی۔

''نانا جی کی کال ہے۔'' اس نے منہ لٹکائے بیٹھے اپنے باقی گروپ ممبرز کو آگاہ کیا۔ تو وہ سب بھی چونک گئے۔

''ہیلو.....''

''جی..... جی نانا جی..... ابھی؟؟ مگر .....؟ پروگرام فارمیٹ کیا ہوگا؟

''اچھا.....؟''

رانیہ کے ہر جملے پر اس کے اردگرد کھڑے ان پانچوں کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

''اوکے، پھر ہم آرہے ہیں۔''

''اللہ حافظ۔''

رانیہ نے فون آف کرکے ان سب کو دیکھا۔ ان میں سے تین تو اس کے کلاس فیلوز تھے۔ جبکہ جیا اپنے ویڈیو بنانے کے شوق میں چونکہ اچھی خاصی فوٹو گرافر بن چکی تھی اور جدید کیمرے بھی رکھتی تھی تو رانیہ نے اسے خود شامل ہونے کو کہا تھا۔

''پروگرام آج ہی ریکارڈ ہوکر آن ایئر ہوجائے گا۔'' نانا جی نے اپنے گھر بلوایا ہے۔''

''مگر.....'' بیا نے کچھ تذبذب سے اسے دیکھا۔

''ہم نے تو یہ پروگرام بیلا اور پاکستانی ٹیم کی سپورٹ اور انڈینز کی کھنچائی کے لیے بنانا تھا۔ پر بیلا.....؟

''یار! بیلا کے اسی رویہ کی وجہ سے پروگرام کی ریٹنگ زیادہ ہوگی۔'' بلال نے تیزی سے کہا۔

''اسے اس وقت ہماری سپورٹ کی ضرورت ہے اور تمہیں پروگرام کی ریٹنگ کی پڑی ہے۔'' نیہا نے بلال کو گھور کے دیکھا تھا۔

''اف، لڑائی چھوڑو، چلنے کی کرو، ہری اپ۔ پیک اپ کرو یہاں سے'' رانیہ میں گویا بجلی بھر گئی تھی۔

''ہاں، مگر پروگرام فارمیٹ کیا ہوگا۔'' نعمان نے جیسے الجھ کر کہا۔

انڈین ٹیم کی کارکردگی دیکھتے ہوئے ان پر تنقید کرنہیں کرسکتے تھے۔ اور پاکستانی ٹیم پر تنقید کرنے کو دل نہیں مانتا تھا۔ تو ان کو سپورٹ کرنا بھی خاصا دل گردے کا کام تھا۔ ایسے حالات میں نعمان کا پروگرام فارمیٹ پوچھنا بنتا تھا۔

''نانا جی کے پاس بیلا کے کچھ گانوں کی

ریکارڈنگ ہے۔ ہم پروگرام میں اسے بھی شامل کرکے بیلا کو ڈیفینڈ کریں گے، اور باقی پروگرام کے بارے میں نانا جی کی رائے بھی لیں گے۔ چلو۔'' رانیہ نے ہاتھ سے انہیں چلنے کا اشارہ کیا۔

''یار، انہیں ادھر بلالیں اگر.....؟ انہیں سیٹ کرنے پر پہلے ہی کافی ٹائم لگا چکے ہیں۔ جبکہ دس تو بج گئے ہیں۔''

بلال ساری سیٹنگ دوبارہ کرنے کے خیال سے تذبذب کا شکار تھا۔

''کوئی بات نہیں..... ہمت کریں..... عظیم کام شروع کرتے وقت کافی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' یہ بیا تھی۔

اور اس کی بات پہ وہ سب ہنس پڑے تھے۔

اتنی دیر کی ٹینشن جیسے ریلیز ہوئی تھی۔ وہ سب پھر سے کام کرنے کے لیے جیسے چارج ہوگئے تھے۔

☆☆☆

''بیلا! ادھر دیکھو، کیا زبردست پروگرام ریکارڈ کیا ہے رانیہ نے۔''

چونکہ بیلا اگلے پروگرام میں نہیں گا رہی تھی۔ سو وہ تھوڑا لیٹ اٹھی تھی اور اسٹوڈیو جانے کے بجائے ابھی بستر میں ہی تھی میشا اور مایا پرجوش انداز میں اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

''کیا.....؟ کیسا پروگرام؟'' ''رات تک تو ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' بیلا ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ رات کو بیلا نے نانا جی سے بات کرنے کے بعد رانیہ سے بھی بات کی تھی۔ رانیہ نے اگرچہ اس کی کافی ہمت بندھائی تھی۔ مگر، وہ اور اس کی ٹیم بیلا کو کافی مایوس لگے تھے۔ پروگرام سے پہلے کی ان کی ایکسائٹمنٹ جیسے ایک دم سے ختم ہوئی تھی۔ رانیہ نے گھر کے لان ہی میں کافی اچھا سیٹ لگایا تھا مگر.....

''اس نے تو کہا تھا کہ وہ پروگرام نہیں کر رہے تھے پھر یوں اچانک۔''

''ادھر دیکھو۔'' اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے میشا اپنے موبائل پر وہ پروگرام چلانے لگی تھی شاید اور اب موبائل اسکرین اس کے سامنے کی تھی۔

وہ بیلا تھی، ہاں وہ بیلا ہی تھی۔

سفید رنگ کے سادہ سے لباس میں ملبوس، اور وہ شاید نانا جی کا ڈرائنگ روم تھا جس میں وہ گا رہی تھی۔

تین منٹ کے اس ریکارڈڈ گانے کے بعد نانا جی کا تبصرہ تھا۔ اس کے بعد پاکستانی اور انڈین ٹیموں کے گائے گئے گانوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور ان پر استاد امانت علی کا تبصرہ، پروگرام بہت زبردست تھا اور بیلا کے ساتھ ساتھ پوری پاکستانی ٹیم کا دفاع کر رہا تھا۔

بیلا کو خوشی ہوئی۔

اس نے چمکتی آنکھوں سے میشا اور مایا کو دیکھا۔

''اور اب کمنٹس پڑھو۔''

مایا اس سے موبائل لے کر خود ہی پڑھنے لگی۔ ان کی پوری ٹیم کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا تھا اور کافی تعریف بھی کی گئی تھی۔ حالانکہ ابھی بھی تنقید کرنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ مگر رات کو جو ایک طوفان اٹھا تھا اس میں کافی کمی آگئی تھی۔ اور اگلے پروگرام میں اگر ان کی کارکردگی اچھی رہتی تو اس طوفان نے تھم ہی جانا تھا۔

''ویوز، دیکھو، پہلے ہی پروگرام پر رانیہ کو اچھے خاصے ویوز مل گئے ہیں۔'' مایا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''چیف گیسٹ بھی تو دیکھو، کسے بنایا ہے۔ ویوز تو ملنے ہی تھے۔'' میشا کے لہجے میں ایک تفاخر تھا۔

''ویسے بیلا! تم نے نوٹ کیا۔''

''کیا.....؟'' مایا کے کہنے پر بیلا نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''رانیہ نے کہیں بھی تمہارے اور نانا جی کے رشتے کا تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ کرنا چاہیے تھا۔ نہیں؟'' اس نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

''آئی مین! اس کی کوئی خاص وجہ۔''

مایا، ایک دم میشا اور بیلا کے رک کر اسے دیکھنے پر گڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

آمنے سامنے بنے وہ دو محل نما مکان مغل فن تعمیر کا عمدہ نمونہ تھے۔ اور ان میں رہنے والے مکین شاید ابھی تک مغل دور کے عروج کے زمانے میں ہی جی رہے تھے۔ حالانکہ 1858ء کی جنگ، جو کہیں جنگ آزادی کہلائی تو کہیں غدر، کو گزرے بھی کئی دہائیاں بیت چکی تھیں، مگر ان گھروں کے مکین ابھی بھی اسی دور میں جیتے تھے اور شاید وہ اس دور سے نکلنا چاہتے ہی نہیں تھے۔

وہی مہندی رچے ہاتھوں سے آداب بجالاتی ڈومنیاں بڑے سے ہال کمرے میں ہوتی موسیقی کی محفلیں، راگ راگنیوں پہ چھڑی بحث، سرتال کی ہوتی مشقیں، تھا، تھئی، تھئی، تھا تنک دھن تھا۔" کی تانیں، پاندان......"

کبھی کبھی پردے کے پیچھے سے آتی صف نازک کی ہنسی کی جھنکار بتاتی تھی کہ وہ بھی اس محفل سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ ایک گھرانا مسلم تھا تو دوسرا سکھ، مگر پردے کی پابندی دونوں گھرانوں میں کی جاتی تھی۔

اس وقت جبکہ انگریز حکمرانوں کی دی گئی پارٹیوں میں، بڑے بڑے نواب اور راج کمار اپنی بیگمات کے ساتھ شرکت کرنا باعث فخر جانتے تھے۔ یہ دونوں گھرانے ابھی تک پرانی روایات پوری وضع داری سے نبھا رہے تھے۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ جنگ آزادی کے بعد بڑے بڑے نواب مغل حکمرانوں سے تعلق رکھنے کی بنا پر عرش سے فرش پر آئے تھے۔ اور کچھ نیچ ذات لوگ انگریزوں کے مخبر بن کر راتوں رات نواب بن بیٹھے تھے۔ الغرض ہر چیز الٹ پلٹ گئی تھی۔

یہ دونوں گھرانے اپنی اسی حالت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے تھے جیسے کہ وہ مغل حکمرانوں کے دور میں تھے۔ پہلے ان کے آبا واجداد مغل حکمرانوں کے دربار میں گا کر داد پاتے تھے تو اب وہ، انگریز حکمرانوں کو اپنے فن سے محظوظ کر رہے تھے۔

مذہب کے فرق کے باوجود دونوں گھرانوں کی دوستی مثالی تھی۔ استاد شوکت علی اور استاد جگجیت سنگھ اگر بھائی بنے ہوئے تھے تو ان کی بیویوں عالم آراء اور امرت کور میں بھی کم بہناپا نہیں تھا۔ اور اب ایک دو سالوں کے فرق سے پیدا ہونے والے امانت علی اور تارا سنگھ میں بھی دانت کاٹی کی دوستی تھی۔

تارا سنگھ کو تو یہ نام بھی امانت علی نے دیا تھا اور اب لوگ اس کے اصل نام کرتار کو تو جیسے بھول ہی گئے تھے۔ دونوں چار سال کی عمر سے ہی موسیقی سیکھنے لگ گئے تھے اور اب، بڑے بڑوں کے کان کاٹتے تھے۔

اس وقت بھی وہ دونوں استاد شوکت علی کے پاس اپنا ریاض کر رہے تھے۔ جگجیت سنگھ اور چند دوسرے موسیقار بھی وہیں موجود تھے۔ جب استاد شوکت علی کو جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے دونوں کو ایک راگ بیک وقت گانے کا حکم دیا، اور پھر چشم فلک نے ایک حیران کن نظارہ دیکھا۔

دونوں ہی ان کے حکم کا مطلب سمجھ گئے تھے شاید اپنا پورا فن اس ایک رات میں سمونے کی کوشش کرنے لگے۔ باقی سب بھی آہستہ آہستہ اپنا ریاض چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور اب ہر سو صرف ان کی آواز گونجتی تھی۔ وہ گا رہے تھے تو پوری کائنات تھم گئی تھی گویا۔ وہ رکے تو وقت کی نبضیں پھر چل پڑیں۔ سامعین کا سکتہ ٹوٹا اور داد و تحسین کی صدائیں گونج اٹھیں۔

عالم آرا بیگم نے چلمن کے پیچھے سے دونوں کو پکار کر انعام دیا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر، دونوں کا باقاعدہ مقابلہ نہ کروا دیا جائے۔"

داد و تحسین ذرا تھمی اور معمول کا ریاض شروع ہوا تو جگجیت سنگھ نے شوکت علی کو مخاطب کیا۔

"اونہوں، ابھی کچے ہیں دونوں، کوئی نیا راگ بنائیں تو بات بھی ہے۔"

شوکت علی نے پان چباتے ہوئے جواب دیا۔
''نیا راگ.....؟ ارے کون سے زمانے میں ہو میاں، وہ اور دور تھا جب ہمارے آباء اجداد نت نئے راگ اور راگنیاں بناتے تھے۔ اب۔''
''قطع کلامی معاف، جناب یہ بھی ان ہی کا خون نہیں ہے کیا؟ کیوں۔'' شوکت علی نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔
''ارے اس وقت ہمیں حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ ایک ایک سُر درست نکالنے پر انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔ جاگیریں بخش دی جاتی تھیں۔ اب تو ہم اپنا ورثہ ہی مشکل سے سنبھالے بیٹھے ہیں۔ وہ ٹھاٹ اب کہاں میاں۔''
جگجیت سنگھ نے سرد آہ بھرتے ہوئے، گویا اپنا اور شوکت علی دونوں کا مذاق اڑایا تھا۔
''ارے، وقت اور حالات بدل گئے خون تو وہی ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں، امانت تمہیں نیا راگ بنا کر دکھائے گا۔ ایسا راگ جس میں خوشی ہوگی۔ جوش ہوگا اور امید۔''
بولتے ہوئے کب اُن کی آواز اونچی ہوئی انہیں پتا نہیں چلا، مگر آس پاس بیٹھے احباب نے نہ صرف یہ کہ اسے سن لیا تھا بلکہ منہ سے نکلی کو ٹھوں چڑھی کے مصداق آگے پہنچا بھی دیا تھا۔
کچھ دنوں بعد پورے شہر میں یہ مشہور ہوگیا کہ استاد شوکت علی کے باکمال سپوت امانت علی ایک نیا راگ بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔

☆☆☆

ان سب باتوں سے دور امانت اور تارا کی اپنی ہی دنیا تھی۔ کرتار سنگھ کو تارا کا نام بھی امانت نے دیا تھا۔ کرتارے سے کرتارے، کرتارا اور پھر تارا وہ کب بنا خبر ہی نہ ہوئی۔
دونوں میں دوستی تھی اور ایسی تھی کہ جہاں ایک کا پسینہ گرتا دوسرا وہاں خون بہانے کو تیار رہتا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ جس بات کی گونج پورے شہر میں تھی۔ وہ امانت اور تارا تک نہ پہنچی ہو۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ اب نہیں تو دو تین سالوں بعد ان کا مقابلہ ہوگا۔ اور ایسا مقابلہ جو پورا دیکھے گا۔ سو دونوں ان تھک محنت کررہے تھے۔
تارا نے بھی راگ بنانے میں جان کا پورا زور لگا دیا تھا۔ مگر امانت وہ تو جیسے جان دے کر راگ بنا رہا تھا۔ اس کی تپسیا ایک جوگی کی تپسیا تھی۔ وہ جیسے خود کو پورا ایک راگ میں ڈھل رہا تھا۔ باقی سب کچھ اس کے آگے جیسے ثانوی ہوکر رہ گیا تھا۔
پو پھٹنے کا وقت تھا جب عالم آرا کی آنکھ کھلی، ہلکی آوازیں گانے اور ساز کی آواز آرہی تھی وہ جیسے تڑپ کر اٹھیں۔
تو کیا صاحبزادے پوری رات ریاض کرتے رہے تھے؟
یہ تڑپ ایک ماں کی تڑپ تھی ان کے اندر کا گلوکارہ اس پل جیسے کہیں دور جا چھپی تھی۔
وہ ننگے پاؤں ہی دیوان کی طرف لپکی تھیں۔ دیوان خالی تھا۔ صرف ایک کونے میں امانت علی بیٹھے تھے۔ ستار ہاتھوں میں لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر۔
''میرے لال! سوئے نہیں تم، دیکھو رات ڈھل رہی ہے۔ ابھی کچھ سے گزرے گا اور اذانیں ہونے لگیں گی۔'' عالم آرا نے امانت کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دلار سے کہا۔
''میں نے ایک نیا راگ بنایا ہے ماں، سنو گی.....؟'' امانت نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنی ہی کہی تھی۔ اور اس کی آنکھیں چمکتی تھیں۔ چہرہ پژمردہ تھا زرد زرد سا، مگر آنکھیں وہ چمکتی تھیں۔ یوں جیسے انہوں نے خوشی کا ایک نیا جہاں دریافت کرلیا ہو۔
''یہ تمہارے باوا نے تمہیں کس کام پر لگا دیا ہے۔'' عالم آرا نے کہنا چاہا، مگر اس کی جگر جگر چمکتی آنکھیں دیکھ کر جیسے ان کے لب سل گئے تھے۔
''سناؤ۔''
اور شوکت علی کی آواز سن کر وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح امانت کے آگے دوزانو بیٹھی تھیں۔
اب تو اس نے راگ گانا ہی تھا۔ ان کی بات وہ ٹال سکتا تھا بھلا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ان کو ضد ہے کہ یہ موسم نہ بدلنے پائے
صبح بے شک ہو مگر رات نہ ڈھلنے پائے

موسمِ گل بھی اگر آئے تو ایسے آئے!
برق اور رعد ہو، بارش نہ برسنے پائے

جھاڑیاں اُگتی رہیں صحن چمن میں ہر سُو
پھولنے پائے شجر، کوئی نہ پھلنے پائے

یوں ہی سوئی رہے شب چادرِ ظلمت اوڑھے
کوئی جگنو، کوئی تارا نہ چمکنے پائے

جسم اور جاں کا رشتہ رہے قائم لیکن
زخم ایسا ہو کہ تا حشر نہ بھرنے پائے

نام سلطانیٔ جمہور کا گونجے ہر سُو
بات کوئی سرِ دربار نہ کرنے پائے

اک قیامت سی ہر اک گھر میں بپا ہو بے شک
کوئی مربوط سی فریاد نہ بننے پائے

شاطرِ وقت کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے
خلقتِ شہر کوئی چال نہ چلنے پائے

عرفان صدیقی

شوق کیا کیا دکھائے جاتا ہے
دل تجھے بھی بھلائے جاتا ہے

اگلے وقتوں کی یادگاروں کو
آسماں کیوں مٹائے جاتا ہے

سُوکھتے جا رہے ہیں گل بُوٹے
باغ کانٹے اُگائے جاتا ہے

جاتے موسم کو کس طرح روکوں
پتّا پتّا اُڑائے جاتا ہے

حال کس سے کہوں کہ ہر کوئی
اپنی اپنی سُنائے جاتا ہے

کیا خبر کون سی خوشی کے لیے
دل یونہی دن گنوائے جاتا ہے

رنگ پیلا ہے تیرا کیوں ناصر
تجھے کیا رنج کھائے جاتا ہے

ناصر کاظمی

نئے رنگوں کا موسم آگیا ہے
پرانے پھول رخصت کر رہا ہوں

تری جانب بھی ہیں میری نگاہیں
مگر میں دل پہ حیرت کر رہا ہوں

مجھے دیکھا ہے اک شیریں سخن نے
پہاڑوں پر مشقت کر رہا ہوں

یہاں دریا تھا اک صحرا سے پہلے
نشانوں سے وضاحت کر رہا ہوں

تو ہے خود پر ہی یہ احسان کامی
اگر تجھ سے محبت کر رہا ہوں

کامی شاہ

بھیگتے جا رہے ہیں کیوں موسم
بے یقینی کی تیز بارش میں
کیوں دریچے اُداس رہتے ہیں
دُوریاں کیوں ہیں خواب و خواہش میں
روز کہتا ہوں آج پوچھوں گا
حوصلہ ساتھ ہی نہیں دیتا
عکس سے ہو مکالمہ کیسے ؟
آئینہ ساتھ ہی نہیں دیتا

امجد اسلام امجد

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا عذاب اُتارتا ہے تو اس قوم کے سب لوگ عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں (اچھے ہوں یا برے) پھر قیامت کے دن ہر ایک کا حشر اس کے اعمال کے مطابق ہوگا۔"

(بخاری)

اصل بات،

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

"اللہ کو ماننا اصل بات نہیں کیونکہ اللہ پاک اپنی قدرت اور شان سے خود کو منوا لیتا ہے۔ اصل بات تو اللہ کو منا لینے میں ہے جس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

نمرہ، اقرا۔ کراچی

انجام سوچ کر رکھو،

ایک جھیل کے خشک ہونے پر دو مینڈک نئی جگہ کی تلاش میں نکلے جہاں پانی موجود ہو۔ تلاش پر انہیں ایک کنواں نظر آیا۔ ایک مینڈک نے دوسرے سے کہا۔

"چلو اس میں چھلانگ لگائیں۔"

دوسرے نے کہا "ٹھیک ہے لیکن اگر یہاں بھی پانی خشک ہو گیا تو پھر باہر کیسے نکلیں گے؟"

یہ ایک عمدہ نصیحت ہے۔ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے انجام سوچنا چاہیے۔

ادم کمال۔ فیصل آباد

بقائے باہمی،

بقائے باہمی کے حوالے سے ایک دلچسپ تجربہ کیا گیا۔ ایک تجربہ میں پچاس افراد کو مدعو کیا گیا۔ یہ افراد ایک سیمینار میں شریک تھے۔ پچاس شرکا میں سے ہر فرد کو ایک ایک غبارہ دے دیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ اپنے غبارے پر اپنا نام مارکر سے لکھیں۔"

جب سب اپنے غباروں پر اپنے نام لکھ چکے تو ان سے غبارے لے لیے گئے۔ اور ملحقہ کمرے میں اکٹھے چھوڑ دیے گئے پھر ان سب شرکا کو ملحقہ کمرے میں لے جایا گیا اور پانچ منٹ دیے گئے۔ جن میں انہوں نے اپنے اپنے نام والے غبارے ڈھونڈنے تھے۔ پانچ منٹ میں چند شرکا ہی اپنے ناموں والے غبارے تلاش کر پائے۔

تب ان سے کہا گیا کہ کوئی بھی ایک غبارہ تھام لیں اور اس پر جس فرد کا نام لکھا ہو، اسے تھما دیں۔ چند منٹوں میں ہر شریک تجربہ نے اپنے نام والا غبارہ تھام رکھا تھا۔ تجربے کے بعد انہیں چند فقروں میں اس تجربے کا مقصد سمجھایا گیا۔ وہ فقرے تھے۔

"یہ تجربہ ہماری زندگی کا عکاس ہے۔ ہم سب اپنے اردگرد خوشیاں تلاش کرتے ہیں۔ مگر ہمیں پتا نہیں چلتا کہ خوشی ہے کہاں؟ درحقیقت ہماری خوشیاں دوسروں کی خوشی میں پنہاں ہوتی ہیں۔ آپ انہیں ان کی خوشی دے دیں، وہ آپ کی خوشی آپ کو تھما دیں گے۔"

نادیہ یاسر۔ گوجر خان

خراج تحسین،

ایک تقریب میں ایک معروف مصنف کا تعارف ایک خاتون سے کرایا گیا تو خاتون بولیں۔
"مجھے آپ کی سب کتابیں پسند ہیں۔ خاص طور پر وہ کتاب بہت اچھی تھی۔ کیا نام تھا اس کا۔ یاد نہیں آرہا۔ کہانی بھی یاد نہیں آرہی ہے ایسے بھئی وہی جس کے ٹائٹل پر ایک ایسی لڑکی کی تصویر تھی جس کی شکل ریما سے بہت ملتی تھی۔"

زیادہ مشکل،

مارک ٹوئن نے کہا تھا۔
"لوگوں کو بے وقوف بنانے سے کہیں زیادہ مشکل کسی شاطر کے جھانسے میں آئے ہوؤں کو اس بات پر قائل کرنا ہوتا ہے کہ انہیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔"

اقصیٰ ناصر۔ گلستان جوہر

فالتو میٹریل،

نوجوان سول انجینئر کی منگنی ہو رہی تھی۔ لڑکی والے پرانے خیالات اور سخت پردے کے حامی تھے جبکہ اس نے ضد کی کہ لڑکی دیکھے بغیر منگنی نہیں کرے گا۔ بادل نخواستہ اسے اپنی ہونے والی منگیتر کو دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔ لڑکی معمول سے زیادہ صحت مند اور اس کے چہرے کا میک اپ ضرورت سے زیادہ تھا۔
لڑکی دیکھنے کے بعد نوجوان سول انجینئر سے رائے پوچھی گئی تو اس نے بغیر لگی لپٹی کہا۔
"ماشاءاللہ عمارت بہت مضبوط ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر فالتو میٹریل کیوں استعمال کیا گیا ہے؟"

کارآمد ٹوٹکے،

☆ مچھروں سے محفوظ رہنے کے لیے ایک کپ میں تھوڑا سا پانی لیں اور اس میں کافور کے چند ٹکڑے ڈال کر اپنے سرہانے رکھ کر آرام سے سو جائیں۔

☆ اگر سرکہ اور پانی ہم وزن ملا کر اس میں کاٹن بھگو کر سفید فرنیچر صاف کیا جائے، تو داغ دھبے دور ہو جاتے ہیں۔

☆ شدید کھانسی، خاص طور پر رات سوتے وقت اور صبح اٹھنے کے بعد ہو تو رات سوتے وقت ایک یا دو چٹکی اجوائن منہ میں رکھ کر سو جائیں، پانی بالکل نہ پئیں، نہ اس کا لعاب یادیں باہر نکالیں۔ تین چار دن کے استعمال سے کھانسی سے نجات مل جائے گی۔

زبان،

○ زبان وہ جانور ہے جسے قابو رکھنا بہت مشکل ہے۔
○ خوش گفتاری زبان کا صدقہ ہے۔
○ زبان بند رکھنا عبادت ہے۔
○ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن یہ آپ کی کھوپڑی تڑوا سکتی ہے۔
○ پرندے اپنے پاؤں کے باعث دام میں پھنستے ہیں اور انسان اپنی زبان کے باعث۔
○ زبان کو موقع نہ دو کہ تمہارا سر کاٹ کر پھینک دے۔

گڑیا راجپوت۔ جاتری شریف

پیسے ختم،

دو دوستوں کی کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔
"کیا بات ہے ... ؟ کچھ بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہو؟"
دوسرے دوست نے بتایا۔ "دراصل میں نے شراب، جوا اور عورت کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا ہے۔"
پہلے دوست نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
"اوہ ... ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم زبردست قوت ارادی کے مالک

ہو۔ یہ حرکتیں چھوڑنے کے لیے مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

دوسرے دوست نے کہا۔ "قوتِ ارادی کا تو پتا نہیں۔ مجھے یہ حرکتیں اس لیے چھوڑنا پڑیں کہ میرے پاس پیسے ختم ہوگئے تھے۔"

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

اس کا تو،

نقوش کے مدیر، محمد طفیل نے ایک بار اپنے معاصر مرزا ادیب کو اپنی کتاب دی اور داد کے طالب ہوئے۔ مرزا ادیب نے کہا۔

"ٹائٹل اچھا ہے۔"

محمد طفیل اس خاموش طنز کو پی گئے۔ کئی سال بعد مرزا ادیب نے اپنی کتاب "نقوش" میں تبصرہ کے لیے دی۔ محمد طفیل نے کسی رائے کا اظہار کیے بغیر کتاب ایک طرف رکھ دی۔ مرزا ادیب نے بے چینی سے ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

"طفیل صاحب! کیا خیال ہے، کتاب پسند آئی؟"

طفیل صاحب نے سادگی سے جواب دیا۔

"اس کا تو ٹائٹل بھی اچھا نہیں۔"

نادیہ فیصل۔ جلال پور جٹاں

نیوٹن کے وہ قوانین جو وہ لکھنا بھول گیا،

- جب کبھی بھی رانگ نمبر ڈائل ہو جائے تو کبھی بھی مصروف نہیں ملتا، آزمائش شرط ہے۔
- اگر آپ نے ایک سے زیادہ چیزیں ہاتھ میں اٹھا رکھی ہیں تو ہمیشہ قیمتی اور نازک چیز زمین پر پہلے گرے گی۔
- کوئی مشین مرمت کرتے ہوئے جب آپ کے ہاتھ تیل یا گریس سے بھر جائیں تو آپ کی ناک پر فوراً کھجلی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔
- دودھ ابالتے وقت آپ چاہے جتنی دیر مرضی کھڑے رہیں، دودھ نہیں ابلے گا جیسے ہی ایک منٹ کے لیے ادھر ادھر ہوئے نہیں، دودھ ابل کر باہر آجائے گا اور چولہے کا ستیاناس ہو جائے گا۔
- اگر کسی جگہ ایک سے زیادہ قطاریں ہوں، ایسی صورت میں آپ ایک قطار چھوڑ کر دوسری قطار میں جا کر کھڑے ہوں تو پہلے والی قطار تیزی سے چلنا شروع ہو جاتی ہے۔

عائشہ، تحریم۔ گوجرہ

درد مشترک،

ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ تعزیت کرنے والوں میں سے ایک شخص نے پوچھا۔

"آپ کی بیوی کیسے انتقال کر گئیں؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "بے چاری نے چائے پی اور اس کا انتقال ہو گیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر پوچھنے والے شخص نے دھیرے سے کہا۔

"چائے کی پتی بچی ہے کیا؟"

صدف عمران۔ کراچی

موتیوں جیسے الفاظ،

- کسی کی خوبیوں کی تعریف کرنے میں وقت ضائع نہ کرو بلکہ اس کی خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کرو۔
- خوب صورتی ختم ہو جاتی ہے لیکن سیرت قبر تک جاتی ہے۔
- اس دن پر آنسو بہاؤ جو تم نے بغیر نیکی کے گزار دیا ہے۔
- گناہ اتنے کرو جتنی تم میں عذاب سہنے کی طاقت ہے۔
- زبان کے خنجر سے کسی کو زخمی مت کرو۔
- قلم، قدم اور قسم زندگی میں ہمیشہ سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔
- جب جسم کے لیے موت ہے تو راہِ حق میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔

اقصیٰ ناصر۔ گلستان جوہر

خالدہ جیلانی

میری بیاض سے

وجیہہ محسن ـــــ گلشن معمار

افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا
دل اور بھی الجھے گا پڑھیے نہ کتابوں کو

بشریٰ رحمٰن ـــــ بفر زون

کچھ اور مانگنا میرے مسلک میں کفر ہے
لا اپنا ہاتھ دے میرے دست سوال میں

آسیہ جاوید ـــــ (بارہ دری) علی پور چٹھہ

ساون کے مہینے کی بس ساکھ بنی رہتی
بادل ہوں تو برسات بھلا کب نہیں ہوتی

فاکہہ سہیل ـــــ کراچی

دل بدگماں ترے موسموں کو نوید ہو
کوئی خار دست گلاب میں نہیں آئے گا
اسے لاکھ دل سے پکار لو، اسے دیکھ لو
کوئی ایک حرف، جواب میں نہیں آئے گا

ارم کمال ـــــ فیصل آباد

نہ گئی، تیری بے رخی نہ گئی
ہم تری آرزو بھی کھو بیٹھے

ثمرہ، اقرا ـــــ کراچی

اس رات دیر تک وہ رہا محو گفتگو
مصروف میں بھی کم تھا، فراغت اسے بھی تھی
مجھ سے بچھڑ کے شہر میں گھل مل گیا وہ شخص
حالانکہ شہر بھر سے عداوت اسے بھی تھی

صدف عمران ـــــ کے ڈی اے سوسائٹی

اسے خبر ہے کہ اس کا کوئی نہیں اپنا
اک آشنائی بھی کافی ہے اجنبی کے لیے

ریسکا شبہ چوہدری ـــــ مدوکے

ہم پرندے ہیں، نہ مقتول ہوائیں پھر بھی
آ کسی روز کسی دکھ پہ اکٹھے رو لیں

ماہا بشیر حسین ـــــ ڈنگہ

بارش سے کھیلتی رہیں پختہ عمارتیں
بجلی گری تو شہر کے کچے مکان پر

ماریہ نذیر ـــــ بھاگٹ نوالہ

موسم کرب، انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ
موت تیری طلب بھی لغزش لب
زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ

یاسمین کنول ـــــ پسرور

ذرا کھڑکی کھول کر باہر دیکھنا تھا
کہاں تک ہے سمندر دیکھنا تھا
بچھڑتے وقت یہ بھی رسم ٹھہری
اسے اک بار مڑ کر دیکھنا تھا

نبیلہ عدنان ـــــ کورنگی کراچی

کہیں ملیں تو میں پوچھوں کہ آپ کیا صاحب
اجاڑنے کے لیے بستیاں بساتے ہیں
ملے کہاں سے خبر آج کل تو اخبارات
خبر سناتے نہیں سرخیاں بناتے ہیں

ثوبیہ قطب ـــــ کراچی

کٹ گئی ہے جو زباں ہونٹ ہلاتے رہنا
اپنے ہونے کا تو احساس دلاتے رہنا
یہ نہ ہو شہر میں تنہائی کے مجرم ٹھہرو
سرد مہری ہے تو ہاتھ ملاتے رہنا

نادیہ یاسر ـــــ گوجرخان

ہم تیری سکھائی منطق سے اپنے کو تو سمجھا لیتے ہیں
اک خار کھٹکتا رہتا ہے سینے میں جو پنہاں ہوتا ہے

امت الصبوح

خواتین کی ڈائری

دانیہ عقیل کی ڈائری سے

اس ملک کا المیہ اور حالات حاضرہ کے تناظر میں دانش نقوی کی یہ غزل آپ کی نذر۔

مصیبتیں سر برہنہ ہوں گی، عقیدتیں بے لباس ہوں گی
تھکے ہوؤں کو کہاں پتا تھا کہ صبحیں یوں بدحواس ہوں گی

تو دیکھ لینا ہمارے بچوں کے بال جلدی سفید ہوں گے
ہماری چھوڑی ہوئی اُداسی سے سات نسلیں اُداس ہوں گی

کہیں ملیں تم کو بھوری رنگت کی گہری آنکھیں، مجھے بتانا
میں جانتا ہوں کہ ایسی آنکھیں بہت اذیت شناس ہوں گی

میں سردیوں کی ٹھٹھرتی شاموں کے سرد لمحوں میں سوچتا ہوں
وہ سرخ ہاتھوں کی گرم پوریں نجانے اب کس کو راس ہوں گی

یہ جس کی بیٹی کے سر کی چادر کہیں جگہ سے پھٹی ہوئی ہے
تم اس کے گاؤں میں جا کے دیکھو تو آدھی فصلیں کپاس ہوں گی

ریحانہ گل کی ڈائری سے

وقت کے تیز دھارے میں بہتے منظروں میں کچھ مناظر کا دورانیہ چند ثانیے ہوتا ہے لیکن وہ دل کے ایک گوشے میں خوشی بن کر ٹھہر جاتے ہیں۔ ایسے ہی جذبات کا اظہار اس نظم میں امجد اسلام امجد کر رہے ہیں۔

کسی خواب سے فروزاں
کسی یاد میں سمٹ کر
کسی حسن سے درخشاں
کسی نام سے لپٹ کر

وہ جو منزلیں وفا کی
مرے راستوں میں آئیں
وہ لذتیں طلب کی
مرے شوق نے اٹھائیں

انہیں اب میں جمع کر کے
کبھی دھیان میں جو لاؤں
تو ہجوم رنگ و بو میں
کوئی راستہ نہ پاؤں

کہیں خوشبوؤں کی جھلمل
کہیں خواہشوں کے ریلے
کہیں تتلیوں کے جمگھٹ
کہیں جگنوؤں کے میلے

یہ دل فریب منظر
کہیں ٹھہرتا نہیں ہے
کوئی عکس بھی مسلسل
سرِ آئینہ نہیں ہے

یہی چند ثانیے ہیں
مری ہر خوشی کا حاصل
کہ سمے کا تیز دھارا
سرِ موجِ زندگانی ہے فنا کا استعارا

نہ کھلے گرہ بھنور کی
نہ ملے نشان ساحل
ترا کیا بنے گا اے دل
ترا کیا بنے گا اے دل

سمیرا استاد — کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ نظم مجھے بہت پسند ہے۔ آپ کو بھی ضرور پسند آئے گی۔

خط میں بھیجی ہوئی بارش

اس نے آخری دنوں میں مجھے کچھ خط بھیجے تھے
جن کی تحریر جگہ جگہ سے مٹی ہوئی تھی

میں نے کوشش کی کہ پڑھ سکوں مگر میں نہیں
پڑھ پایا۔
جب سمجھ نہیں سکی تو وہ خط
وہ تحریریں میں نے اپنے کاغذوں میں رکھ دی تھیں
آج جب میں کچھ لکھ رہا تھا تو کھڑکی سے آتے ہوئے
سرد ہوا کے جھونکے
ٹھنڈی بارش کی بوندیں
میں چونک گیا
کاغذ کو دیکھا
جس پر حال دل کا لکھا تھا
مدھم ہو کر مٹ رہا تھا
مجھے جیسے خیال آیا
میں نے وہ پرانے خط نکالے
اس میں لفظ لکھے بھی کہاں تھے
اس نے خط میں درد میں لپٹی
بارش بھیجی تھی

طوبیٰ ممتاز — کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر بہترین غزل قارئین کے لیے۔ پڑھ کر بتائیے گا ضرور کیسی لگی۔

اگر یہ کہہ دو بغیر میرے نہیں گزارا تو میں تمہارا
یا اس پہ مبنی کوئی تاثر، کوئی اشارہ تو میں تمہارا

غرور پرور، انا کا مالک، کچھ اس طرح کے نام ہیں میرے
مگر قسم سے جو تم نے اک نام بھی پکارا تو میں تمہارا

تم شرطوں پہ کھیل کھیلو میں جیسے چاہوں لگاؤں بازی
اگر میں جیتا تو تم ہو میرے اگر میں ہارا تو میں تمہارا

تمہارا عاشق، تمہارا مخلص، تمہارا ساتھی، تمہارا اپنا
رہا نہ ان میں سے کوئی دنیا میں جب تمہارا تو میں تمہارا

تمہارا ہونے کے فیصلے کو میں اپنی قسمت پہ چھوڑتا ہوں
اگر مقدر کا کوئی ٹوٹا کبھی ستارہ تو میں تمہارا

یہ کس پہ تعویذ کر رہے ہو؟ یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے
تمام چھوڑو بس ایک کر لو جو استخارہ تو میں تمہارا

حبیبہ خان — کی ڈائری سے

فاضل جمیلی کی یہ چلبلی، شوخ سی غزل مجھے اچھی لگی۔ آپ کی ذوق طبع کے لیے۔

شوقین مزاجوں کے، رنگین طبیعت کے
وہ لوگ بلا لاؤ، نمکین طبیعت کے

خیرات محبت کی، پھر بھی نہ ملی ہم کو
ہم لاکھ نظر آئے، مسکین طبیعت کے

دیکھی ہے بہت ہم نے، یہ قلم تعلق کی
کچھ بول تکلف کے، کچھ سین طبیعت کے

اک عمر تو ہم نے بھی، بھرپور گزاری ہے
دو چار مخالف تھے، دو تین طبیعت کے

تم بھی تو میاں فاضل، اپنی ہی طرح کے ہو
دین دار زمانے کے، بے دین طبیعت کے

بقیہ ہمارے نام

1984ء میں خواتین پڑھنا شروع کیا تھا۔ اس وقت میں دس سال کی تھی، بہت سی کہانیاں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ آسیہ رزاقی کی کوئی تحریر (بہت پرانی) شائع کریں۔

خطوط میں نسیم جہاں کا مشورہ پڑھ کر فکر مند ہوگئی کہ کہیں آپ اس پر عمل نہ کریں لیکن آپ کا جواب (بلکہ صاف جواب) پڑھ کر اطمینان ہوا۔

خواتین ڈائجسٹ سے رشتہ بہت پرانا ہے۔ کتنا پرانا؟ آپ کو بتا ہی چکی ہوں۔ میرے امی اور ابو مطالعے کے بہت شوقین تھے۔ جب میں اور میری چھوٹی بہن اردو پڑھنے لگیں تو ابو جی نے دونوں کے لیے الگ الگ رسالے لگوا دیے۔ ابو کے رسالے الگ اور امی کے لیے حور اور زیب النساء۔ 1983ء میں امی کا انتقال ہوگیا اور 1984ء میں ہماری پیاری چھوٹی خالہ ہماری امی بن کر ہمارے گھر آگئیں۔ خواتین ڈائجسٹ ابو نے ان کے لیے ہی لگوایا تھا۔ اس وقت میں چھپ چھپ کر پڑھتی تھی۔ اس وقت سے خواتین کے ساتھ اور بعد میں شعاع اور کرن کے ساتھ ایسا رشتہ استوار ہوا کہ آج تک نہیں ٹوٹا۔

شادی کے بعد امی اور بہنیں ہر مہینے کے رسالے سنبھال کر رکھتی تھیں۔ میکے جانے کی خوشی دوبالا ہوجاتی تھی۔ ایک اپنوں سے ملنے کی خوشی، دوسرا رسالے پڑھنے کی۔ اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ کون سی خوشی زیادہ ہے اور فیصلہ نہیں ہو پاتا تھا کہ کس کو زیادہ وقت دوں۔

دس سال قبل والدین یکے بعد دیگرے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ امی نے آخری وقت تک رسالوں سے ناتا نہ توڑا۔ ہماری (بے ادب) بھابھی کہتی تھیں کہ پتا نہیں امی کو کیا ملتا ہے، ہر وقت یہ پڑھتی رہتی ہیں۔

امی کے بعد خود رسالے خریدنا شروع کیے۔ شروع میں جب مہینہ ختم ہوجاتا تھا تو آدھی قیمت پر پرانے رسالے لے لیتی تھی۔ ایک مرتبہ مہینے کی 31 تاریخ تھی پھر بھی بدتمیز دکان دار نے آدھی قیمت پر اس مہینے کا رسالہ نہیں دیا۔ 2012ء سے اللہ کا شکر ہے، تازہ شمارے لیتی ہوں۔ بیٹے لادیتے ہیں۔ اللہ ان کو نیک بنائے۔ شوہر صاحب کو رسالے پڑھنا پسند نہیں ہے اس لیے وہ نہیں لاکر دیتے۔ البتہ اب مسلسل ڈھٹائی سے (رسالوں سے وابستگی) دیکھ کر پڑھنے پر (زیادہ؟) اعتراض نہیں کرتے۔

''کہنی سنی'' سے رسالے کا آغاز کیا۔ ''کرن کرن روشنی'' سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ ''ہمارے نام'' محفل ہمیشہ کی طرح پر لطف تھی۔ بہنوں سے ملاقات کر کے بہت مزا آتا ہے۔

گل ارباب کا ناول بہت بہت اچھا لگا۔ انداز تحریر بہت پسند آیا۔

فائزہ بھٹی کا افسانہ اچھا تھا۔ ''قصہ ایک ساون کا'' پڑھ کر اپنا وقت یاد آیا۔ جب شروع شروع میں ہر موقع پر میکے کی یاد ستاتی تھی اور رلاتی تھی۔ ''انوکھا لاڈلا'' شروع میں تو بہت اچھا لگا ناول لیکن آخر میں جتنی جلدی انوکھا لاڈلا تبدیل ہوگیا وہ غیر حقیقی لگا۔ ''حالم'' ابھی پڑھا نہیں ہے۔ ''قصہ ایک کہانی کا'' بہت اچھا لگا۔ اینڈ نے چونکا دیا۔ ''رنگا رنگ پھول میں ''پانی'' میں پہلے دو پوائنٹس پر اختلاف ہے۔ میں نے پڑھا کہ صبح نہار منہ پانی نہیں پینا چاہیے، اس سے گردے متاثر ہوتے ہیں اور نہانے کے بعد بھی پانی نہیں پینا چاہیے۔ اس وقت جسم گرم ہوتا ہے اور پانی نقصان دیتا ہے۔

☆ عنبرین! آپ ہماری اتنی پرانی قاری ہیں، تقریباً 36 برسوں پر محیط تعلق ہے۔ اس کے باوجود آپ نے کبھی ہمیں یاد نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ شاید پچیس تیس سال پہلے آپ نے کچھ خط لکھے تھے۔ اب تو عرصے سے کوئی خط نہیں لکھا۔ طویل عرصے کے بعد یہ پہلا خط ہے۔

آپ کو نسیم سحر قریشی کی اتنی پرانی تحریر یاد تھی، اس پر ہمیں تعجب نہیں ہوا۔ اس لیے کہ ہمیں پتا ہے کہ بچپن کی باتیں انسان کبھی نہیں بھول پاتا ساری زندگی یاد رہتی ہیں۔

آپ نے خط بہت اچھا لکھا ہے۔ اب ہمیں باقاعدگی سے لکھتی رہیے گا۔

فریحہ اشتیاق.....نظام پور گوجرانوالہ

سب سے پہلے ٹائٹل دیکھا، معصوم سی پیاری سی ماڈل کے چہرے کو بہت گلابی کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے ''ہمارے نام'' کی طرف بھاگی۔ رانی سونیا ہم بھی آپ کی طرح چوہوں سے ڈرتے ہیں۔ ''اسٹوری آف آئل اسٹیفنس'' ایک بڑی کامیابی اور ڈائجسٹ رائٹرز کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے یقیناً۔ عفت سحر طاہر خوب صورتی سے ''رنگ ریز میرے'' کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ قرۃ العین کا ''منزل کے سراب سائے'' اتنا متاثر نہ کرسکا۔ سجل کی یہ کیسی محبت تھی جو محبوب بیوی کو اس کا حق ہی نہ دلا سکی۔ ''سزا'' بھی ٹھیک تھا۔ ''تتلی جیسا پیار'' شروع میں زیبی کی حرکتوں کی وجہ سے بالکل پسند نہیں آیا تھا مگر اب اچھا لگنے لگا ہے۔ حمیرا شفیع کا ''کنگن'' اچھا لگا خصوصاً کرداروں کے نام۔ سائرہ رضا سے کہیں پلیز ''جمال زہرہ'' جیسی کوئی شان دار سی تحریر لکھ ڈالیں۔ ناظمہ زیدی کا ڈائٹ پلان ٹرائی کرکے دیکھتے ہیں کہ کچھ اثر کرتا ہے کہ نہیں۔ میرا وزن بھی پہلے 54 تھا اب 60 تک پہنچ گیا ہے اور واقعی دل چاہتا ہے، کوئی جادو کی چھڑی ہو، گھماؤں اور سلم ہوجاؤں۔

☆ پیاری فریحہ! آپ کا افسانہ منتخب ہوچکا ہے، جلد شائع ہوجائے گا۔

ڈائٹنگ سے فرق تو پڑتا ہے لیکن موٹاپے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں، ضروری نہیں کہ کھانے پینے میں بے احتیاطی کی وجہ سے وزن میں اضافہ ہو۔ بہتر ہوگا کہ آپ ایک بار ڈاکٹر سے مشورہ کرلیں۔

زینب نور..... جہانیاں

اب کی بار تو شمارہ انتیس ستمبر کو ملا۔ ''کرن کرن روشنی'' پڑھ کر سب سے پہلے ''تتلی جیسا پیار'' پڑھی۔ یہ ہو کیا رہا ہے؟ خدارا..... صائم زوباریہ کا ہی رہے۔

کسی انسان کی اچھائی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ غلطی پر نادم ہے۔ ہاں مگر..... سیما پہ بھی بہت دکھ آئے گا۔ گل ارباب کا مکمل ناول ''من کا پپیہا'' بھی اچھا لگا۔ بلکہ گل ارباب کی باقی دوسری کہانیوں سے زیادہ اچھا تھا۔ کیا.....؟ ہونٹ موٹے کروانے کے ٹیکے.....؟ استغفر اللہ۔

چھوٹی بہن کی کسی دوست نے بتایا تو تھا مگر ہمیں یقین نہ آیا۔ اوئی اماں..... ان لڑکیوں کا بھی جواب نہیں۔ بازو پہ بخار کا ٹیکہ لگوانا ہو تو چلا چلا کر آدھے شہر کو اکٹھا کرلیتی ہیں، ہونٹوں پہ ٹیکے خود اتنے مزے سے لگوالیتی ہیں۔

نسیم سحر کا لکھا بے حد پسند آیا۔ سچ بتاؤں؟ مجھے ایسی کہانیاں بہت پسند ہیں جس میں شادی کے بعد میاں بیوی کا قبلہ ٹیڑھا ہو اور بعد میں آل فائن..... یہ موضوع نایاب جیلانی کمال کا لکھتی ہیں۔ نایاب جی! آئی مس یو۔ ناولٹ ''ہارے بھی تو بازی'' اور ''انوکھا لاڈلا'' زبردست۔ اب کی بار منفرد تھے۔ یہ ایک انوکھا لاڈلا تو میرے خیال میں ہر دوسرے گھر میں پایا جاتا ہے، ہے ناں؟

فائزہ بھٹی کے بیٹی کے نام لکھے گئے خطوط نے دل بوجھل سا کردیا۔ آہ یہ بیٹیاں..... کبھی باپ کی داڑھی اور کبھی..... داڑھی کی خاک.....

سب افسانے ہی زبردست تھے۔ مگر ''قصہ کہانی کا'' طریقے سلیقے سے نہیں لکھا گیا۔ ''باورچی خانہ لفظوں سے لگ رہا ہے کہ کوثر خالد کا ہے۔ کوثر خالد کا ہی ہے ناں؟

تیسرا..... سردیوں کی آمد آمد ہے۔ اتنی ڈھیر ساری رضائیوں میں نگندے ڈلوائے امی نے کہ انگلی اور انگوٹھے کی بس بس ہوگئی۔ اوپر سے امی کی ہدایتیں کہ نگندے اوپر نیچے برابر ہوں، فاصلہ برابر ہو۔ روئی کی تھیلیاں سی نہ بنا دینا، سوئے کو نیچے سے اوپر آرام سے لاؤ وغیرہ وغیرہ۔ خیر اس کام کا کوہ ہمالیہ سر کر ہی لیا۔

☆ زینب! آپ کا ایک افسانہ تو قابل اشاعت ہے۔ دوسرا ابھی پڑھا نہیں۔ بھئی خوب صورتی کے لیے تو ہر کشٹ اٹھایا جاسکتا ہے۔ آپ دیکھتی نہیں وزن کم کرنے

کے لیے خواتین کیسے کیسے ہلکان ہوتی ہیں۔ انجکشن کی سوئی تو معمولی چیز ہے، ہمیں اعتراض اس بات پر ہے کہ اتنا ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ خوب صورتی کے پیچھے بھاگ کر چہرے کا ستیاناس تو نہیں ہو رہا ہے۔ کیونکہ موٹے ہونٹ اکثر چہروں پر اچھے نہیں لگتے۔ یہ انجکشن لگوا کر کچھ لوگوں کے ہونٹ تو خاصے بھیانک لگنے لگتے ہیں۔ باورچی خانہ کوثر خالد کا ہی تھا۔ سہواً عطیہ بتول کا نام لگ گیا تھا۔

فائزہ بھٹی..... پتوکی

خواتین کا انتظار بہت تھا۔ ''ہمارے نام'' میں اپنا تبصرہ دیکھنے اور اپنی کہانی پر قارئین کا تبصرہ دیکھنے کی جلدی تھی۔ جس جس نے تعریف کی، بہت بہت شکریہ، آباد رہیں۔

فائزہ امین مٹھائی جتنی مرضی کھالو۔ قصور سے پتوکی اب اتنا بھی دور نہیں ہے، ہمارا ضلع بھی وہی ہے۔ پروپوزل کو ریجیکٹ کر کے آپ نے واقعی غلط کیا۔ وہ صاحب نرسری کے نہ سہی، گلابوں کے کھیت کے تو ضرور مالک ہوتے۔ ہمارے پتوکی میں لوگ فصل کے طور پر پھول اگاتے ہیں۔ جن میں گلاب سرفہرست ہیں۔ تم جب چاہو ملنے آؤ۔

اس شمارے میں صرف سلسلے وار ناولز پڑھ پائی کیونکہ مصروفیت اس قدر ہے کہ حد نہیں۔ اکتوبر میں اللہ پاک نے بھائی کو بھی بیٹا دیا ہے اور بہن کو بھی۔ اسی سلسلے میں مہمانوں کی آمد و رفت جاری و ساری ہے اور سوا مہینہ تک جاری رہے گی۔ ہمارے ہاں خاندان کا ایک ایک فرد نئے مہمان کو دیکھنے آتا ہے۔ چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ دوسرے شہروں میں بسنے والے رشتہ دار بھی آتے ہیں۔

اس سے پہلے ستمبر میں محرم ہونے کی وجہ سے مہمان آتے رہے اور اس سے پہلے اگست کی بیس کو میری منگنی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں کافی مصروف رہی۔ موصوف پاک فوج کے جوان ہیں۔ میری اچھی زندگی کے لیے دعا ضرور کیجیے گا۔

''حالم'' یک دم ہی کہانی نے ٹرن لیا ہے۔ فاتح اتنا تو بتا دو، تالیہ کب اور کتنا یاد آئی۔

''تتلی جیسا پیار'' زیبی کچھ چیزیں ساری زندگی ہمارا پیچھا کرتی ہیں۔ چاہے جتنا مرضی دامن بچائیں۔ لاپروائی میں مارے جاتے ہیں۔

''رنگ ریز میرے'' حریم واقعی میں تم کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تم چاہتی کیا ہو۔ نازیہ رزاق آپ کو فرصت کے لمحوں میں پڑھوں گی۔ شازیہ جمال آپ کو بھی۔

☆ پیاری فائزہ! گلابوں کے کھیت، اف کتنے خوب صورت لگتے ہوں گے اور وہاں خوشبوؤں کا کیا عالم ہوگا۔ جی چاہ رہا ہے کہ فوراً پتوکی پہنچ جائیں۔ خالہ اور پھوپھو بننے پر ہماری جانب سے دلی مبارک باد۔ آپ کا خاندان تو بہت اچھا ہے، جہاں اتنی محبت ہے اور رشتوں کی اتنی پاس داری کی جاتی ہے کہ خاندان میں اضافہ ہو تو سب دیکھنے آئیں نہ صرف اپنے شہر سے بلکہ دوسرے شہروں سے بھی۔

منگنی مبارک ہو۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

خواتین، شعاع کے ٹائٹل سب سے زبردست اور منفرد ہیں۔ ''کہنی سنی'' میں مدیر صاحب بہت سنجیدہ نظر آئے آج۔ مگر فرمایا بالکل بجا۔ ''کرن کرن روشنی'' نے اندر کے ''اندھیروں'' کو نگل لیا۔ اپنی اصلاح کی، ''شاہین رشید'' سے ملے۔ ''لیلیٰ واسطی'' سے باتیں کیں۔ انتہائی باوقار سلجھی ہوئی اداکارہ شروع ہی سے پسند ہیں۔ ان کے والدین میری امی کو پسند تھے۔ طاہرہ، رضوان واسطی، شکریہ شاہین رشید، ''ارطغرل غازی'' کے صدا کار سے جوش و خروش سے ملے۔ ڈاکٹر کرن مبارک باد کی حقدار ٹھہریں۔ ''مبشرہ خالد'' نے کیا خوب لکھا۔

واقعی سو فیصد ٹھیک بولا کہ یہ ڈائجسٹ ہم ہاؤس وائف کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ہیں۔ ''گوشی جمال'' بیسٹ آف لک! افسانے لکھ ڈالیے۔ سب بہنوں کے خط پیارے، جواب میٹھے۔

اس ماہ کے خواتین کو اگر ''فیملی نمبر'' قرار دیں تو بے جا نہ ہوگا۔ قسم سے ہر اسٹوری گھریلو اصلاحی اور شاندار، پورے ڈائجسٹ کا کریڈٹ ''محبت غیر مشروط'' نازیہ رزاق کو دیں تو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا کسی کو۔ فق چہرے، دھڑکتے دل اور نم آنکھوں سے ناول پڑھا۔ سکینہ عبدالقیوم بہترین لڑکی۔ ایک لغزش کو مٹانے کے لیے تمام عمر پستی رہی۔ آہ! یہ لڑکیاں، نازیہ نے بہت دقیق اردو دانی کا استعمال کیا۔ مگر ویل ڈن۔ ''منٹھار'' ام طیفور نے انتہائی سوپر اسٹارٹ لیا۔ مگر یہ کیا؟؟؟ بعد میں پوری اسٹوری ہندوؤں، سکھوں کی پنجابی فلموں کا ''ری مکس''۔

''ناولٹ'' دونوں ہی کمال ہیں سرکار، شازیہ جمال ویسے بہت شستہ بہت سوفٹ لکھتی ہیں۔ ''نین تارہ'' اور اس کی ماں انتہائی کم ظرف اور بے فیض نکلیں۔ سچی محبتوں کی قدر نہ جان پائیں اور منہ کے بل گریں۔ باقی فیملی پوری کی پوری انتہائی پرخلوص تھی۔ ''حمیرا اشفیع'' نے کتنا سادہ سا اور اچھا لکھا۔ خطوط کی طرح ''ناولٹ'' بھی زبردست، ہوتے ہیں، بہت سے لڑکے اور مرد ''شادی خان'' جیسے جو سفید رنگ اور ظاہر پر مرتے ہیں جبکہ ''ظاہر'' اکثر دھوکا بھی دیتے ہیں۔

''جگر'' صاحب کی نظم سپر رہی۔ تو ''احمد فراز'' کی ڈوپر کیونکہ ہمارے پسندیدہ شاعر ہیں۔ دو تین دن پہلے ٹاک شو میں ''شبلی فراز'' تھے نیوز چینل پر شکل صورت بھی احمد فراز جیسی کیا وہ احمد فراز کے بیٹے ہیں؟؟؟

''باورچی خانہ'' میں اپنی ''گل'' صاحبہ ہیں۔ خوب منظر نگاری ہے اور بہت اچھا، سچ سچ لکھا ہے۔ تین چار عادتیں ہماری ملتی ہیں۔ ''عدنان'' بھائی نے ہمارا قبلہ درست کیا۔ بہت راز کی مفید باتیں بتائی ہیں۔ جزاک اللہ خیر، واہ! ناظمہ زیدی تو اس مرتبہ بیوٹی بکس میں تشریف فرمائیں۔

ج: پیاری صدف! اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین ویسے ٹانسلو بڑھ جانا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ انہیں چھوٹے سے آپریشن سے نکلوایا جاسکتا ہے۔ ورنہ یہ آپ کو تنگ کرتے رہیں گے۔

تبصرہ حسب روایت بہت اچھا ہے۔

رابعہ بصری..... پتوکی

میں خواتین کی بہت پرانی قاری ہوں میں ۔ تقریباً ہر رسالہ پڑھا ہے۔ اور سب سے زیادہ پ خواتین آیا۔ کیوں کہ اس میں تین قسط وار ناول بہ مزے کے تھے۔ میرے خواب لوٹا دو، کوہ گراں تھے ہم اور زمین کے آنسو اور یہ ناول مجھے بہت پسند تھے۔ او اس وقت جو سلسلہ وار ناول چل رہے ہیں بہت اچ ہیں۔

ج: پیاری رابعہ..... آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی۔

آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی بہت خوشی ہوئی لیکن خط آپ نے صحیح طریقے سے نہیں لکھا۔ آپ نے سادہ کاغذ پر خط لکھا ہے اس میں تو کوئی حرج نہیں لیکن سطر کے درمیان فاصلہ ضرور رکھیں۔

ہاجرہ عبدالمجید..... قائم پور

مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ بہت چھوٹی عمر سے رسالہ پڑھنا شروع کیا، جب لفظوں سے آشنائی تھی۔ مفہوم سے نہیں۔ اسکول میں تعلیم کے دوران ہی ''شعاع'' اور ''خواتین ڈائجسٹ'' سے ناتا جوڑا۔ عمیرہ احمد کا ''آپ حیات'' آمنہ ریاض کا ''دشت جنون'' مکمل ناول پڑھ لیا، پر قسط وار نہیں۔ بس کچھ آخری اقساط پڑھی ہیں۔ آپ کو ایک اور بات بھی بتاتی چلوں کہ میری بہت کوششوں کے باوجود بھی مجھے ہر ماہ رسالہ کبھی بھی نہیں ملا۔ میں پرانے رسالے پڑھتی ہوں۔ جن کا ٹائم بھی ختم ہو چکا ہوتا ہے، یہ پرانے رسالے بھی ہماری پڑوسن جنہیں ہم بھابھی کہتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے میکے سے لاکر دیتی ہیں۔ تو ہی ہم پڑھ پاتے ہیں۔

ان رسالوں کو پڑھ کر مجھے جو خوشی ہوتی ہے، وہ میں بیان نہیں کرسکتی۔ اب نئے رسالے تو نہیں ہیں میرے پاس ویسے بھابھی بہت شکریہ آپ کا۔

ج: پیاری ہاجرہ! آپ ہر ماہ پرچا حاصل نہیں کرپاتی ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے ہمیں خط لکھا اور

کہانیاں بھی بھجوائیں۔ آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ کوشش کرتی رہیں۔ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

نسیم خانم.....نامعلوم شہر

میں اور میرے گھر والے کافی ٹائم سے خواتین ڈائجسٹ بڑے شوق سے پڑھ رہے ہیں اور اس سے کافی کچھ سیکھا ہے میں نے۔ میری کہانیاں سب کو ہی بہت پسند آتی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے بتائیں کہ کس طرح آپ کو کہانی لکھ کر بھیجنی ہے اور ایڈریس پر بھیجنی ہے۔

ج: پیاری نسیم! آپ نوٹ بک یا کاپی کے صفحے پر کہانی لکھ سکتی ہیں۔ کہانی صفحے کے ایک جانب سطر چھوڑ کر لکھیں۔ صفحے کے ایک جانب لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ صفحے کی پشت پر نہ لکھیں۔ جس طرح اور جس ایڈریس پر یہ خط بھجوایا ہے۔ اسی طرح کہانی بھجوادیں ایڈریس یہ ہے۔

خواتین ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔

ثانیہ مرید.....ڈی جی خان

ستمبر کا شمارہ، ٹائٹل بہت خوب صورت لگا پھر اقراء نے کہا۔ فائزہ بھٹی کا ''بیٹی کے نام'' پڑھو۔ پڑھا تو دوبارہ پڑھ لیا۔ انتہائی پراثر، رواں اور خوب صورت تحریر۔ ''ہمارے نام'' بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ڈی جی خان کی خدیجہ وغیرہ بہنوں سے گزارش ہے کہ کیا آپ ثانیہ مرید سے دوستی کریں گی۔ آپ کا خط بہت اچھا ہوتا ہے۔

ج: پیاری ثانیہ! آپ نے پہلی بار خط لکھا، اس لیے ہم نے آپ کا ستمبر کا خط بھی شامل کرلیا ہے آئندہ کوشش کریں کہ ہمیں وقت پر خط موصول ہوسکے۔

عینی غزل.....ماسمہ کالونی کراچی

شہناز لغاری کا انٹرویو بہت زبردست تھا۔ جس طرح انہوں نے اپنے گھر کا ماحول بتایا، بالکل ہمارے گھر کا ماحول بھی اسی طرح ہے۔ شہناز لغاری صاحبہ خوش قسمت ہیں ان کے بھائی نے ان کی مدد کی جبکہ ہمارے بھائی تعلیم کے سخت خلاف ہیں۔ میرے ابو بہت اچھے نرم مزاج ہیں۔ جب انہوں نے دوسرے اسکول میں داخلہ کرایا میرا تو میرے تیسرے نمبر والے بھائی جو مدرسے میں پڑھتے تھے۔ ابو سے کہنے لگے۔ ''کیا ضرورت ہے آگے پڑھنے کی۔'' لیکن ابو نے کہا ''اب اس میں داخل کیا ہے تو جائے گی۔'' بھائی ایک ایک رجسٹر پر میرا نام لکھتے اور میرے سر پر مارتے۔ جب میں ساتویں کلاس میں تھی تو ایک دن بڑے بھیا نے پوچھ لیا کہ ''کون سی کلاس میں ہو''۔ بڑے بھیا سے ہم سب ڈرتے ہیں۔ ان کے سامنے بات بھی نہیں کرتے اور وہ خود بھی زیادہ باتیں نہیں کرتے ہیں۔ خیر میں نے بتایا کہ ساتویں کلاس میں تو امی سے کہنے لگے۔

''میں تو سمجھا تھا کہ یہ پانچویں کلاس میں ہوگی۔ بس اب کوئی ضرورت نہیں آگے پڑھنے کی۔'' اور ان کی بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے۔ پھر میرا اسکول سے ناتا ختم۔ میری ساری بہنوں نے پانچویں تک پڑھا ہے۔ ہم بھی پردہ کرتے ہیں جب برقع شروع تو پھر سب کچھ ختم، آج میں جو کچھ ہوں میری امی اور ان رسالوں کی وجہ سے ہوں۔ میری امی خود پڑھی لکھی نہیں ہیں لیکن انہوں نے جس طرح ہماری تربیت کی ہے۔ الحمدللہ سارے خاندان میں سب تعریف کرتے ہیں۔ میری بہنوں کی بہت تعریف اور عزت ہوتی ہے سسرال میں، اپنوں نے عزت دی ہے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف عفت سحر طاہر، راحت جبیں کے ناول بہت زبردست جارہے ہیں، حالم کی توبات الگ ہے۔ گل ارباب بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ڈاکٹر فریال خان کا خط پڑھا تو بہت اچھا لگا کیا۔ آپ ہم سے دوستی کریں گی۔ ہمیں آپ کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ اور ہمارے پاس ترتیب سے بھی شمارے نہیں ہوتے ابھی تک ہم نے جولائی اگست ستمبر نہیں پڑھا ہے۔ کیا راحت جبیں اور نزہت جبیں بہنیں ہیں اور نمرا احمد عمیرہ احمد بھی بہنیں ہیں۔

ج: تعلیم بہت ضروری ہے لیکن تعلیم سے زیادہ ضروری شعور ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز، اچھی تربیت، اخلاق اور تہذیب ہے۔ ہمارے پاس ہر ماہ سینکڑوں خط آتے ہیں۔ اعلا تعلیم یافتہ خواتین سے بھی واسطہ

پڑتا ہے۔ اس لیے ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا خاندان بہت سے اعلا ڈگری رکھنے والوں سے بہتر ہے۔

آپ مطالعہ جاری رکھیں۔ ممکن ہے اس نسل میں نہ سہی ممکن ہے اگلی نسل میں آپ کے ہاں خواتین پر یہ پابندیاں نرم ہو جائیں۔ راحت جبیں اور فاخرہ جبیں بہنیں ہیں۔ نزہت جس سے کوئی رشتہ ان کا نہیں ہے۔ نمرہ احمد اور عمیرہ احمد میں بھی کوئی رشتہ نہیں ہے۔

مہناز رانی...... ماناں والہ ضلع شیخو پورہ

سب سے پہلے احادیث پڑھ کر اذان کے بارے میں جو الجھن تھی دور ہو گئی۔ اللہ پاک آپ سب کو اس نیک کام کا اجر عطا فرمائے (آمین) تتلی جیسا پیار راحت جبیں کا ناول بھی بہت متاثر کن ہے۔ حالم زیادہ طویل نہیں ہوتا جا رہا؟ پلیز جلد ختم کر دیں اب اسے۔ آخر میں سب سے دعا کی درخواست ہے کہ میری ماما کو مرگی کا مرض بتایا ہے ڈاکٹر نے تو ان کے لیے بہت سی دعا کیجیے گا۔

ج: پیاری مہناز! آپ پریشان نہ ہوں۔ مرگی ایسی بیماری نہیں ہے جس کا علاج نہ ہو سکے۔ آپ کی والدہ ٹھیک ہو جائیں بس اتنی احتیاط کرنا ہو گی کہ انہیں باقاعدگی سے دوا دی جائے۔ ایک دن بھی ناغہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو کامل صحت عطا فرمائے (آمین)

ممتاز بنت حسین...... کراچی

عرصہ ہوا خط لکھے اور خط کا جواب پاتے ہوئے تقریباً بتیس سال پہلے امی مجھ سے انڈیا میں اپنے رشتہ داروں کے یہاں لکھوایا کرتی تھیں اور جواب بھی آیا کرتا تھا۔ بڑا اچھا دور تھا وہ بھی، اب آپ کا جواب پڑھ کر ایسا لگا جیسے ماضی میں بہت پیچھے آ گئی ہوں۔

ستمبر کی کہانیاں بہت اچھی تھیں بہت اچھی لیکن میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ اب لکھ رہی ہوں تو اکتوبر کی کہانیوں پر ہی بات کر لیتی ہوں۔

"کہی ان کہی" سے شروع ہو کر کرن کرن روشنی پڑھی دین سے آگاہی اور ان ہدایت پر عمل کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اللہ ہم سب کو توفیق دے آمین۔

ابن انشاء کا مضمون پڑھ کر خوب ہنستی رہی، ا شوہر کو بھی مضمون سنایا۔

ایک زمانہ تھا جب میگزین میں چھپنے والے کسی بھی انٹرویوز شوق سے پڑھتی تھی لوگوں کی ذاتی، گھر شوبز زندگیوں کے متعلق جاننے کی جستجو رہتی تھی لیکن ا نہیں۔

پرچے میں میرا فیورٹ سلسلہ "ہمارے نام ہے بہنوں کے خطوط، آپ کے پیار بھرے جواب، ہر خط کو غو سے پڑھتی ہوں انجوائے کرتی ہوں۔

افسانے سب اچھے تھے "راہ راست" بچے کی معصوم سی حرکت پر انعم کا اپنی سوچ کو درست کر لینا" ثانیہ مرتضیٰ" نے اچھا لکھا۔ "حمیرا شفیع کا کنگن" بھی خوب تھ پسند آیا مکمل ناول "ام طیفور" کا "منتظر" گاؤں کے پس منظر میں لکھی گئی کہانی اچھی تھی بس ذرا کھیت و باغات کی عکاسی نہیں کی گئی۔ تمام رائٹرز کی کاوشیں اچھی تھیں۔

رنگا رنگ پھول میں غصہ پڑھ کر بہت مزہ لیا میں نے۔

"حالم" میں نمرہ احمد نے اب کی بار یہ کیا کر دیا تالیہ کو انہوں نے چھ برس آگے بھیج دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا اینڈ کریں گی۔ پہلے ہی چھ برس آگے ہو کر تالیہ اسی عمر میں ہے، وان فاتح زیادہ عم کے ہو گئے۔

ج: پیاری ممتاز اپنے پرانے قارئین سے مل کر ہمیں ایسے ہی خوشی ہوتی ہے جیسے کسی دیرینہ دوست سے مل رہے ہیں۔ آپ کو پتا ہے نا دوستی جتنی پرانی ہو، اتنا ہی مزہ دیتی ہے۔ بھتیجی کی شادی مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بھتیجی کو خوش و خرم رکھے۔

آپ کی والدہ کے لیے دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

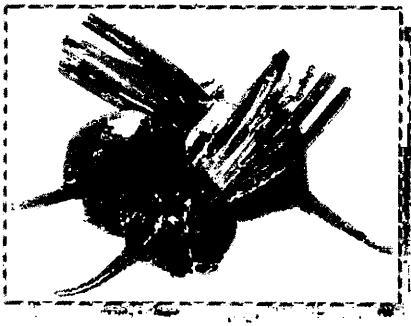

اپنے جونیئرز کی بھی رہنمائی کرتی ہیں۔

غزالہ جاوید کام کے متعلق کہتی ہیں کہ ہمارے دور میں کام کم اور محنت زیادہ تھی۔ آج کل کام زیادہ، محنت کم ہے۔ آج کے نوجوان سوچتے ہیں کہ وہ ایک ڈرامے سے فہد مصطفےٰ یا فیصل قریشی بن جائیں گے تو خدارا اپنے ساتھ اپنے گھر والوں پر بھی ظلم نہ کریں۔ فیصل قریشی اور فہد مصطفےٰ ایک دن میں نہیں بنے بلکہ اس کے پیچھے ان کی سالوں کی ان تھک محنت ہے۔

مضبوط سوچ

بڑی بڑی حیران آنکھوں والی بھولی بھالی صورت، گڑیا جیسی بے پناہ صلاحیتوں کی مالک سجل علی نے 2011ء سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے انتہائی مختصر عرصے میں اپنے آپ کو ایک بہت اچھی

خطرہ

ورزش کرنے سے پہلے اگر چقندر کا جوس پی لیا جائے تو دماغی صحت بہت بہتر ہو جاتی ہے اور حافظہ طاقت ور رہتا ہے۔ اس مشروب اور ورزش کو یکجا کرنے سے دماغ کے کچھ مخصوص حصے توانا ہوتے ہیں۔ دماغی صلاحیت نوجوانوں جیسی ہو جاتی ہے، جب کہ ذہنی کمزوری میں بھی تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔

اس تحقیق سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنہیں دماغی انحطاط کا خطرہ لاحق ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں وہ کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر زندگی نہ گزار سکیں۔ یعنی جن لوگوں میں مخبوط الحواس (ڈیمینشیا) کا امکان ہے وہ چقندر کے جوس سے اس خطرے کو ٹال سکتے ہیں۔

محنت

انسان کا مزاج اس کی شخصیت کا عکاس ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے اخلاق اور کردار سے پہچانا جاتا ہے۔

شوبز انڈسٹری میں بہت سے ایسے نام ہیں جن کا شمار بہترین فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی شخصیت میں ہوتا ہے۔ ان ہی میں ایک نام غزالہ جاوید کا بھی ہے جو

اور باصلاحیت اداکا... [illegible] ...والا ہے۔

سجل کے والدین کی شادی ناکام ہوگئی تھی اور ان کے والد نے جب ان کی والدہ کو چھوڑ کر دوسری شادی کی تو انہوں نے بہت برا وقت دیکھا۔ ٹی وی ڈراموں کے معیار اور کرداروں کے بارے میں سجل کا کہنا ہے کہ ”آج کل زیادہ تر گھر میں بیٹھی، روتی دھوتی لڑکی کے کردار کو پسند کیا جاتا ہے حالانکہ افسانوں، ڈراموں اور حقیقی زندگی میں ہر دور میں ایسی لڑکیاں رہی ہیں اور آج بھی موجود ہیں جن کی طبیعت میں جبر اور ناجائز باتوں کے خلاف بغاوت کا حوصلہ موجود ہوتا ہے۔ پرانے ڈراما سیریل دیکھیں، آپ کو مضبوط اور نظریاتی لڑکیوں کے کردار ملیں گے جنہیں بعض لوگ سرکش اور باغی کا نام دیتے ہیں (آپ کا شمار کن میں ہوتا ہے سجل!)۔

روایت

پاکستان ٹی وی کے لیجنڈ اداکار راحت کاظمی اور اداکارہ و پروڈیوسر ساحرہ کاظمی کے بیٹے علی کاظمی نے اپنے والدین کی طرح اداکاری کے شعبے میں نام بنانے کی روایت جاری رکھی ہوئی ہے۔ علی کاظمی کینیڈا میں رہتے ہیں اور پاکستانی ڈراموں اور فلموں میں بھی کام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بین الاقوامی فلموں میں بھی کام کرتے ہیں۔ ان دنوں وہ ہالی وڈ کی بلاک بسٹر فلم سیریز میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔

علی کاظمی نے کوشش کی تھی کہ اس خبر کو خفیہ رکھیں، لیکن یہ خبر لیک ہوگئی۔ ساحرہ کاظمی اپنے بیٹے کی اس کامیابی پر بہت خوش ہیں (اور والد راحت کاظمی؟ کیا وہ خوش نہیں ہیں؟)

مسائل

پاکستان کے لیے دو مرتبہ آسکر ایوارڈ جیت کر آنے والی شرمین عبید چنائے سے ایک موقع پر صحافیوں نے کافی سخت سوالات کیے لیکن شرمین نے ان کے جوابات بڑی خندہ پیشانی سے دیے اور کہا ”ان کی ڈاکیومنٹری میں جو مسائل اجاگر کیے گئے ہیں ان سے پاکستان کا امیج خراب نہیں ہوا بلکہ مسائل کے حل کی امید پیدا ہوئی ہے۔“ (یہ آپ کا اپنا خیال ہے؟)

سید نور کے بارے میں انہوں نے کہا کہ سید نور صاحب کی شکایت کا کیا جواب دوں؟ کیوں کہ میں نے تو ڈاکیومنٹری بنائی ہے۔ ان کی فلم ایک فکشن ہے (آئیڈیا تو لیا جاسکتا ہے ناں) اور فیچر فلم ہے جسے میں نے دیکھا ہی نہیں (لکھنے والے نے تو دیکھی ہوگی ناں)۔ دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ انہوں نے سید نور کو انڈسٹری کا مایہ ناز ڈائریکٹر قرار دیا (مسکہ؟)۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی ڈاکیومنٹری تعلیمی اداروں میں بھی جا کر دکھائیں گی اور آئندہ بھی خواتین کے مسائل کو اجاگر کرتی رہیں گی۔

کچھ اِدھر اُدھر سے

☆ ریاستی بیانیہ بدلنے کی ضرورت ہے، بہتر قوانین سامنے لائیں تاکہ ایسے جن سے پابندیاں لگائی جاسکیں۔ کیوں کہ آج کی دنیا میں خبر چھپ نہیں سکتی۔ ایک ذریعہ بند ہوتا ہے تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ اچھا ہوا ”ٹک ٹاک“ پر سے پابندی ہٹالی گئی اور ساتھ چند ضروری شرائط بھی لگادی گئیں۔

(مظہر عباس......رپورٹ کارڈ)

☆ ”سلسلہ“ کی ریلیز کے کئی سال بعد ایک بار ریکھا کی موجودگی میں کسی نے ذکر کیا کہ فلاں جگہ خوب صورتی اور اداکاری کے معاملے میں ریکھا اور جیا کا مقابلہ کیا جارہا تھا۔ اس پر ریکھا نے بڑی نخوت سے کہا۔ ”گلیمر کے معاملے میں میرا اور جیا کا کیا مقابلہ؟ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے اداکار محمود کو دلیپ کمار بنانے کی کوشش کی جائے۔

(تمکین تبسم......چلتے چلتے)

☆ کرپشن صرف سیاست دانوں تک محدود نہیں۔ پی ٹی آئی کا یہ بیانیہ اب سیاسی تحریک کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بہتر یہی ہے کہ اداروں کو سیاسی قوتوں سے تصادم میں لے جانے والا بیانیہ ترک کردیا جائے اور سیاسی تحریک کا مقابلہ آئینی اور سیاسی طریقے سے کیا جائے۔

(نوشتۂ دیوار......نفیس صدیقی)

آپ کا باورچی خانہ

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

س۔1 کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پسند ناپسند، غذائیت، گھر والوں کی صحت؟

ج۔ تینوں چیزوں کا دھیان رکھتی ہوں سب سے مشکل وقت ناشتے کا ہوتا ہے۔ میاں کو روٹی سالن پسند ہے بچے اور میں پراٹھے پسند کرتے ہیں گھر کا دہی، لسی، چائے، انڈے سب کچھ بنتا ہے میں نے تازہ دہی کا کبھی ناغہ نہیں کیا گرمی اور سردی میں محنت کرنی پڑتی ہے پھر سبزیوں کا آملیٹ، چیز آملیٹ، سنڈے کو اکثر گھر میں دال، سبزی اور آلو کے پراٹھے بھی بنتے ہیں۔ پراٹھے بنانے میں اتنی مہارت ہوگئی ہے کہ میری پوتی آئمہ بھی چھوٹا سا پراٹھا کھاتی ہے دہی بھی کھانے لگی ہے۔

میرے بچوں کو میرے ہاتھ کے پراٹھے پسند تھے بہوویں بھی شوق سے کھاتی ہیں اسی کی ترکیب لکھ دیتی ہوں۔

پراٹھے کے لیے آٹا وہی عام استعمال ہوگا گوندتے وقت ہلکا سا نمک ضرور ڈال لیں، پیڑے کے اندر گھر میں موجود دودھ کی بالائی ڈال کر پیڑا بنائیں پھر توے پر پراٹھا ڈال کر اوپر بنا سپتی گھی لگائیں۔ مکھن اندر نہیں ٹھہرتا اس لیے بالائی کا استعمال کریں۔

س۔2 گھر میں اچانک مہمان آگئے کسی ایسی ڈش کا نام بتائیں جو فوری تیار ہوسکے؟

ج۔ ایسے وقت کے لیے میں ہمیشہ کوفتے، کباب اور مٹر وغیرہ فریز کر کے رکھتی ہوں۔ چکن بھی بون لیس اور باقی چیزیں علیحدہ کر کے فریز کرتی ہوں، ضروری نہیں ہے کہ آپ چنے کی دال وغیرہ کے ہی شامی کباب بنائیں۔ اس میں بہترین استعمال آلو کا ہے، چنے کے سالن میں بھی اکثر چنے بچ جاتے ہیں آپ علیحدہ سے بھی بوائل کر کے فریج میں رکھ لیں۔

کوفتے

چنے سفید ہوں یا کالے آدھا کلو، آلو ایک کلو (ابال لیں) پیاز، ٹماٹر، لہسن، سبز مرچ، سفید زیرہ، گرم مسالہ، ثابت دھنیا، سرخ مرچ اور نمک ڈال کر موٹا موٹا کاٹ کر تھوڑے سے پانی میں نرم کرنے کے لیے پکا لیں۔ اب ان تمام چیزوں کو کونڈی میں کوٹ کر مکس کر کے کوفتے بنا کر فریز کردیں جب مہمان آئیں تو — گھی میں انڈہ لگا کر کوفتے فرائی کریں، اب دو پیاز فرائی کریں اور گرائینڈ رمیں ٹماٹر ادرک لہسن، سبز مرچ اور تلی ہوئی پیاز ڈال کر گرائینڈ کریں پھر اس آمیزے کو بھون لیں۔ پانچ دس منٹ میں گریوی تیار ہو جائے گی کوفتے ڈال کر ہلکی آنچ کردیں آپ کوفتوں کے اندر بون لیس چکن قیمہ سبزیاں بھی ایڈ کرسکتی ہیں۔

دوسرے چولہے پر مٹر پلاؤ بنائیں اور ساتھ سلاد، کباب فرائی کر کے دہی کا رائتہ، روٹی سہولت ہو تو گھر پر بنالیں۔ ہماری تو مارکیٹ قریب ہے فوراً مل جاتی ہے۔ میٹھے میں سویاں آسانی سے بن جاتی ہیں۔ ملک پیک موجود ہے تو بہترین کسٹرڈ سویاں بن جاتی ہیں بہترین لنچ یا ڈنر تیار ہے۔

س۔3 کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ ہوتا ہے آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا اہتمام کرتی ہیں؟

ج۔ اس معاملے میں امی کی تربیت ہے اور مجھے عادت ہوگئی ہے کہ چاہے کتنی بڑی دعوت ہو، میں کچن کی ترتیب خراب نہیں ہونے دیتی۔ ہر چیز کا ایک ٹھکانا ہے برتنوں کی جگہ مخصوص ہے پھر ہر چیز سامنے سلیقے سے ترتیب سے موجود ہے۔

میری بیٹی اور دونوں بہوویں کوئی خاص چیز بناتی ہیں تو ترتیب کو ادھر ادھر کرنے لگتی ہیں تو میں فوراً جا کر کچن کو اسی حالت میں لے آتی ہوں۔ خاموشی سے یہ کام کرتی ہوں پھر ان کو عادت ہے کہ برتن جمع کر کے دھونے ہیں۔ میری عادت ہے جو برتن فارغ ہو رہا ہے اسے اسی وقت دھو کر اس کے ٹھکانے پر رکھنا ہے۔ دعوتوں میں افطاری میں، میں کبھی برتن جمع نہیں

ہونے دیتی، وقت کی بچت اس میں بہت زیادہ ہے، ذہنی سکون بھی ہے۔ ایک وقت کا کھانا بناتے ہوئے دوسرے وقت کو ذہن میں رکھ کر اس کے کام بھی نبٹاتی جائیں۔ ہفتہ وار صفائی میں سارے کیبنٹ وغیرہ چیک کریں اور روز کی صفائی اور تینوں وقت کی صفائی علیحدہ ہے۔ آپ کو عادت ہو جاتی ہے۔

س۔4 باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے مہینے میں کتنی بار باہر کا کھانا کھانے جاتے ہیں؟

ج۔ جب بچے چھوٹے تھے تو سارے اہتمام گھر میں ہی کرتی تھی ان کی ساری فرمائشیں امی کے گھر میں پوری ہو جاتی تھیں، اب ماشاء اللہ بڑے ہو گئے ہیں میری بیٹی اپنے بھائیوں اور بھابیوں کے ساتھ پروگرام بناتی ہے اکثر میں بھی ساتھ دیتی ہوں۔ کچھ ریسٹ مل جاتا ہے ویسے بھی امی ابو کا گھر جو میرا مرکز تھا، وہ نہیں رہا۔ اس لیے بچوں کو اجازت ہے۔ ویسے بھی تعلیم اور آفس کی سخت روٹین سے گزرتے ہیں اور میرے جیسی ہاؤس وائف کو بھی کبھی کبھار باہر جانا چاہیے۔

س۔5 کھانا پکاتے ہوئے ڈشز کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟

ج۔ بالکل ہر موسم میں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈھیر ساری ورائٹی دی ہے تو الحمدللہ سردیوں میں سرسوں کا ساگ خوب اہتمام سے بنتا ہے۔ گاجر کی کھیر، ڈرائی فروٹ کے ساتھ سوجی کا حلوہ بناتی ہوں اس کی بھی ترکیب حاضر ہے۔

سوجی کا حلوہ

جو میوہ آپ کو پسند ہو اسے کاٹ کر کرش کر کے رکھ لیں۔ سوجی کو تھوڑے سے آئل میں ایک چھوٹی الائچی ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ چمچہ چلاتی رہیں جب گولڈن براؤن ہو جائے تو پھر چینی حسب ضرورت میوہ ڈال کر ایک منٹ چمچہ چلائی اب اس میں ایک پیالی دہی، آدھا کپ یا ایک کپ دودھ ڈال کر اسی آنچ پر پکائیں۔ اب چمچہ برابر چلاتی جائیں ——— بہترین حلوہ تیار ہے گرمیوں میں کسی، ملک شیک اور برسات میں سبزی کے پکوڑے اور رول چائے کے ساتھ بنتے ہیں۔

س۔6 اچھا کھانا بنانے میں کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج۔ محنت کے بغیر تو کوئی کام نہیں ہوتا ہر گھر میں عورت کا امتحان اچھا کھانا ہی ہے لیکن اس کام میں پانچ وقت کی نماز، صفائی ستھرائی اور ہزاروں کام توجہ کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں نے آسان تر ایک بتائی ہیں۔ سب بہنوں بیٹیوں کو فائدہ ہو، بچیوں کی تعلیمی سرگرمیاں بہت مشکل ہوتی ہیں۔ ان کو فارغ دنوں میں چھٹیوں میں پیار سے کھانا بنانا سکھائیں۔ ٹینشن نہ لیں۔ درود شریف اور ذکر اذکار کرتے ہوئے کھانا بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ذائقے میں اور وقت میں برکت ڈال دیتے ہیں اور فضول سوچوں سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے۔

س۔7 صبح کا ناشتہ اہمیت رکھتا ہے آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟

ج۔ اس کا جواب میں تفصیل سے پہلے سوال میں دے چکی ہوں۔ مزید اضافہ یہ ہے کہ گرمیوں میں دودھ اور دہی میں شکر ڈال کر ٹھنڈا پانی مکس کر کے میٹھی لسی بناتی ہوں۔ میرے بچے اسے پی کر فوراً اٹھ جاتے تھے۔ اس طرح میں ان سے نماز بھی پڑھوا لیتی تھی۔ باقی ناشتہ سب اپنے اپنے وقت کے حساب سے کرتے ہیں۔ میرا ناشتہ صبح چھ بجے سے شروع ہو کر دس بجے تک چلتا ہے چھٹی کے روز اکثر نان اور چنے بھی آتے ہیں۔

س۔8 کچن کی کوئی ایک ٹپ جو آپ بتانا چاہیں؟

ج۔ اس کا جواب ساری بہنوں نے بہت زبردست دیا، مجھے بھی رہنمائی ملتی رہی میں بس یہ کہنا چاہوں گی کہ نیت کر کے یہ سب میں اللہ کی رضا کی خاطر کر رہی ہوں کوئی بھی تسبیح درود شریف کا ورد کرتے ہوئے کام کریں کھانے بنانے اور کھانا دینے کا وقت بھی عبادت میں شمار ہوگا اور آپ کے وقت میں برکت آئے گی۔ شادی سے پہلے کھانا بنانے میں دلچسپی نہیں تھی۔ بعد میں میرے شوہر اور ساس نے بہت کچھ سکھایا اور اب میں بھی اپنی بیٹی کو اور بیٹی جیسی بہوؤں کو سکھا رہی ہوں۔

☆

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

لیمن چلی چکن

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو
سفید سرکہ	آدھی پیالی
پسا ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی
پانی	ایک پیالی
چکن کیوب	دو عدد
لیموں	چار عدد
لال مرچ	آٹھ عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:۔

چکن کی بوٹیاں بنالیں۔ اب انہیں اچھی طرح دھو کر سفید سرکہ، ادرک اور نمک لگا کر پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ ایک برتن میں تیل گرم کر کے اس میں چکن ڈالیں اور پانی خشک کرلیں۔ اب ایک پیالی پانی میں چکن کیوب ڈال کر یخنی بنالیں اور اس میں لیموں کا رس ملا دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو الگ برتن میں لال مرچ اور باریک کٹی ہری مرچ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور چکن میں ڈال دیں۔ آخر میں تیار یخنی میں کارن فلور ملا کر چکن میں شامل کر کے ہلکا سا پکائیں۔ جب یخنی گاڑھی ہوجائے تو اس میں کٹی کالی مرچ ڈال کر گرم گرم سرو کریں۔

ٹماٹو پاستا

اشیاء:۔

قیمہ	ایک کپ
پاستا	حسب ضرورت
ٹماٹر	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
پسی سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
لہسن	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچے
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
ہری مرچ	تین عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک پتیلی میں تیل گرم کریں۔ مرغی کا قیمہ، ادرک اور تھوڑا سا نمک ڈالیں اور اچھی طرح بھون لیں۔ ٹماٹر کو ابال کر ان کا چھلکا اتار لیں اور مس کرلیں۔

ٹماٹر کو ایک الگ برتن میں ڈال کر ایک منٹ تک پکائیں۔ اس میں لہسن، سیاہ مرچ اور پیاز ڈال کر دو منٹ تک پکائیں۔ ٹماٹو کیچپ اور کارن فلور بھی ڈال کر چمچہ چلائیں، مکسچر گاڑھا ہونے لگے تو اس میں مرغی کا قیمہ بھی ڈال دیں۔ پانچ منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر ابال آنے تک پکائیں۔

ایک ڈش میں پاستا کی تہ بچھا دیں اور تیار کیا ہوا قیمہ اور ٹماٹر کا مکسچر ڈال دیں۔ ہرا دھنیا اور ہری مرچوں سے سجائیں۔

بہنوں کا آپنا ماہنامہ

شعاع

نومبر 2020
کے شمارے کی ایک جھلک

نومبر 2020
کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

- ''عناد'' صدف ریحان گیلانی کا مکمل ناول،
- ''شہر تمنا'' نعیمہ ناز کے ناول کی آخری قسط،
- ''شام کی حویلی'' رخسانہ نگار عدنان کا ناول،
- ''نورالقلوب'' تنزیلہ ریاض کا ناول،
- ''وہ نازنین'' فرح بخاری کے ناولٹ کی آخری قسط،
- ''قوام'' میمونہ صدف کا ناولٹ،
- شازیہ جمال طارق، عندلیب زہرا، نور نظر اور شازیہ الطاف ہاشمی کے افسانے،
- ماڈل اور اداکارہ ''اذیکا ڈینیل'' سے ملاقات،
- ''دستک'' معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- ''بیٹھ کر سیر دو جہاں کرنا'' آمنہ زرین کا تبصرہ،
- ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں'' احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع نومبر 2020 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

عدنان

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

زینب عمر......کراچی

س:۔ اٹھارہ سال پہلے میری شادی ہوئی، میں تعلیم یافتہ تھی اچھے کھاتے پیتے گھر سے تعلق تھا۔ ابا اور بھائی اچھے عہدوں پر تھے۔ شادی سے پہلے میں نے اپنے شوہر کو دو بار دیکھا تھا۔ جاوید نام تھا۔ پہلی بار وہ ہمارے گھر اپنے والدین کے ساتھ اس وقت آئے جب ان کے والدین ہمارے گھر رشتہ لے کر آئے تھے۔ اس کے بعد دوسری بار وہ ایک تقریب میں نظر آئے۔ دونوں بار وہ انتہائی سنجیدہ نظر آئے۔ مجھ سے ڈائرکٹ کوئی بات نہیں کی۔

جاوید کا رشتہ جب ہمارے گھر آیا تو گھر والوں نے ہر طرح کی چھان بین کی تھی۔ ہر طرف سے مثبت رپورٹ ملی تھی گھر والوں نے مطمئن ہو کر ہاں کر دی تھی۔ مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کا بے تاثر، سپاٹ چہرہ اور آنکھیں ضرور مجھے کھٹکتی تھیں لیکن یہ ایسی وجہ نہیں تھی جس کی بنا پر انکار کیا جاتا، جبکہ وہ ہر لحاظ سے اچھے تھے۔ اونچے، لمبے اور سب سے بڑی خوبی سانولا رنگ، لمبا قد اور سانولا رنگ میری کمزوری تھی۔

منگنی تقریباً چار ماہ رہی۔ اس دوران انہوں نے مجھے کبھی فون کرنے یا بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔

شادی ہو گئی......شادی کی رسومات میں ان کا رویہ ویسا ہی خشک تھا جسے سب نے ان کی عادت پر محمول کیا۔ پہلی رات مجھے توقع تھی کہ وہ بات کریں گے۔ کوئی اچھی بات، محبت کا اظہار یا کوئی شوخ جملہ لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔ ان کی خاموشی نے مجھے مشکوک کر دیا تھا۔ کوئی بات ضرور تھی جو ہم سے چھپائی گئی تھی۔ جلد ہی وہ بات سامنے آ گئی۔ میرے شوہر کی یہ دوسری شادی تھی۔ ان کی پہلی شادی ان کی پسند سے ہوئی تھی بلکہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ لڑکی ان کی کلاس فیلو تھی۔ شادی صرف ایک سال چل سکی۔ وجہ یہ تھی کہ جاوید کا کزن جو امریکہ میں ڈاکٹر تھا۔ وہ پاکستان آیا تو یہاں اپنی پھوپھی سے بھی ملنے آیا دونوں کے درمیان جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے لڑ جھگڑ کر طلاق لی اور اس شخص کے ساتھ کینیڈا چلی گئی۔ جاوید نے یہ شادی گھر والوں کے مجبور کرنے پر کی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ جان کر مجھے شدید دھچکا لگا تھا۔ میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ ابا تو کہتے تھے کہ یہ لوگ قابل اعتبار نہیں تم واپس آ جاؤ۔ لیکن امی نے مجھے سمجھایا کہ اتنی جلد بازی نہ کرو۔ جاوید فی الحال اس صدمہ سے نہیں نکلا ہے۔ بچہ ہو گیا تو سب بھول جائے گا۔ چند دن بعد جاوید مجھے لینے آئے۔ رسمی سے انداز میں معافی مانگی۔ میں ان کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔ جلد ہی مجھے بچے کی خوش خبری ملی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آہستہ آہستہ جاوید کے رویے میں بھی تبدیلی آ رہی تھی۔ وہ خوش نظر آتے تھے۔

میرا خیال بھی رکھتے تھے۔ امی کی بات ٹھیک نکلی تھی۔ بچہ ہونے کے بعد جاوید یکسر بدل گئے۔ انہوں نے گھر میں اور مجھ میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میرے لیے تحفے تحائف لے کر آتے۔ شادی کی سالگرہ آئی تو انہوں نے مجھے سونے کا سیٹ دیا۔ میں ہر طرح سے مطمئن تھی۔ میرا بیٹا چار سال کا ہو گیا تھا اور اسکول جانے لگا تھا۔

لیکن اسے میری بدنصیبی کہیں کہ جاوید کی پہلی بیوی پاکستان لوٹ آئی۔ اس ڈاکٹر نے اسے طلاق دے دی تھی۔ اب وہ جاوید سے ملنا چاہتی تھی۔ ان کو بار بار فون کر رہی تھی۔ معافی مانگ رہی تھی۔ شروع میں جاوید نے اثر نہ لیا پھر ان کا رویہ بدلنے لگا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے صفائی سے کہہ دیا کہ وہ دوبارہ اس لڑکی کو اپنانا چاہتے ہیں۔ مجھے اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ دوسری صورت میں، میں چاہوں تو طلاق لے سکتی ہوں۔

ان کے لہجے کی سختی بتا رہی تھی کہ وہ مصمم فیصلہ کر چکے ہیں اور اب اس فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

مجھ پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ اس لڑکی کے ساتھ گزارا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں یہ بات بتا دوں، میں گریڈ سترہ میں ایجوکیشن آفیسر تھی۔ مالی طور پر مجھے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میں نے اپنا سامان سمیٹا اور خاموشی سے گھر چھوڑ دیا۔ بچے کے لیے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ میرے پاس رہے گا۔

میری عمر اس وقت تیس سال تھی۔ گھر والوں نے مجھ سے دوسری شادی کے لیے کہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مجھے شوہر مل سکتا تھا لیکن میرے بچے کو باپ نہیں مل سکتا تھا۔

جاوید نے اپنی پہلی بیوی سے شادی کر لی تھی اور بہت خوش تھے۔ انہوں نے کبھی بچے سے ملنے کی بھی کوشش نہ کی۔ میں بھی مطمئن تھی۔ ایک باب بند ہو گیا تھا۔

دس بارہ سال گزر گئے۔ میرے بیٹے نے اولیول کر لیا۔ ایک دن اچانک جاوید کا فون آ گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ اس سے ملنا چاہتے تھے۔ میں نے سختی سے انکار کر دیا تو انہوں نے میرے بیٹے سے کانٹیکٹ کیا اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، میرے بیٹے نے مجھے بتایا تو میں نے اسے منع کر دیا۔ دراصل ان کی دوسری بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تھی اور نہ اولاد ہونے کا امکان تھا۔ اب انہیں اولاد کی خواہش ستا رہی تھی۔

میرا بیٹا بہت سمجھ دار ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ”آپ میرے لیے ماں اور باپ دونوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن میرا اپنے باپ سے بھی تعلق بنتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مل کر اپنے کسی جذبے کی تسکین چاہتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔“ مجبوراً میں نے اجازت دے دی۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ میرا بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا ہے۔ ذہنی طور پر میں شدید ڈسٹرب ہوں۔ شدید ڈپریشن کا شکار ہوں۔ جب میرا بیٹا باپ سے مل کر آتا ہے تو بہت خوش نظر آتا ہے، میرا دل نہیں مانتا کہ اسے باپ سے ملنے سے منع کروں۔ لیکن دوسری طرف میری ذہنی کیفیت دن بہ دن بگڑتی جا رہی ہے۔

ج:۔ اچھی بہن! ماضی میں جو ہوا اچھا یا برا، اس کو بھول جانے میں ہی عافیت ہے۔ آپ نے اس وقت شوہر سے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ ٹھیک کیا یا غلط۔ اس سے قطع نظر آپ کو اپنے لیے بھی سوچنا چاہیے تھا۔ آپ اس وقت کم عمر تھیں۔ زندگی کا ایک لمبا سفر باقی تھا۔ لیکن آپ نے اپنے بچے کے لیے سوچا۔ آپ کی سوچ غلط نہیں تھی۔ اب آپ کا بچہ جوان ہو چکا ہے سمجھ دار ہے۔ اب یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اپنے بارے میں سوچیں۔ آپ کا بیٹا اس وقت اپنے باپ سے مل رہا ہے تو آپ بے اطمینانی کا شکار ہیں۔ کل وہ کسی لڑکی سے شادی کر کے اس کے ساتھ چلا جائے گا تو آپ کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔

ابھی وقت ہے۔ آپ اپنے بارے میں سوچیں۔ کسی اچھے شخص سے شادی کر لیں۔ بیٹے کو باپ سے ملنے سے نہ روکیں، اس صورت میں جبکہ وہ باپ سے مل کر خوش نظر آتا ہے۔

صبا احمد۔ لاہور

عدنان بھائی مسئلہ بہت چھوٹا ہے لیکن میرے لیے بہت بڑا ہے۔ میں نویں کلاس کی طالبہ ہوں۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر اسکول ہے۔ میں اسکول جاتی ہوں تو ایک لڑکا میرا پیچھا کرتا ہے۔ گھر میں کسی کو بتا نہیں سکتی۔ بڑے بھائی تو میری پڑھائی کے شدید دشمن ہیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ میں گھر بیٹھ جاؤں میں نے امی کی خوشامد کر کے بمشکل پڑھنے کی اجازت لی ہے۔ اب انہیں پتا چلا تو وہ مجھے گھر بیٹھنے کو کہہ دیں گے۔

ج:۔ اچھی بہن! کچھ دن خاموش رہیں۔ وہ خود ہی تھک کر بیٹھ جائے گا لیکن اگر وہ باز نہیں آتا تو آپ اپنے ابو سے کہیں، وہ آپ کو اسکول چھوڑ کر آئیں۔ ابو کو پوری بات بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ آپ کو اکیلے جانا اچھا نہیں لگتا۔ اگر ابو منع کر دیں تو امی یا چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر جا سکتی ہیں۔ جب وہ دیکھے گا کہ آپ تنہا نہیں ہوتیں تو آپ کا پیچھا کرنا چھوڑ دے گا۔

اسکول کی لڑکیاں، جو آپ کے گھر کے قریب رہتی ہیں۔ ان کے ساتھ دوستی کریں۔ اور ان کے ساتھ اسکول سے گھر جائیں۔

☆

فائزہ علی.....کبیر والا

س: میرے بال بہت روکھے اور خشک ہیں، کئی شیمپو بدل کر دیکھے کوئی فائدہ نہیں ہوا، خشک ہونے کی بنا پر بال کھڑے رہتے ہیں۔ کتنی بار کنگھا کرلوں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تیل لگانے کے بعد لگتا ہے جیسے میلے ہوں کوئی چمک یا رونق نظر نہیں آتی؟

ج: سب سے پہلے تو آپ اپنا شیمپو تبدیل کریں، ایسا لگتا ہے کہ آپ جو شیمپو استعمال کر رہی ہیں وہ خشک بالوں (dry hair) کے لیے نہیں ہے۔

دوسری بات آپ اپنی غذا پر توجہ دیں۔ خصوصاً آئرن والی چیزیں کھائیں۔ جیسے پالک، کیلا، سیب وغیرہ، ممکن ہو تو ڈاکٹر کے مشورے سے کوئی آئرن ٹیبلٹ استعمال کریں۔ ایک ماسک لکھ رہی ہوں یہ بالوں پر لگائیں۔ یہ ماسک بالوں کو نمی فراہم کرتا ہے۔

کچا دودھ تین کھانے کے چمچے
کیلا ایک عدد
شہد ایک کھانے کا چمچہ
زیتون کا تیل ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: ان تمام اشیاء کو بلینڈر میں ڈال کر پیسٹ بنالیں بلینڈر نہ ہو تو آپ کانٹے کی مدد سے بھی کیلے کو میش کرسکتی ہیں۔

اب اس پیسٹ کو بالوں میں لگا کر ایک گھنٹہ چھوڑ دیں۔ اس کے بعد پانی سے دھو کر صاف کرلیں اور پھر شیمپو استعمال کریں۔ آپ کے بال چمکیلے اور لچک دار ہو جائیں گے۔

رضیہ خان.....میانوالی

س: میری بھنویں پہلے بہت گھنی اور اچھی تھیں، لیکن پتا نہیں کیا ہوا کہ ہلکی اور جھڑنا شروع ہو گئیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں نے انہیں شیپ دینے کے لیے کئی بار تھریڈنگ اور پلکنگ کروائی تھی۔ اب مجھے بتلائیں کہ میں کیا کروں؟

ج: بھنویں کبھی کبھی وراثت کے اثرات کی وجہ سے بھی چھدری ہوتی ہیں، لیکن آپ کی پہلے گھنی تھیں اب جھڑنا شروع ہوئی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کچھ اس قسم کی کاسمیٹکس استعمال کی ہیں جن سے جلد کو نقصان پہنچا ہے۔ اگر آپ کوئی کاسمیٹکس استعمال کر رہی ہیں تو فوراً روک دیں۔ بہت زیادہ بال نوچنے سے بھی پھر بال نکلنا بند ہو جاتے ہیں تھریڈنگ کرانا بھی بند کردیں۔

بھنوؤں کو موٹا اور گھنا بنانے کے لیے اپنی خوراک میں وٹامن سی اور وٹامن ای پر مشتمل غذائیں بڑھا دیں۔ جیسے کینو، لیموں، آج کل سیب کا موسم ہے۔ سیب ہم لوگ زیادہ کھائیں۔ ڈاکٹر سے مشورہ کرکے وٹامن سی اور ای کی ٹیبلٹ بھی لے سکتی ہیں۔ یہ وٹامنز آپ کے سر کے بالوں اور چہرے کی جلد کے لیے بھی مفید ثابت ہوں گے۔

بھنوؤں کو سیاہ، چمک دار اور موٹا بنانے کے لیے رات کو سوتے وقت بھنوؤں پر.....کیسٹر آئل لگائیں۔ اس کے بہت اچھے نتائج حاصل ہوں گے۔

فی الحال آپ براؤن پنسل کی مدد سے اپنی پتلی اور چھدری بھنوؤں کو گھنا تاثر دے سکتی ہیں۔

PakistanPoint
www.pakistanpoint.com